ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
Naeyufaq.com
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
مشترکہ شمارہ
اپریل، مئی، جون
پاکستانی پوائنٹ

بیاد زیب النساء
فرحت آراء
مدیر اعلیٰ مشتاق احمد قریشی
مدیرہ قیصر آراء
معاون مدیر ندا رضوان / عثمان عبداللہ
نائب مدیر سعیدہ نثار
گروپ ایڈیٹر طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد 05
شمارہ 06/07/08
اپریل مئی جون
2020

naeyufaq.com
Aanchal & Hijab Official Group
/women.magazine

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

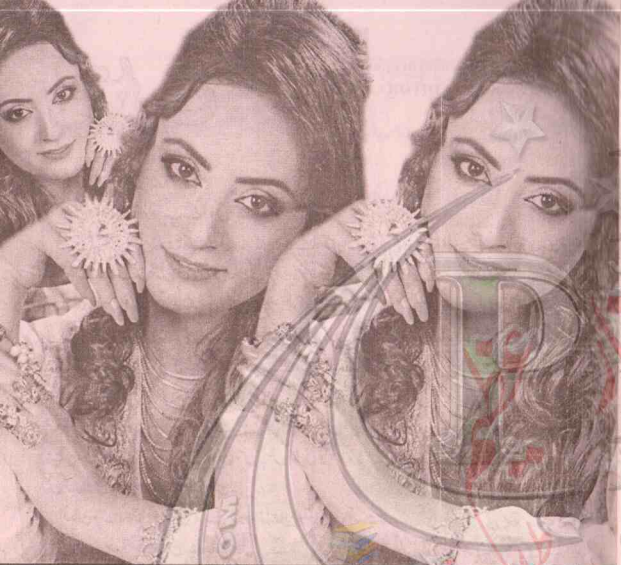

ابتدائیہ

بات چیت	مدیرہ	08
حمد/نعت	امجد اسلام امجد	09

آنگن کی چڑیا

انٹرویو	فاطمہ ظفر / عائشہ مبین	10

سلسلہ وار ناول

عشق دی بازی	ریحانہ آفتاب	104
عشق نگر کے مسافر	ندا حسنین	148

ناولٹ

محبتوں کے قرض	ام مریم	56
محبت کا ڈراپ سین	روبی مریم حمید	128

مکمل ناول

ایک تھی مہر	شبینہ گل	42
دل کو کس کا ملال تھا	نادیہ احمد	72
میرے بن کر آؤ	سیما بنت عاصم	180

افسانے

ریحانہ کی ام کلثوم	عمارہ خان	96
اگر تو نہ ہوتا	عالیہ توصیف	144
رانی بیٹی راج کرے	عرشیہ ہاشمی	172

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 نیپئر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

سرورق: صائمہ انصار
عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

بزم سخن	سمیہ عثمان	209
کچن کارنر	زہرہ جبین	211
عالم میں انتخاب	زینب احمد	214
شوخئ تحریر	ہما ذوالفقار	217
حسن خیال	جوہی احمد	220
دوست کا پیغام آئے	ملیحہ احمد	225

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2
03008264242 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل Info@naeyufaq.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

editorhijab@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جون ۲۰۲۰ء کا شمارہ آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

آج کل وطنِ عزیز کرونا وائرس کی وباء میں مبتلا ہے، چین سے شروع ہونے والی یہ مہلک بیماری بہت تیزی سے مختلف ممالک میں پھیل گئی اور اس سے کئی ہزار جانوں کا نقصان بھی ہو چکا ہے اور دنیا کے بہترین معالج بھی اس کا علاج دریافت کرنے میں فی الحال ناکام نظر آرہے ہیں۔ وطنِ عزیز میں لوگوں کو احتیاطی تدابیر بتائی جارہی ہیں اور ان پر سختی سے عمل کرنے کے لیے کہا جارہا ہے پر ہماری عوام اس وباء کو لے کر قطعی سنجیدہ نظر نہیں آرہی۔ اب پاکستان میں بھی یہ وباء بہت تیزی سے پھیل رہی ہے اور کئی مریض و معالج زندگی اور موت کی جنگ لڑرہے ہیں اور کئی اپنی قیمتی جانیں اس وباء کی نذر کرگئے ہیں' ایک طرف میڈیا پر حکومتی ارکان کہہ رہے ہیں کہ کرونا وائرس کا ٹیسٹ فری کیا جارہا ہے جبکہ بعض اسپتالوں کی انتظامیہ منہ کھول کر فیس مانگ رہے ہیں اور لوگ دینے پر بھی مجبور ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ اس مشکل گھڑی کو مختصر فرمائے اور ہم سے راضی ہوجائے اور ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انسان چاہے جتنا بھی ترقی کرلے پر وہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی حکمت تک نہیں پہنچ سکتا وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز کی ایجاد کے بعد ہم دوسروں سے داد وصول کرتے ہیں اور خود پر فخر محسوس کرتے ہیں جبکہ وہ کام بھی ہم سے اللہ سبحان وتعالیٰ ہی کراتا ہے' ہم خود کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ کرونا وائرس کی بیماری بھی اس کی طرف سے آئی ہے اور ہم اس کا علاج تلاش کررہے ہیں جبکہ معالجین کا کہنا ہے کہ فی الحال ہمیں اٹھارہ ماہ لگیں گے اس کی دوا تیار کرنے میں اور ان اٹھارہ ماہ کے دوران کیا کچھ ہوجائے کچھ خبر نہیں، اللہ ہی ہے جو بغیر کسی دوا کے اس بیماری کا خاتمہ کرسکتا ہے اور ہمیں دنیاوی معالجین کے بجائے اس حقیقی معالج سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہم سے راضی ہوجائے آمین۔

آپ قارئین جس طرح آنچل وحجاب کو سجانے سنوارنے میں ہماری مدد کرتے آئے ہیں اس کے لیے ہم آپ کے ممنون ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ کا یہ تعاون ہمیشہ ہمارے ہمقدم رہے گا۔

اس ماہ کے ستارے:۔

شبیہ گل' اُم مریم' عمارہ خان' روحی مریم حمید' عالیہ توصیف' عرشیہ ہاشمی۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

ذرّہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں
کرنیں ملیں کرم کی تو حمد و ثنا لکھوں

تیری صفات وذات میں تفریق ہے عبث
جلوہ لکھوں تجھے کہ میں جلوہ نما لکھوں

واحد کہوں، وحید کہوں، حامد و حمید
تجھ کو حکیم و حاکمِ روزِ جزا لکھوں

قیوم بھی، قدیم بھی ہے تو عظیم بھی
مطلق لکھوں، صمد لکھوں رب العلیٰ لکھوں

ذروں کو آفتاب کے جلوے عطا کیے
اس سے سوا میں اور کیا تیری عطا لکھوں

عالم نیا ہو روز مرے وجد و حال کا
مضمون تیری حمد کا ہر دم نیا لکھوں

وجد چغتائی

نعت

کبھی یسٰین و مبشر کبھی طٰہٰ لکھوں
زندہ جب تک رہوں نعت شہِ والا لکھوں

نعت لکھنے کی تمنا لیے اس سوچ میں ہوں
خود جو ممدوح کدا ہو اسے میں کیا لکھوں

وصف آئینہ ہے خود آئینہ گر کی توصیف
حمد لکھنی ہو تو احمد ﷺ کا سراپا لکھوں

قاب قوسین نے حد کھینچ رکھی ہے ورنہ
ذکر معراج کا چھڑ جائے تو کیا کیا لکھوں

وہ بھی دن آئے کہ ہر دل میں وہی وہ ہوں مکیں
اور میں ناز سے ہر دل کو مدینہ لکھوں

عشق سرور نے وہ حق گوئی عطا کی کہ امید
مر بھی جاؤں تو نہ میں دشت کو دریا لکھوں

امید فاضلی

آنگن کی چڑیا

فاطمہ ظفر...... کوٹلی

س:۔ کیا آپ کے گھر میں صنفی امتیاز برتا جاتا ہے؟ اگر ہاں تو کیا آپ اس پر احتجاج کرتی ہیں؟

ج:۔ نہیں جی ہمارے گھر میں فرق نہیں سمجھا جاتا بیٹا بیٹی میں برابر کا درجہ ملتا ہے دونوں کو نا ہی ہمارے والدین کی جاہلوں جیسی سوچ ہے جو بیٹا بیٹی میں فرق سمجھیں ہمارے گھر میں تو لڑکیوں کو زیادہ پیار دیا جاتا ہے لڑکوں کی نسبت۔

س:۔ آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ج:۔ آج کل کے زمانے میں تو ایسا بالکل بھی نہیں ہے ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اعلیٰ سے اعلیٰ اسکول میں تعلیم حاصل کرے لیکن کچھ لوگوں کو حالات اجازت نہیں دیتے انفیکٹ ہمارے گھر میں لڑکیوں کو تعلیم کی بھرپور اجازت ہے کوئی روک ٹوک نہیں۔

س:۔ آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ج:۔ میرے نزدیک تعلیم حاصل کرنے کا مقصد شخصیت کو سنوارنا، چھوٹے بڑے کو عزت دینا۔ تعلیم ہی وہ بہترین چیز ہے جو ہمیں بہترین انسان بناتی ہے اور رہی بات اچھے گھرانے میں شادی تو ظاہری بات ہے تعلیم سے سوچ بنتی ہے اور اچھی سوچ سے ہی اچھے لوگ ملتے ہیں رہی بات ملازمت کی تو اگر گھر والے اجازت دیں یا مالی تنگ دستی ہو تو تعلیم بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

س:۔ کیا آپ خواتین کے ملازمت کرنے کے حق میں ہیں؟

ج:۔ جی خواتین کو ملازمت کرنے کا حق ہے میں خود بھی ٹیچنگ کی جاب کرتی ہوں ویسے جاب وہاں کرنی چاہیے جہاں عزت سے سب پیش آتے ہوں۔

س:۔ آپ کے خیال میں روشن خیال اور لبرل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ج:۔ میرے نزدیک روشن خیال اور لبرل ہونے کا مطلب ہے کہ جدید تقاضوں میں اسلامی حدود کا پاس رکھنا صلہ رحمی اپنانا' روشن خیالی نیکی کا نام ہے۔

س:۔ آپ اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار سے آگاہ ہیں تو کیا ان کی پیروی کرتی ہیں؟

ج:۔ جی الحمدللہ میں بالکل آگاہ ہوں اور پیروی بھی کرتی ہوں پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں اپنی ذات سے کسی کو دکھ نہیں دیتی۔

س:۔ کیا لڑکیوں کو خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے؟

ج:۔ جی ہاں، جی لڑکیوں کو خواب پورا کرنے کا موقع ملنا چاہیے کیونکہ لڑکیوں کے خواب بہت نازک ہوتے ہیں لیکن لڑکیوں کو ایک حد میں رہ کر خواب دیکھنے چاہیے جن کی تعبیر ممکن ہو۔

س:۔ زندگی گزارنے کے لیے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟

ج:۔ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اوروں کے کام آؤں اور اسوہ حسنہ اپنانا۔

س:۔ کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟

ج:۔ اللہ اور رسول سے بہت محبت ہے اس کے بعد اپنے گھر والوں سے دوستوں سے بہت محبت ہے۔

س:۔ سسرال سے کیا توقعات اور خدشات ہیں؟

ج:۔ کسی سے توقع رکھنا فضول ہے سسرال والے کون سا جن چڑیل ہوتے ہیں جن سے ڈرنا ہوتا ہے (ہاہاہاہا) کوئی فکر نہیں سسرال والوں سے جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔

س:۔ گھر کے کاموں میں کس حد تک دلچسپی لیتی ہیں؟

ج:۔ گھر کے کاموں میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے امی جانیں یا میری بہنیں' مجھے ابھی کام کرنے نہیں دیتے نہ ہی مجھے شوق ہے جب سر پر پڑے گی تو کرلیں گے ابھی کون سا اگلے گھر جانا ہے جو کام سیکھیں۔ (ہاہاہاہاہا)

س:۔ کس طرح کے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟

ج:۔ حساس اور پرُخلوص لوگوں سے دوستی کرنا پسند ہے۔ اس کے علاوہ جو شوخ ہوں تھوڑے۔

س:۔ آپ ڈائجسٹ کیوں پڑھتی ہیں؟

ج:۔ ڈائجسٹ بہت کام کی چیز ہے' بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز سکھاتا ہے ڈائجسٹ از دا بیسٹ آئی لو یو آنچل اینڈ حجاب۔

س:۔ کوئی یادگار شرارت؟

ج:۔ شرارتوں میں تو ہم ماہر تھے، اپنی دوستوں کو لے کر لور لور ہی پھرنا میری فیورٹ شرارت تھی۔ ایک شرارت یاد ہے جب میں چھوٹی تھی تو ایک دن مینڈک کو پکڑ کر اس کا آپریشن کردیا جب اس کا آپریشن کیا تو سوئی سے اسے ٹانکے لگائے پھر مزے کی بات ٹانکے لگا کر جب میں نے اسے دیکھا تو پھر وہ زندہ ہوگیا ہوں نا میں ڈاکٹر۔ (ہاہاہاہا)

س:۔ کس شخصیت یا واقعے نے اثر ڈالا؟

ج:۔ آخری سوال کا جواب میرے مطابق یہ ہے کہ ہر رشتے کا ہماری زندگی پر حق ہوتا ہے اس لیے ہم سے منسلک تمام افراد ہماری شخصیت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں چاہے وہ ماں یا باپ کی صورت میں ہوں یا بھائی، بہن یا پھر استاد کی شکل میں ہوں اس لیے اس کا جواب یہ ہے ہر وہ رشتہ جو مجھ سے وابستہ ہے اس نے میری شخصیت پر مثبت اثر ڈالا ہے۔

آخر میں میری تمام فرینڈز عشرت فاطمہ، ثمرہ گلزار، اقرأ ظفر، عافیہ، حفصہ سب پڑھنے والوں کو سلام سب خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں کوشش کریں کسی کا دل نہ توڑیں کیونکہ ہر چیز کا کفارہ ہوتا ہے لیکن دل ٹوٹنے کا نہیں ہوتا۔

عائشہ مبین...... گوجرانوالہ

س:۔ کیا آپ کے گھر میں صنفی امتیاز برتا جاتا ہے؟ اگر ہاں تو کیا آپ اس پر احتجاج کرتی ہیں؟

ج:۔ بالکل بھی نہیں، حالانکہ ہم چار بہنیں اور ہمارا ایک بھائی ہے سب سے چھوٹا۔ ہمارے ابو جی نے کبھی بھی ہم میں اور بھائی میں فرق نہیں کیا' امی

ہماری فوت ہوگئی ہیں 2013ء میں' ہمارے ابو نے دوسری شادی بھی کی ہے لیکن ہمارے ساتھ کوئی فرق نہیں کیا وہ ہم سے بہت پیار کرتے ہیں۔

س:۔آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ج:۔ تعلیم نہیں تو کچھ بھی نہیں لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے ہمارے گھر میں ایسی کوئی پرابلم نہیں' ہم پڑھ رہی تھی میں اور میری بڑی آپی (ماریہ آصف) اب اس کی شادی ہوگئی ہے آٹھویں جماعت میں تھی جب ہماری امی جی فوت ہوئی تھیں اس کے بعد ہم نے میٹرک کیا ابو ہمارے سعودی عرب میں ہوتے تھے صرف ہمارے پاس دادا ابو تھے اس لیے ہم نے اسکول چھوڑ دیا اور جامعہ چلی گئی، 5 سال جامعہ میں لگائے چھوٹی بہنیں اور بھائی پڑھ رہا ہے۔

س:۔آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ج:۔ میرے نزدیک علم حاصل کرنے کا مقصد شخصیت کو سنوارنا ہے۔

س:۔ کیا آپ خواتین کے ملازمت کرنے کے حق میں ہیں؟

ج:۔ کچھ خواتین اپنی مجبوری سے ملازمت کرتی ہیں اور کئی انجوائے منٹ کے لیے' لیکن ہمارے گھر میں اجازت نہیں ہے۔

س:۔آپ کے خیال میں روشن خیال اور لبرل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ج:۔ میرے نزدیک روشن خیال ہونے کا مطلب ہے کہ دین کی سمجھ ہونی چاہیے' ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لڑکی کو ہر طرح کی آزادی ہونی چاہیے' آج کل کا زمانہ ہے ہی نہیں کہ عورت اکیلی باہر جائے کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو بہت آزاد خیال رکھتے ہیں ٹھیک ہے رکھے مگر اتنا نہیں کہ بعد میں پچھتانا پڑے اللہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

س:۔آپ اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار سے آگاہ ہیں تو کیا ان کی پیروی کرتی ہیں؟

ج:۔جی بالکل۔

س:۔ کیا لڑکیوں کو خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے؟

ج:۔ لڑکیاں بہت خواب دیکھتی ہیں اور پورا کرنے کا موقع کیا حق بنتا ہے ناں ان کا۔

س:۔ زندگی گزارنے کے لیے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟

ج:۔زندگی گزارنی آسان تو نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی دی اس زندگی کے بارے میں سوال بھی کرنا ہے کہاں گزاری، بس یہ دعا ہے کہ اللہ اپنا رحم کرے اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

س:۔ گھر کے کاموں میں کس حد تک دلچسپی لیتی ہیں؟

ج:۔گھر کے کاموں میں دلچسپی نہیں تھی مگر اب کرنے پڑتے ہیں الٹے سیدھے کر کے صحیح آ ہی گئے ہیں چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالنا ہوتا ہے۔

س:۔کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟

ج:۔ مجھے اپنی امی جی سے دیوانگی کی حد تک محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ میری امی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

س:۔سسرال سے کیا توقعات اور خدشات ہیں؟

ج:۔ سسرال کے بارے میں کس کو نہیں ہوتے خدشات' مجھے بھی ہیں میں تو یہ ہی چاہتی ہوں صلح صفائی ہی رہے سب مل جل کر رہیں مجھے بڑا شوق ہے جوائنٹ فیملی ہو ہم لوگ سپرٹ ہیں اس لیے آگے اللہ کی مرضی۔

س:۔ کس طرح کے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟

ج:۔ مشکل سوال پوچھ لیا ہاہاہاہاہا۔ جو اچھا لگے لیکن میں دوستی بہت کم کرتی ہوں، اسکول سے میٹرک کیا مگر ہم 5 لڑکیوں کا گروپ تھا بس میں میری سسٹر ماریہ مبین، ماریہ اصغر، مہناز بٹ، زیبا فتح محمد، کہاں ہو سب کچھ تو رابطے بحال رکھو۔

روز ہی بھول جاتے ہو تم ہمیں
ہم تو تمہارے دوست ہیں کوئی سبق تو نہیں

س:۔آپ ڈائجسٹ کیوں پڑھتی ہیں؟

ج:۔ میں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں کوئی بھی ہو کہیں سے بھی مل جائے کرن، شعاع، خواتین، حجاب، آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں باقی بھی اور ان سے اصلاح لیتی ہوں میرے ابو نہیں پڑھنے دیتے مگر میں ضرور پڑھتی ہوں ان کے بغیر بالکل بھی گزارا نہیں جی۔

س:۔کوئی یادگار شرارت؟

ج:۔ ہاہاہاہا کیا بتاؤں میں بہت شرارتی تھی اور شرارت میں میرا نقصان تو بالکل بھی نہیں ہوتا (ہاہاہاہاہا) جو مجھے مار پڑتی اس کی کوئی نہ کوئی چیز ٹوٹی ہوتی تھی ایک دفعہ امی کو تنگ کر رہی تھی غصے میں امی نے مجھے جوتا مارا میں بھاگ کر کمرے سے باہر تو جوتا کھڑکی کو لگ گیا کھڑکی شیشے کی تھی ساری ٹوٹ گئی ایک دفعہ دونوں سسٹر جھگڑ رہی تھی تو فرج کا دروازہ ہی توڑ دیا۔ (ہاہاہاہاہاہا)

س:۔کس شخصیت یا واقعے نے اثر ڈالا؟

ج:۔بات یہ ہے کہ میں پہلے بہت بہادر لڑکی تھی کسی سے ڈرنا تو میری فطرت میں تھا ہی نہیں جو بات ہوتی اگلے کے منہ پر کر دیتی' اس بات پہ بھی کئی دفعہ ڈانٹ پڑی لیکن اس واقعے سے میں ڈر گئی پر اب وہ واقعہ یاد نہیں' اب میں اپنے آپ میں رہنے لگی ہوں اور بھروسا تو کسی پر کرتی ہی نہیں جامعہ میں میری ایک دوست تھی پرنسپل کی بیٹی بہت اچھی تھی ہر کام میں میرے ساتھ ہوتی تھی مطلب نیچر کی بھی اچھی تھی لیکن مجھے جامعہ چھوڑنا پڑا وجہ جامعہ چھوڑنے کی کہ میرے دادا ابو بہت بیمار رہنے لگے تھے دادا ابو نے مجھے جانے نہیں دیا لیکن جامعہ والوں نے بالکل بھی اعتبار نہیں کیا تب میں وہاں ٹیچر تھی کچھ دن بعد دادا ابو کی ڈیتھ ہوگئی جامعہ سے اتنی نفرت ہوئی کہ میں دوبارہ جامعہ گئی ہی نہیں اور اس فرینڈ نے بھی یقین نہیں کیا اتنا دل اچاٹ ہوگیا کہ اب کسی سے دوستی کرنا اچھا نہیں لگتا۔

www.naeyufaq.com

میرے من کے آؤ

سیما بنت عاصم

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے اور تم جانتی ہو میں اپنے فیصلوں میں ہمیشہ سے اٹل رہی ہوں اور کبھی پچھتاتی بھی نہیں۔ میں گھر جاتے ہی زوار کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گی۔ میں جانتی ہوں وہ ہمیشہ کی طرح میری یہ بات بھی مان لے گا۔'' مہر کا فیصلہ بے شک اٹل تھا لیکن اس کی آواز میں لرزش تھی۔ چہرے پر زلزلے کا سماں تھا۔ فیصلے کی استقامت پورے وجود میں اور کہیں نظر آرہی تھی تو وہ صرف اس کی آنکھوں میں تھی اور اس کی آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔ فائزہ بری طرح رو دی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام کر منت بھرے انداز میں بولی۔

''ایسا مت کرو مہر پلیز...... یہ ظلم ہے' تم پر بھی اور زوار پر بھی۔ تم صرف اپنا اور اس کا سوچو' دنیا کو چھوڑو' باقی سب کو چھوڑو مہر۔'' مہر تلخی سے مسکرائی اور فائزہ کے ہاتھ دبا کر بولی۔

''دنیا کو نہیں سوچا میں نے فائزہ۔ میں نے ان کو سوچا ہے جن کی وہ پوری دنیا ہے۔ تم نہیں سمجھو گی۔'' فائزہ کی نم آنکھوں میں غصہ تھا۔

''یہ سب کیا دھرا' اسوہ کا ہے۔ دیکھ لوں گی میں اسے بھی۔'' مہر کو اس کی محبت پر پیار آیا۔ وہ اس کے اپنی محبت میں بہتے آنسو پونچھ کر پیار سے بولی۔

''اسوہ کا اس سب میں کوئی قصور نہیں بلکہ اس کی تو میں احسان مند ہوں کہ اس نے دوستی کا حق ادا کردیا۔''

''اور میں......'' فائزہ تیزی سے بولی۔ ''کیا میں تمہاری دوست نہیں؟ میرا دل تم دونوں کے لیے رو رہا ہے' کیا یہ غلط ہے' کیا یہ دشمنی ہے؟'' مہر نے بے ساختہ اسے گلے لگایا۔

''نہیں پیاری' یہ دشمنی نہیں ہے' تمہیں مجھ سے پیار بہت ہے ناں اس لیے تمہارا دل دکھ رہا ہے لیکن میں ذرا دور کی سوچ رہی ہوں۔ وقتی دکھ اٹھا کر ساری عمر کے دکھ اور پچھتاؤں سے چھٹکارہ مل جائے تو سودا برا نہیں۔ اللہ کو ہم سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے فائزہ اور مجھے اپنے اللہ جی کی محبت پر پورا بھروسا ہے۔ اگر میرا فیصلہ غلط ہوا تو وہ اپنا فیصلہ لاگو کرے گا ناں۔ سو پریشانی کیسی؟ یہ تو جانتی ہو ناں کہ ہم انسان اپنی مرضی سے ایک سانس بھی نہیں لے سکتے تو سمجھو یہ فیصلہ بھی مجھ سے میرے اللہ نے کروایا ہے اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ سب نہ کرتی۔'' فائزہ قائل ہونا نہیں چاہتی تھی اس لیے خاموش ہوگئی۔

وہ جانتی تھی کہ مہر اپنے فیصلوں میں کسی کی نہیں سنتی اس لیے کچھ بھی کہنا بے سود تھا۔ مہر اپنا شولڈر بیگ اٹھائے کھڑی ہوگئی۔ ہمیشہ کی طرح فائزہ گیٹ تک اس کے ساتھ آئی لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ مہر اس کے گھر سے ہنسی خوشی رخصت نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ ہنسی خوشی آئی بھی نہیں تھی۔ اس کے گھر سے پہلے وہ اسوہ کے گھر گئی اور فیصلہ کرتے ہی سیدھی اس کی طرف آگئی تھی۔ اس سے پہلے کبھی بھی وہ یوں فیصلے سنانے ان کے گھر نہیں آئی تھی لیکن پہلے کبھی ایسے فیصلے کی نوبت بھی تو نہیں آئی تھی......

فیصلہ سنانے کی آڑ میں درحقیقت وہ اپنی عزیز از جان دوستوں کی مورل اسپورٹ حاصل کرنے آئی تھی۔ وہ ٹوٹ رہی تھی اور اس کو کاندھا تو درکار تھا۔ بکھر رہی تھی تو سمیٹنے والے ہاتھوں کی موجودگی کا تیقن بھی تو لینا تھا تاکہ گھر جا کر مضبوطی اور ثابت قدمی سے امی بابا کا سامنا کرسکے اور پھر اسی مضبوطی کے ساتھ اپنا فیصلہ زوار تک پہنچا سکے۔ اس کے بعد ضبط کی طنابیں بے شک ہاتھوں سے پھسل بھی جاتیں تو پروا نہ تھی۔ فائزہ کے گھر سے مین روڈ تک پانچ منٹ کا راستہ تھا جہاں سے اس نے ٹیکسی لینی تھی۔ سورج مکمل طور پر ڈھل گیا تھا' پرندے اپنے آشیانوں میں روپوش ہوگئے تھے' تاریکی پھیلانے لگی تھی' اسٹریٹ لائٹس کہیں روشن اور کہیں بند تھیں جس کی وجہ سے سڑک نیم تاریک ہی تھیں۔ پہلی بار مہر کو یہ نیم تاریکی

بھلی لگی اور ہمیشہ کی طرح گورنمنٹ کی نااہلی پر غصہ نہیں آیا۔ جب انسان کے اپنے اندر تاریکی ڈیرا ڈال لے تو پھر باہر کی تاریکی بری نہیں لگتی بلکہ روشنیاں بری لگنے لگتی ہیں۔ اسے بھی کہیں کہیں جگمگاتی لائٹس گراں گزر رہی تھیں۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے بیگ سے موبائل نکالا' فی الحال وہ خاموش تھا' نہ کوئی میسج ' نہ کال' بیگ میں واپس موبائل رکھ کر وہ پھر سے خود کو مطمئن کرنے اور حوصلہ دینے میں مگن ہوگئی۔ کینٹ سے حیات آباد تک کا فاصلہ اتنا تو تھا کہ وہ اپنے اعصاب پر پوری طرح قابو پالیتی۔ گھر پہنچی تو لاؤنج میں امی اور بابا بیٹھے باتیں کررہے تھے' اس کا مطلب تھا کہ زوار جاچکا تھا۔ امی اسے دیکھ کر حیرت سے مسکرائیں۔

"مجھے لگا تھا تم چائے کے ٹائم تک آجاؤ گی لیکن تم تو اتنی لیٹ ہوگئی کہ زوار چلا بھی گیا۔" وہ بدقت مسکرائی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وہ خاص طور پر صرف بابا کے لیے آتا ہے امی! اگر ایک دن میں نہ بھی ملوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا...... ویسے وہ جانتا تھا کہ میں چائے پر نہیں ملوں گی...... وہ چاہتا تو نہ آتا۔" امی نے ستائشی مسکراہٹ کے ساتھ بابا کو دیکھا۔

"پھر تو یہ اس کا خلوص ہے کہ وہ یہ جان کر بھی آیا اور ہمیں احساس تک نہیں ہونے دیا کہ وہ تمہاری غیر موجودگی سے واقف ہے۔ ابھی دس پندرہ منٹ پہلے تو گیا ہے میں تو ڈنر پر رکنے کا اصرار کرتی رہی لیکن وہ نہیں رکا۔" مہر نے پاس پڑا کشن اٹھا کر گود میں رکھ لیا...... اس وقت ننھے سے ننھا سہارا بھی پہاڑ سا مضبوط ثابت ہورہا تھا۔ اس نے امی کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور یوں ظاہر کیا جیسے ٹی وی پر چلتا پروگرام اس کا من پسند ہے لیکن اولاد خواہ کتنی بھی بڑی اداکار بن جائے' ماں اس کی اداکاری کے پردے کے پار جھانکنے کی صلاحیت رکھتی ہے' مہر کی سچ بولنے کی عادی آنکھیں انہیں کچھ بتا رہی تھیں لیکن وہ نظریں چرائے بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوا مہر؟ تم پریشان لگ رہی ہو۔ اسوہ اور فائزہ کی طرف سب خیریت تو تھی؟ آج تم نے دونوں کے گھر کا پلان ایک ساتھ ہی بنالیا حالانکہ گھر سے تم صرف اسوہ کے ہاں جانے کا کہہ کر نکلی تھی۔ کوئی مسئلہ ہے میرا بچہ؟" وہ کہتی ہوئی اس کے پاس آبیٹھیں۔ ضبط کی لگامیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگیں لیکن وہ ابھی ان کے آگے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ مبادا اس کے آنسو دیکھ کر وہ اس کے نئے نئے بنے ارادے کو بھی کمزور کردیں۔ اسے امی کی قربت سے وحشت ہوئی۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں ہوا میری وہمی امی جی بس فائزہ کو پتا چلا کہ میں اسوہ کی طرف ہوں تو وہ ناراض ہونے لگی پھر ابھی راستے میں ٹریفک کے دھوئیں اور گرد وغبار سے میری طبیعت بہت بوجھل ہوگئی ہے اس لیے میں اب صرف سوؤں گی مجھے کھانے پر مت بلایئے گا' میں جوس لے کر کمرے میں جارہی ہوں۔" اور یہ چند جملے اس نے کس طرح اپنے دل کو کچل کر آنسوؤں کو دھکیل کر دکھتے دل کے ساتھ بولے تھے یہ وہی جانتی تھی۔ وہ اوپر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اپنے طور پر بڑی ٹھوس وجہ بیان کرنے کے باوجود وہ اپنی ماں کو ہزار واہموں میں دھکیل آئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی بے اختیاری ایک بار پھر اس کے وجود کو اپنی آغوش میں بھرنے کو بے تاب ہوئی لیکن ابھی اسے ضروری کام نمٹانے تھے۔ اس نے کمپیوٹر میز کے آگے رکھی کرسی گھسیٹی اور کمپیوٹر آن کیا۔ انٹرنیٹ کنیکٹ کرتے ہوئے دل نے ہزار بار خواہش کی کہ آج نیٹ سروس ڈاؤن ہوجائے اور وہ کچھ نہ کرپائے لیکن سگنلز بھی پورے تھے اور اسپیڈ بھی بہترین...... لب بھینچے ماؤس تھامے وہ میل باکس کھولنے لگی...... ضبط کی حدیں اب تمام ہونے لگی تھیں۔ ایک ایک کرکے آنسو لڑھکنے لگے اور وہ دوپٹے سے چہرہ رگڑتی میل ٹائپ کرنے لگی۔

"آج رولو مہر فاروق' بس آج آخری بار رولو۔ ختم کردو آج سارے آنسو لیکن آج کے بعد نہیں رونا۔"

آنسو اس کی ٹائپنگ میں بار بار رکاوٹ پیدا کررہے تھے لیکن وہ کھٹا کھٹ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتی رہی تھی۔ ہر ایک جملہ مکمل ہونے پر ایک سسکی فضا میں بلند ہوتی تھی۔ آدھا گھنٹہ مسلسل ٹائپنگ کے بعد اس نے پوری تحریر کو تنقیدی نظر سے پڑھا اور مطمئن ہوکر سینڈ کا بٹن دبادیا۔ میل سینڈ ہوتے ہی اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی...... کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرکے اس نے موبائل اٹھایا اور بیڈ پر بیٹھ کر میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"چیک یور میل باکس رائٹ ناؤ ارجنٹ۔" میسج زوار کو بھیج کر وہ بیڈ پر اوندھے منہ گر گئی۔

پانچ سال...... پانچ خوب صورت ترین سال۔

پانچ سال بعد محبت اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی تھی کیونکہ وہ سہانی نیند سے بالآخر بیدار ہوگئی اور اب بیدار ہی رہنا چاہتی تھی۔

***

"مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ اچھی بھلی پُرکشش جاب آخر رد کرکے یہ تم نے پھر سے پڑھائی کا کھڑاگ کیوں پال لیا۔ جاب تو بندہ کسی بھی وقت چھوڑ سکتا ہے ایم فل تو پھر جان کو چمٹ جاتا ہے' بیچ میں چھوڑ بھی نہیں پاؤ گی مہر...... پھر یہ نہ ہو کل کو تم پچھتاؤ۔" امی میز پر ناشتہ لگاتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں اور وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ آخری بات پر پراٹھے کا نوالا توڑتا اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو رکا اور اس نے سر اٹھا کر امی کو دیکھا۔

"بیچ میں کیوں چھوڑوں گی ایم فل......؟" کپوں میں چائے انڈیلتی امی نے مصروف سے انداز میں اسی روانی سے کہا۔

"بھئی شادی وادی کا سلسلہ بیچ میں آگیا تو چھوڑنا پڑے گا ناں۔" مہر کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔ بڑی مشکل سے ان کی بات کو کافی کے کڑوے گھونٹ کی طرح حلق سے نیچے اتارا اور نوالا بنانے لگی کہ ناشتا چھوڑنے جیسی بدتہذیبی کا ان کے ہاں رواج نہیں تھا۔ امی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

پھر اس کے چہرے پر پھیلے تکلیف کے رنگ دیکھ کر خاموشی سے ناشتا کرنے بیٹھ گئیں' بابا نے دونوں کے چہرں کو بے حد خاموشی سے جانچا جس طرح وہ دقتوں سے نوالے نگل رہی تھی انہوں نے صاف محسوس کرلیا کہ گزرے دنوں میں کچھ تو ایسا ہوا تھا جو مہر کے مزاج کے برخلاف ہوا تھا اور وہ انتظار میں تھے کہ مہر خود سے بتائے' وہ سوچ میں گم چائے کے گھونٹ بھر رہے تھے۔ شادی کے حوالے سے اس کا مستقبل ویسے بھی غیر یقینی ہوگیا تھا اس لیے ایسی بات کرکے امی تو پچھتا رہی تھیں جبکہ مہر اپنی ہی ذہنی کشمکش میں مبتلا خاموشی سے ناشتا کررہی تھی۔ خلاف معمول ناشتے کا اختتام اسی خاموشی میں ہوا اور مہر ایم فل کی پہلی کلاسز لینے یونیورسٹی روانہ ہوگئی تھی۔

***

وہ کھانا کھا کر سستی سے ٹی وی کے آگے بیٹھا ہوا تھا جب موبائل پر میسج ٹون بجی۔ اس نے اسکرین پر نگاہ کی تو مہر کا نام جگمگا رہا تھا فوراً میسج کھولا۔

"چیک یور میل باکس رائٹ ناؤ' ارجنٹ۔" وہ بری طرح چونکا اور ٹی وی آف کرکے اوپر اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔

وہ اسے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ وہ آج گھر پر نہیں ملے گی' اسے اسوہ کی طرف جانا تھا۔ اس کی غیر موجودگی کے باوجود وہ اس کے گھر گیا تھا کیونکہ اس کی انکل آنٹی سے انسیت بڑھ گئی تھی کہ وہ ان سے ملے بنا خود بھی رہ نہیں پاتا تھا۔ پورا دن مہر نے اس کو کوئی کال کی نہ میسج اور پھر رات کو اس وقت یہ عجیب سا میسج اس کو الجھانے کے لیے کافی تھا۔ وہ کمپیوٹر آن کرکے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میل باکس کھولتے وقت اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اسے کیسی روح فرسا تحریر پڑھنے کو ملے گی۔ ابتدائی چند جملے پڑھتے ہی وہ یک دم سیدھا ہوکر بیٹھ گیا پھر جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا اس کو گھٹن ہونے لگی۔ اس نے اٹھ کر پہلے کھڑکیاں کھولیں پھر بالکونی کا دروازہ بھی کھول دیا لیکن وہ گھٹن جو دل کے اندر تھی وہ بیرونی راستوں سے تو نکل نہیں سکتی تھی...... وہ

مہر کے حرف حرف کی سچائی اور حقیقت سے متفق ہونے کے باوجود اسے قبول کرنے میں دقت محسوس کررہا تھا۔ ظالم تو وہ ہمیشہ سے تھی لیکن ایک دن ایسا ظلم ڈھائے گی یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مہر کے معاملے میں وہ اتنا ہی حساس تھا۔ اس نے بے اختیار کال کرنے کے لیے موبائل اٹھایا لیکن پھر رکھ دیا۔ اس نے عہد ہی ایسے باندھ لیے تھے کہ باز پرس اور اصرار کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے فیصلوں میں کتنی بے لچک ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ نہ کبھی اسے قائل کرسکتا ہے نہ اس کے فیصلوں سے انحراف کرسکتا ہے۔ اس کی حساسیت اور بے غرضی کی انتہا تو زوار پر آج واضح ہوئی تھی۔ جس گہرائی میں جا کر اس نے سوچا تھا وہ کبھی نہ سوچ پاتا۔ زوار کا دل بے اختیار اس کی عظمت کا معترف ہوگیا تھا۔ وہ واقعی بہت بڑے دل کی مالک تھی۔ ایک منفرد لڑکی، کاش اس کی ماما یہ بات سمجھ پاتیں، کاش وہ انہیں سمجھا پاتا اور اب تو زندگی میں فقط کاش ہی رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁

روزانہ اپنے کالج میں......
کسی اور کا لیکچر سنتے ہوئے
یا بریک کے خالی گھنٹے میں
سکھیوں سے باتیں کرتے ہوئے
مرے دھیان میں تم آ جاتے ہو
میں، میں نہیں رہتی پھر جاناں
میں تم میں گم ہوجاتی ہوں
بس خوابوں میں کھو جاتی ہوں
ان آنکھوں میں کھو جاتی ہوں
میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو......؟

فائزہ کی تو شادی کی تاریخ طے کردی گئی تھی اس لیے ایم فل میں صرف اس نے اور اسوہ نے داخلہ لیا تھا۔ یہ اسوہ ہی تھی جس نے اس کی حالت کے پیش نظر اسے مصروف رکھنے کی خاطر ایم فل میں ایڈمشن پر اکسایا تھا لیکن کلاسز لینا اور پوری توجہ پڑھائی پر رکھنا اس کے لیے ازحد مشکل ثابت ہورہا تھا۔ اسے ہر چہرے میں زوار کا چہرہ نظر آتا تھا' لیکچرز کے دوران صفحات پر وہ تاریخ کے بعد کچھ بھی لکھ نہ پاتی اور محض خالی خالی آنکھوں سے پروفیسرز کو دیکھتی رہتی تھی جیسے وہ تنویمی کیفیت میں ہو...... وہ جہاں کہیں بھی تھی، بس کلاس میں نہیں تھی۔ اسوہ خاموشی سے اس کی کیفیات نوٹ کرتی رہتی لیکن سوال کرنے سے گریزاں تھی۔ زخم بھرنے میں وقت تو لگتا ہے، بعض زخموں کو مرہم کی نہیں وقت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مرہم کے بغیر ہی ایک مخصوص مدت میں مندمل ہوجاتے ہیں، مرہم لگانے سے زخم بگڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مہر کا زخم بھی اسی نوعیت کا تھا لیکن اب کافی دن گزر گئے تھے اور اسوہ سے مہر جیسی مضبوط لڑکی کا یہ بکھرا روپ دیکھا نہیں جارہا تھا۔ وہ اسے باتوں میں لگانے کی کوشش کرتی، وہ دو چار باتیں کرکے پھر سے مراقبے میں چلی جاتی۔ وہ اسے کسی پراجیکٹ میں الجھانے کی کوشش کرتی تو وہ بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہتی۔ بالآخر اس روز اسوہ کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے مہر کے ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ ویران اجڑی نگاہوں میں سوال بھرے مہر نے اسے دیکھا۔

''ایسا کب تک چلے گا مہر؟ سنبھالو خود کو، سب کی نگاہوں میں خود کو سوالیہ نشان مت بناؤ' ایک فیصلہ کیا ہے تو اسے ذہنی طور پر بھی قبول کرنے کی ہمت پیدا کرو...... ورنہ واپس لوٹ جاؤ اگر تم سے برداشت کرنا محال ہورہا ہے تو......'' اس کی آخری بات پر مہر تڑپ اٹھی۔

''نہیں اسوہ' واپسی کی بات مت کرنا...... میں سنبھل جاؤں گی لیکن وقت تو لگتا ہے ناں۔''

''مہر ہر کام کا انحصار' اس کی ذاتی قوت ارادی پر ہوتا ہے' تم کہو گی کہ سنبھلنے میں وقت لگتا ہے تو پھر واقعی وقت لگ جائے گا' کتنا وقت لگتا ہے' یہ تم نہیں جانتی پھر تم مہینے اور سال گزار دو گی اور تمہیں احساس بھی نہیں ہوگا کہ تم نے

کتنا وقت ضائع کردیا لیکن اگر تم یہ سوچ لو کہ آج' ابھی اور اسی لمحے میں نے اٹھنا ہے اور آگے بڑھ جانا ہے تو پھر دیکھنا اٹھنے کی طاقت تمہیں اپنے ہی وجود سے ملے گی۔''

مہر نے جھکا سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں نم تھیں' ان میں اسوہ کی بات کا اثر نمایاں تھا' وہ بولی تو آواز بھی نم تھی۔

''تو پھر میں کیا کروں اسوہ...... اور کیسے کروں؟'' اسوہ محبت سے مسکرائی۔

''زندگی بہت مختصر ہے مہر' اسے یوں ضائع مت کرو۔ سنبھلنے کے لیے وقت کے مرہم کا انتظار مت کرو' وقت کو بتاؤ کہ تمہیں اس کے کمزور سہارے کی ضرورت نہیں...... وقت کو مات دے کر اٹھ کھڑی ہو' ابھی ہم نے زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے' ہماری سانسیں گنی ہوئی ہیں اور مہلت سے ہم ناواقف ہیں۔'' مہر کی آنکھوں میں تشکر کے بادل لہرائے اور وہ رو دی۔ اسوہ اس کے قریب ہوئی اور اس کا سر اپنے کندھے سے ٹکا لیا۔ اسے کھل کر رونے دیا۔ وہ جانتی تھی اس کے بعد مطلع صاف اور خوشگوار ہوجائے گا اور ہوا بھی ایسا۔ خوب رونے کے بعد اس نے سر اٹھایا' آنسو پونچھے اور اسوہ کی طرف دیکھ کر کھل کر مسکرائی۔

''تمہاری دوستی میری کسی نیکی کا انعام ہے اسوہ' تم نہ ہوتی تو بھلا میرا یہ بکھرا وجود کون سمیٹتا؟'' اسوہ نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھرا اور پھر محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں نہ ہوتی تو کوئی اور ضرور ہوتا مہر' اللہ اپنے پیارے بندوں کو تنہا کبھی نہیں چھوڑتا' وہ خود تو زمین پر نہیں آتا ناں' اس نے انسان کو ہی دوسرے انسان کے سکھ کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ ہم تو دوست ہیں اور دوستی کا رشتہ تو بنا ہی غمگساری کے لیے ہے۔'' مہر نے ایک خوشگوار سی سانس خارج کی اور کھلے آسمان پر نگاہ دوڑائی' وہی آسمان جو کچھ دیر قبل اسے اداس اداس لگ رہا تھا اب کھلا کھلا محسوس ہوا' بہت دن بعد اس نے اڑتے پرندوں کو دلچسی سے دیکھا' موسم کو محسوس کیا اور ٹھنڈی ہوا کو سانس کے ذریعے دل میں اتارا پھر بشاشت محسوس کرتے ہوئے اسوہ سے بولی۔

''چلو اٹھو کینٹین چلتے ہیں' بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' بے اختیار بھوک کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا' اسوہ مسکرا دی۔ کینٹین میں اپنی من پسند جگہ پر بیٹھ کر دونوں نے سموسے' چنا چاٹ اور کولڈ ڈرنکس آرڈر کیں پھر اسوہ نے فائزہ کو کال ملائی جو بری طرح اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ مہر کی خوشگوار سی آواز میں پرانی والی کھنک محسوس کرکے فائزہ کو بھی طمانیت کا احساس ہوا۔ وہ ان دونوں کو بری طرح یاد کررہی تھی' وہیں بیٹھے بیٹھے دونوں نے کلاسز کے بعد اس کی طرف جانے کا ارادہ بنا لیا اور اپنے اپنے گھروں میں اطلاع بھی دے دی دونوں نے کلاسز لینے کا بھی ارادہ ترک کیا اور ڈپارٹمنٹ سے یونیورسٹی تک بس لینے کی بجائے پیدل مارچ کی' کالج اور پھر ماسٹرز کے دنوں کو جی بھر کے یاد کیا۔

یونیورسٹی گیٹ سے ٹیکسی کرکے دونوں فائزہ کی طرف چلی آئیں۔ جہاں شام تک ان دونوں نے جی بھر کر انجوائے کیا تھا۔

❁......❁......❁

''میں شادی کروں گا تو صرف ثمینہ سے ورنہ کسی سے نہیں' یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' جلیل ماں کے آگے ڈٹ کر کھڑا ہوگیا تو وہ بھی اسی کی ماں تھیں بھلا کیسے دب جاتیں۔

''تیری شادی ہوئی تو صرف شاہدہ سے' وہ نہیں تو ننھال کی کوئی اور لڑکی بتادے لیکن ثمینہ یا ددھیال کی کسی لڑکی کا میرے آگے نام بھی نہ لینا۔'' جلیل کا خاندانی غصہ عود کر آیا' اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر دے مارا۔ صد شکر گلاس اسٹیل کا تھا شیشے کا ہوتا تو کرچیاں جانے کہاں تک جاتیں۔

''ننھیال میں ہے کیا؟ کالی' نیلی' پیلی' بے کارسی لڑکیاں...... مجھے ایک بھی نہیں پسند۔''

''تو چٹی چمڑی کا تو نے اچار ڈالنا ہے؟'' فراست بیگم

جو ذرا دب جاتیں۔ کم و بیش ان ہی جملوں کے رد و بدل سے یہ جھگڑا تقریباً روز ہوتا اور اختتام ہمیشہ بے نتیجہ رہتا۔

ثمینہ، فراست بیگم کے جیٹھ کی بیٹی تھی، بے تحاشا خوب صورت اور سلیقہ مند، چار بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن، دوسری طرف جلیل تین بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے بڑا اور اپنے والد خلیل صاحب کا صحیح معنوں میں دایاں بازو تھا۔ انہیں اس کی پسند پر قطعاً کوئی اعتراض نہ تھا جس کی ایک بڑی وجہ تو ظاہر ہے یہ ہی تھی کہ ثمینہ ان کی سگی بھتیجی تھی اور دوسری ٹھوس وجہ یہ بھی تھی کہ جلیل ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور وہ اس کی کوئی بھی بات ٹالتے نہیں تھے۔ بنیادی طور پر جلیل حسن پرست تھا۔ وہ ثمینہ کو پسند نہ بھی کرتا تب بھی ننھیال کی کسی لڑکی کے لیے راضی نہ ہوتا کیونکہ اس کے ننھیال میں حسن کا کال تھا۔ خود فراست بیگم بھی معمولی اور واجبی سے نقوش کی مالک تھیں جبکہ خلیل صاحب خاصے خوب صورت تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فراست بیگم احساس کمتری کا شکار تھیں اور سسرالیوں کے حسن سے خائف رہتی تھیں۔ ہر روایتی ماں کی طرح انہیں بھی یہی خدشہ لاحق تھا کہ جلیل، ثمینہ کی زلفوں کا اسیر ہو گیا تو ان کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ یہی ایک ماں کی سب سے بڑی بھول ہوتی ہے۔ ہر ماں کی طرح وہ بھی جلیل پر بڑے بیٹے کی حیثیت سے سب سے زیادہ حق جتاتی تھیں اور اسے اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھیں لیکن ہر روایتی ماں کی طرح اولاد کو مٹھی میں رکھنے کے لیے وہ بھی منفی طریقے اپنا رہی تھیں اور انہیں احساس نہیں تھا لیکن جلیل کے ووٹ زیادہ تھے، فراست بیگم کی ہار یقینی تھی۔ جلیل نے ثمینہ سے رشتہ پکا کروا کے ہی دم لیا تھا۔

دوسری جانب ثمینہ بھی جلیل کو پسند تو کرتی تھی لیکن فراست چاچی کے مزاج سے بھی خوف زدہ رہتی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کو طنز کی نوک پر رکھتی تھیں اور رشتہ ہو جانے کے بعد تو ان کا مزاج مزید تیکھا ہو گیا تھا۔ ثمینہ کی ماں شبانہ بیگم کو دیورانی کے مزاج کی چنداں پروا نہ تھی وہ اٹھتے بیٹھتے ایک ہی بات کرتیں۔

”جلیل اچھا لڑکا ہے، گھر کا بڑا بیٹا ہے، کماؤ پوت ہے، فراست نے کون سا ساری عمر زندہ رہنا ہے، تم بڑی بہو ہو گی آخر کو راج پاٹ تمہارا ہی ہو گا اور پھر جلیل ہمارے ساتھ ہے تو پروا ہی نہیں کسی بات کی۔“ تب ثمینہ کو بھی تسلی ہو جاتی۔ جلیل بھی جب کبھی ملتا خوش آئند باتیں کرتا اور اس کا بھی یہی کہنا ہوتا۔

”اماں آخر کب تک مخالفت اور نفرت قائم رکھیں گی، ایک دن خود ہی موم ہو جائیں گی۔ تم اپنی خدمت سے ان کا دل جیت لینا۔ وہ دل کی بری نہیں ہیں۔ ایک دن سب اچھا ہو جائے گا اور پھر جب شادی ہو ہی جائے گی تو بھلا وہ کب تک بلاوجہ کا بیر باندھے رکھیں گی۔“ وہ اسے مزید ایسی کئی باتوں سے اپنی محبت کا یقین دلاتا، امید کے غنچے تھماتا اور اس کے من میں چاہت کے پھول کھلا دیتا لیکن وہ دونوں بے خبر تھے کہ امید کے غنچے کبھی کھل نہ پائیں گے...... ہر مرد یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ماں وقتی طور پر غصے میں ہے لیکن دل کی بری نہیں، وہ یہ نہیں سوچتا کہ جو دل ہی کرچی کرچی ہو جائے وہ اچھا یا برا کیسے رہ سکتا ہے اور پھر عورت جب حسد اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے تو وہ کچھ بھی نہیں بھولتی نہ ہی بھولنے دیتی ہے، وہ اسی آگ سے اپنی ہی اولاد کی زندگی جہنم بنا دیتی ہے یہ سوچے بنا کہ اس آگ میں صرف بہو نہیں جلے گی، اپنا سگا بیٹا بھی جل جائے گا، بس یہی وہ باتیں تھیں جو کسی نے بھی سوچنے کی زحمت نہ کی تھی۔

شادی سے پہلے سب ہی خوابوں کی دنیا میں بستے ہیں، جب حقیقی زندگی میں قدم پڑتا ہے، پھولوں کی سیج سے پاؤں نیچے اترتا ہے تو کانٹوں کی تعداد اور چبھن کا پہلی بار ادراک اور احساس بھی ہوتا ہے، شادی ہو جانے تک فراست بیگم نے خاموشی اختیار کیے رکھی...... میکے اور سسرال میں ناک نہیں کٹوانی تھی، اس لیے بری بھی شاندار بنائی اور تمام انتظامات میں بھی بھرپور ارمان نکالے، کون جانے کس کے دل میں کیا ہے، جلیل نے گمان کر لیا کہ اماں کا دل بدل گیا ہے، اسے اندازہ نہیں تھا

کہ اس کی ضد کس طور سے اس کی زندگی کا ڈھنگ بدلنے والی تھی۔

فراست بیگم کی مخالفتوں اور نفرتوں کی ابتدا تب ہوئی جب انہوں نے شادی کے محض ایک ہفتے بعد تمام نوکروں کو فارغ کر کے سارے گھر کی ذمہ داری ثمینہ پر ڈال دی تھی۔ ثمینہ بغیر جیل و حجت سب کچھ سنبھال لیا، نئے نئے دنوں کا خمار تھا، صبر و برداشت کی فراوانی تھی، ساتھ جلیل کی محبتیں بھی تھیں۔ اولین دنوں میں کچھ بھی مشکل نہیں لگا، جلیل اور خلیل صاحب فراست بیگم کی اس حرکت پر معترض ہوئے لیکن وہ ان کی مرضی کے خلاف اتنا بڑا اقدم اٹھا چکے تھے کہ اب مزید کچھ کہنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ یہی وہ موقع ہوتا ہے جہاں عورت فائدہ اٹھاتی ہے مرد کی پہلی پہلی خاموشی کا اور مرد ایک بار، زندگی میں صرف ایک بار اسٹینڈ لے لینے کے بعد ہر جائز حق سے از خود دستبردار ہوتا چلا جاتا ہے۔ عورت اس کی کمزوری کو پکڑ لیتی ہے اور دوسری عورت کے استحصال کا آغاز ہو جاتا ہے۔

اسٹینڈ لیا خلیل صاحب اور جلیل نے اور اسے تا عمر بھگتا اور نبھایا ثمینہ نے تھا۔ اسے نبھانے میں پھر مرد آگے نہیں آتا، بلکہ وہ پھر ساری عمر اپنی پوزیشن صاف کرنے کے چکر میں پیچھے ہی ہٹتا چلا جاتا ہے۔ جلیل بھی پیچھے ہٹتا گیا۔ ثمینہ وہیں کھڑی رہی، وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے منظر نامے سے ہی نکل گیا اور ثمینہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ تن تنہا، فراست بیگم کے رحم و کرم پر...... گناہ محبت تو دونوں کا تھا پر بھگتا کیوں پھر صرف ایک نے۔ وہ یہی سوچتی رہتی اور کام میں جتی رہتی تھی۔

❁......❁......❁

یہ جو پلکوں پہ رم جھم ستاروں کا میلا سا ہے
یہ جو تیرے بنا کوئی اتنا اکیلا سا ہے
زندگی تیری یادوں سے مہکا ہوا شہر ہے
سب محبت کا اک پہر ہے

دھوپ ابھی شرما کر صرف دیواروں پر اتری تھی اور پرندے زور و شور سے کرنوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ سڑکوں پہ رش ابھی کم تھا، گھروں کی چمنیوں سے ناشتے کا دھواں بلند ہو رہا تھا۔ ایسے میں مہر کے کمرے کے سبز دبیز پردے ابھی کھڑکیوں پر ہی پڑے تھے اور کمرے کا ماحول خوابیدہ تھا۔ میز پر رکھی الارم کلاک نے ناگوار سی دھن بجائی تو اس کی نیند میں خلل پڑا، پپوٹوں پہ لرزش نمودار ہوئی اور مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے الارم بند کیا۔ دل بوجھل سا ہو گیا اور اب تو روز یہی ہوتا تھا، اب موبائل پر خاص کالر کے لیے مخصوص کردہ رنگ ٹون کی بجائے الارم کی کرخت آواز اسے جگاتی تھی۔ مدھر کال سے جگانے والا زندگی سے جا چکا تھا اور اب وہ حقیقت کی دنیا میں تھی۔ بس اتنا فرق پڑا تھا کہ اب ہر بات اور ہر یاد پر آنسوؤں نے مداخلت ترک کر دی تھی۔ اب آنکھیں خشک رہتیں اور لبوں پہ اداس مسکان رہتی۔ اب اس کی زندگی میں زوار تو نہیں رہا تھا لیکن اس کی یادیں، اس کی باتیں چار سو تھیں...... ہر روز رات کو سونے سے قبل اس کی یاد کی دستک پر ماضی کے کواڑ کھولنا اور ہر صبح اسے یاد کر کے بستر چھوڑنا، بس یہ دو باتیں اس کے اختیار سے ماورا تھیں۔ باقی ہر شے وہ اپنے اختیار میں کر چکی تھی۔

جب تنہا ہوتی تو خوابوں کو آواز دے کر میلہ لگا لیتی...... ورنہ ہر وقت متحرک رہتی، وہ نہ ہیر تھی نہ لیلیٰ اور نہ ہی سسی، وہ رات بھر جاگ کر محبت کا ماتم نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی جو کبھی کبھی یاد کے دیئے جلا کر پلکوں پہ آنسوؤں کے موتی سجائے گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے اسے سوچا کرتی تھی۔

❁......❁......❁

ثمینہ نے سارا گھر خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا، جلیل کے بہن بھائی سب اس کے معترف تھے اور اس سے محبت کرتے تھے لیکن فراست بیگم اس کے کام سے مطمئن نہیں ہوتی تھیں، ہر کام میں کیڑے نکالتیں پھر واویلا مچا کر خود کرنے کھڑی ہو جاتیں...... دن رات اٹھتے بیٹھتے ثمینہ کو بے عزت کرتیں، جلیل آتا تو اسے بھی ہزار شکایتیں لگاتیں۔ جلیل خاموش رہتا تو وہ مزید غصہ

ہوتیں؛ نتیجتاً وہ برملا ثمینہ کو ٹوکنے لگا‘ ان دونوں کے بیچ دوریاں جنم لینے لگیں۔ کمرے کی تنہائی میں ثمینہ اسے سمجھانے یا صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتی جس کا شروع میں تو اثر ہو جاتا تھا لیکن پھر صفائیاں اور وضاحتیں بھی بے اثر ہوگئیں‘ وہ رو رو کر جلیل کی منت کرتی۔

”آپ سمجھتے کیوں نہیں چاچی صرف اپنا پرانا غصہ نکالتی ہیں آپ اپنے بہن بھائیوں سے پوچھ لیں اگر میں واقعی کوئی کوتاہی کرتی ہوں تو......“

”تمہارا مطلب ہے میری ماں جھوٹ بولتی ہے۔“

”میرا یہ مطلب نہیں مگر وہ مجھے بہو ماننے پر راضی نہیں ہیں اس لیے غصہ کرتی ہیں‘ ان کی ایک شکایت بھی بجا نہیں ہوتی۔“

”بس......“ وہ ہاتھ اٹھا کر اسے روک گیا۔

”یہ صرف تمہاری سوچ ہے کہ وہ اب تک اس فیصلے پر برہم ہیں‘ اگر ایسا ہوتا تو شادی اور بری کے انتظامات اتنے شاندار نہ ہوتے اور اگر بالفرض ایسا ہے بھی تو پھر بھی تم خود سوچو‘ ان کا تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اپنی مرضی کے برخلاف تمہیں بیاہ لائیں۔“ ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

”احسان...... کیسا احسان؟ کیا ہم نے ان کی منت کی تھی یا میرے لیے رشتوں کی کمی تھی؟“

”بس......“ وہ گرجا۔

”جب تم میرے ساتھ اتنی بحث کرتی ہو تو ان کو کتنے جواب دیتی ہوگی۔ انہیں زبان دراز لڑکیاں نہیں پسند...... میں جانتا ہوں کہ تمہاری غلطی اتنی بھی نہیں ہے لیکن ہر گھر میں ساس بہو کے بیچ ایسے ہی جھگڑے ہوتے ہیں۔ میں تمہاری خاطر اتنا بڑا اسٹینڈ لے چکا ہوں اب روز روز تمہاری خاطر ان سے جھگڑا کر کے یا تمہاری حمایت کر کے ان کا مزید دل برا نہیں کرنا چاہتا‘ اب ہمیں ان کا دل جیتنا ہے اور یہ کام تمہارا ہے۔“ ان کے درمیان ہر روز کم و بیش ایسی ہی باتیں ہوتی پھر جب بحث حد سے بڑھتی تو جلیل نے دوٹوک الفاظ میں ثمینہ کو جتا دیا۔

”اپنی زبان پر تالے لگالو...... شکوے شکایات ترک کردو۔“ اور پھر واقعی اس کی زبان پر تالے پڑ گئے وہ ایک کمرے میں پاس پاس رہ کر بھی صدیوں کے فاصلے پر ہوگئے‘ ان فاصلوں کے بیچ راستوں کی مسافتیں پاٹنے کی کوشش میں محبت دھول بن کر اڑ گئی۔ کبھی سب کی موجودگی میں جلیل ثمینہ کے قریب آ کر بیٹھ جاتا تو فراست بیگم حیا اور بے حیائی پر وہ مفصل لیکچر دیتیں کہ وہ اٹھ کر کمرے میں چلا جاتا۔ اس کے پیچھے ثمینہ کی شامت آ جاتی‘ دن کے اوقات میں تو جلیل کا کمرے میں جانا ہی ممنوع تھا‘ رات میں بھی وہ اسے اتنی دیر تک اپنے پاس بٹھائے رکھتیں کہ ثمینہ انتظار کرتے کرتے سو جاتی تھی۔ اسے سویا دیکھ کر جلیل مزید سیخ پا ہو جاتا...... سارے دن کی تھکی ہاری آخر کتنا جاگتی مستقل ذہنی اذیت نے اسے چڑچڑا کر دیا‘ ماں اور بیوی کے بیچ جلیل بری طرح سینڈوچ بن کر رہ گیا لیکن نہ ماں کو خوش کر پاتا نہ بیوی کو‘ اسی طرح ثمینہ نہ ساس کو خوش کر پا رہی تھی نہ شوہر کو۔ ماں کو خوش کرنے کی خاطر سب کے سامنے جلیل نے ثمینہ سے جو کھڑا رویہ اپنایا وہ اس کے مزاج کا حصہ بن گیا اور وہ آرام سے بات کرنا ہی بھول گیا۔ دوسری طرف ثمینہ نے بھی مستقل چپ کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ خلیل صاحب اور جلیل کے باقی بہن بھائی سب دیکھ کر بھی مدد کرنے سے قاصر تھے۔ شادی کے لیے جو سب نے جلیل کا ساتھ دیا تھا بس وہی کافی تھا۔

رہی سہی کسر تب پوری ہوئی جب ثمینہ امید سے ہوئی۔ اس کی طبیعت‘ مستقل خراب رہنے لگی۔ بے آرامی اور اچھی خوراک کی کمی مزید اسے نڈھال رکھتی‘ فراست بیگم کی شکایات بڑھ گئیں اور اب کوتاہیاں جلیل کو بھی نظر آنے لگیں‘ پہلے پہل طبیعت کی خرابی اور بعد ازاں بے ڈول ہوتے وجود نے جلیل کو مزید اس سے دور کر دیا۔ حسن فانی ہے‘ محبت نہ ملے تو ڈھل جاتا ہے۔ اس کا حسن بھی ڈھلنے لگا۔ گوری چمک دار رنگت سنولا گئی‘ بس دنیا جانتی تھی کہ ان دونوں کے بیچ کیا رشتہ ہے‘ وہ دنوں تو تقریباً بھول

ہی گئے تھے۔ کام سے تھکا ہارا جلیل گھر آتا تو شکوے شکایت کے انبار لیے ماں اور ملگجا حلیہ لیے بیوی نظر آتی...... وہ اپنا سارا غبار ثمینہ پر گرج برس کر نکال دیتا اور ثمینہ بے جان ڈمی بنی رہتی۔

وقت گزرا‘ اللہ نے انہیں اپنی نعمت سے نوازا لیکن نہ تو ثمینہ اس خوشی کو دل سے محسوس کر پائی نہ ہی جلیل۔ فراست بیگم اسے خوش ہونے ہی نہ دیتیں...... بیٹا بڑا ہونے لگا‘ آوازیں نکالنے اشارے کرنے لگا تو جلیل پھر سے اس کی طرف متوجہ ہونے لگا‘ فراست بیگم اسے بیٹے سے لاڈ کرتا دیکھتیں تو پھر شروع ہو جاتیں اور انہیں کوئی روک نہ پاتا۔

”ہمارے بھی بچے ہوئے پر ہم نے یہ چاؤ چونچلے اور ڈرامے نہیں کیے‘ آج کل کے ماں باپ تو لاڈ کے نام پر بچے کی پٹی سے ہی لگ کر بیٹھ جاتے ہیں‘ ان کا کوئی انوکھا ہی پیار ہے۔“ اور جلیل وہاں سے ہٹ جاتا‘ بیٹا بڑا ہوتا گیا‘ ماں کی خوشنودی کی خاطر وہ اسے نظر انداز کرتا رہا اور یوں اس سے بھی دور ہوتا گیا۔ فراست بیگم اٹھتے بیٹھتے ایک ہی بات کرتیں۔

”اولاد کو شروع ہی سے دبا کر رکھنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ سر پر نہ چڑھے خاص طور سے ثمینہ جیسی خودسر عورت کی اولاد۔“ جلیل ماں کی ہر بات کو دماغ میں بٹھاتا گیا۔ اس کا بیٹا ماں باپ کے ان رویوں کو دیکھتے ہوئے پروان چڑھتا رہا...... محبت کی اس داستان میں کوئی ایک شخص بھی خوش نہ رہ سکا۔ فراست بیگم ہمیشہ ان کی زندگیوں پر حاوی رہیں‘ خواہ وہ گھریلو معاملہ ہوتا یا ان کا خالصتاً ذاتی معاملہ...... مثلاً مزید اولاد کا فیصلہ۔

❁......❁......❁

زندگی دھوپ چھاؤں کا اک کھیل ہے بھیڑ چھٹتی نہیں
اور اس کھیل میں دن گزرتا نہیں رات کٹتی نہیں
پیار کرتے ہوئے آدمی کی کبھی عمر گھٹتی نہیں
دل کی دہلیز پر عکس روشن تیرے نام سے
رت جگے آئینوں میں گھلے ہیں کہیں شام سے
ایک دریا ہے چاروں طرف درمیاں لہر ہے
سب محبت کا اک پہر ہے......

وہ کانوں سے ہینڈز فری نکال کر میوزک آف کر کے کھلے آسمان کو تکنے لگی...... وہ اس وقت ڈپارٹمنٹ کے لان میں ایک بوڑھے درخت سے ٹیک لگائے موبائل پر گیت سنتے ہوئے لائبریری سے ایشو کروائی گئی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ اسوہ کسی ضروری کام کی وجہ سے اس روز یونیورسٹی نہیں آئی تھی اور تنہا اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ گیت سے بھی اکتا کر وہ درخت کے تنے پر سر ٹکائے اڑتے پرندوں کو دیکھنے لگی‘ اداسی پھر سے وجود کو لپیٹ میں لینے لگی تھی۔ وہ قہقہے‘ وہ چٹکلے اور وہ شوخیاں کب کی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ اب وہ فرصت کے اوقات میں ہمہ وقت ماضی کے سفر میں رہتی تھی۔ آسمان پر گزرے سہانے دور کی تصویریں چل پڑی تھیں۔

پانچ سال کیسے گزرے تھے‘ یہ پانچ سال...... اسے سوچ کے بھی حیرت ہوتی تھی‘ زندگی ان پانچ سالوں میں اتنی خوب صورت لگنے لگی تھی کہ لگتا تھا دنیا میں دکھ درد کا کوئی وجود ہی نہیں اور اسے تو اپنے آپ پہ حیرت ہوتی تھی کہ بھلا وہ کیسے اس راہ کی مسافر بن بیٹھی‘ خبر بھی نہ ہوئی اور پھر جب تک خبر ہوئی تب تک واپسی کے رستوں پہ قدم رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ یہ ناممکن کا لفظ تو ہم یونہی مبالغے میں استعمال کر لیتے ہیں ورنہ ہم چاہیں تو ہر امر کو ممکن بنا سکتے ہیں...... وہ بھی اگر تب چاہتی تو واپس پلٹ سکتی تھی‘ اب بھی تو پلٹی تھی لیکن بات آ جاتی ہے چاہت کی...... تب اس نے پلٹنا چاہا ہی نہ تھا‘ اس لیے ناممکن بھی لگ رہا تھا‘ اب پلٹنا چاہا تو ہر رکاوٹ کو ہٹاتی چلی گئی اور واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔

اس نے سوچوں سے تھک کر کتابیں سمیٹیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ یونیورسٹی گیٹ تک پیدل چلنے کا ارادہ کیا اور ڈپارٹمنٹ کے خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی‘ خارجی پھاٹک کے قریب بنے خالی بینچ پر نظر پڑی تو پھر سے

پرانے منظر تازہ ہوگئے۔ وہ بینچ اسوہ، فائزہ اور اس کی مخصوص بینچ تھی جہاں بیٹھ کر ہر آئے گئے کو دیکھتے اور کمنٹس پاس کرتے انہوں نے زندگی کے کئی خوب صورت پل بتائے تھے۔ اسی بینچ پر بیٹھ کر وہ زوار کی باتیں اسوہ اور فائزہ سے شیئر کرتی تھی تب ایک روز فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"مہر مجھے تو لگ رہا ہے کہ ایک دن تم زوار میں انوالو ہو جاؤ گی جس طرح تیزی سے وہ تمہاری زندگی کے ہر پل میں انوالو ہوتا جارہا ہے۔" تب مہر نے سر جھٹک کر بے پروائی سے کہا تھا۔

"اونہہ، ایسا ممکن ہی نہیں فائزہ، میں تو اس محبت وحبت کے چکر میں نہیں پڑوں گی، وہ بھی زوار سے؟ نو وے وہ میرے آئیڈیل سے ذرا بھی میچ نہیں کرتا۔" فائزہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"اوہ کم آن مہر، تم جیسی حقیقت پسند لڑکی بھی آئیڈیل بناتی اور ان پر یقین رکھتی ہے؟ ڈونٹ بلیو می۔" اسوہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ اور سن رہی تھی۔ مہر فائزہ کی بات پر مسکرا کر بولی تھی۔

"آئیڈیل سے میرا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھی ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ مجھے مردوں میں جو خصوصیات پسند ہیں، ان میں سے ایک بھی زوار میں موجود نہیں۔ شادی تو آف کورس میں نے پیرنٹس کی مرضی سے کرنی ہے لیکن وہ میری پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف ہیں اس لیے مجھے اس حوالے سے کوئی ٹینشن نہیں۔" اپنی سوچ کے اس اظہار کو یاد کر کے مہر کی پلکیں نم ہوئیں اب وہ مین روڈ پر آ گئی تھی، روڈ پر گھروں کو جاتے اسٹوڈنٹس کا بے تحاشہ رش تھا وہ فٹ پاتھ پر سست روی سے چلنے لگی۔

"تم جو بھی کہو لیکن میں بتا رہی ہوں، کوئی نہ کوئی چکر ہے ضرور۔" فائزہ کا جملہ پھر سے کانوں میں گونجا تھا۔ مہر نے تب اس کی بات پر بیزاری محسوس کی تھی اور اپنے جواب میں اس بیزاری کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"میری طرف سے کسی قسم کا کوئی چکر نہ ہے نہ ہی کبھی ہوگا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو، پھر بھی کیوں ایسی بات کر رہی ہو۔ ہاں اگر تم زوار کی بات کرو تو شاید وہ کبھی نہ کبھی انوالو ہو جائے لیکن وہ مجھے کہنے کی ہمت کبھی نہیں کرے گا۔ اپنے معرکے گنوا چکی ہوں میں اسے، جتنے رومیوز کی اب تک پٹائی کی ہے میں نے۔" اس کی بات پر فائزہ نے بلند قہقہہ لگایا تھا لیکن اسوہ نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا اسوہ؟"

"کچھ نہیں، میں بس یہ سوچ رہی تھی کہ جب تمہارا زوار سے محبت کا کوئی چکر ہے نہ ہی ارادہ تو پھر اس دوستی کا مقصد کیا ہے؟ اسے خود سے اتنا اٹیچ کیوں کر رہی ہو۔" پہلی بار اسوہ نے ایسی بات کی تھی، مہر چپ سی ہوگئی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

"ایسا نہیں ہے اسوہ...... میں اسے اٹیچ نہیں کر رہی، میں تم لوگوں کو اس کے پرابلمز بتاتی رہتی ہوں ناں، بس وہ اپنے پرابلمز حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو میں اس کی ہیلپ کر دیتی ہوں۔ ایک طرح سے تم مجھے اس کی مینٹر سمجھو۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایک سادہ اور بے ضرر سا لڑکا ہے۔ میری بات سنتا، سمجھتا اور مانتا ہے اگر میری چار باتوں سے کسی کی زندگی سنور رہی ہے تو میرے نزدیک ایسی دوستی میں کوئی برائی نہیں۔" اسوہ قائل ہوئی تھی یا نہیں البتہ خاموش ضرور ہوگئی تھی۔ اس کے بعد اس نے پھر کبھی ایسا کوئی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن اس بحث کے بعد وہ اپنے اور زوار کے تعلق کو دوسرے زاویوں سے بھی پرکھنے لگی تھی۔ زوار کے انداز پر غور کرنے لگی تھی۔ تب بھی اسے کوئی بات غیر معمولی نہیں لگتی تھی۔

ٹیکسی روک کر وہ اس میں سوار ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ دونوں ایک دوسرے کے بالکل الٹ تھے۔ مہر ایک سنجیدہ اور ڈیسنٹ لڑکی تھی جبکہ زوار ایک قدرے بگڑا ہوا، غیر ذمہ دار اور غیر سنجیدہ لڑکا تھا۔ ان دونو کا کوئی جوڑ نہ تھا کوئی میل نہ تھا۔ مہر نے محبت کے بارے میں نہیں سوچا

تھا، مہر محبت کا اظہار کرنے والے ہر لڑکے کی درگت بنا دیا کرتی تھی اور زوار نے زندگی میں نہ تو کبھی کسی لڑکی کو پسند کیا تھا نہ ایسی کسی بات کی طرف اس کا کبھی دھیان گیا تھا۔ ان دونوں کا کسی طور کوئی جوڑ نہ تھا لیکن پھر بھی جوڑ بن گیا تھا۔ یہ سب سے انوکھی بات تھی۔ یہ جوڑ بنا کس طریقے سے؟ یہ اس سے بھی انوکھی بات تھی۔

❁......❁......❁

یہ تھی وہ ابتدائی چیٹ جو انٹرنٹ کی وبا پھیلنے کے بعد مشہور و معروف سوشل میڈیا اور بدنام زمانہ چیٹ چینل پر لڑکے لڑکیوں کے مابین ہوتی تھی۔ گرمیوں کی فراغت بھری چھٹیوں میں مہر کو بھی جانے کسی نے اس چینل کی بابت بتایا تو وہ بھی اس وبا کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ اس چینل کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں جانتی تھی ورنہ کبھی بھی اسے جوائن نہ کرتی...... اس کا انٹرسٹ ویب سرچنگ میں زیادہ تھا۔ سرچنگ کے ساتھ ساتھ وہ تھوڑی بہت چیٹ بھی کر لیتی تھی...... تب اسے کچھ کچھ اندازہ ہوا کہ اس چینل پر لغو گفتگو کرنے والوں کی بہتات تھی۔ ابتدائی تعارف کے بعد رخ بدلتی گفتگو سے وہ اس بات کا تعین کرتی تھی کہ آیا اس شخص کو ایڈ کرنا چاہیے یا نہیں۔ اسی دوران اس کا رابطہ زوار سے ہوا تھا۔ مزاجاً تو وہ بھی کوئی بہت اعلیٰ اخلاق کا حامل لڑکا نہیں تھا لیکن اس میں ایک خوبی تھی اور بس شاید وہی ایک خوبی تھی اس میں۔ وہ مخاطب کے مزاج اور شخصیت کے حساب سے بات کرتا تھا۔ اگر سامنے والا مہذب ہوتا تو وہ بھی تہذیب کے جامے میں رہ کر بات کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مہر نے اسے ایڈ کرنے میں عار محسوس نہیں کیا تھا۔ اس نے پہلی ہی چیٹ میں صاف گوئی اپناتے ہوئے مہر سے کہہ دیا تھا۔

"انٹرنیٹ یوز کرنے والی لڑکیوں میں اب تک میں نے آپ جیسی کوئی نہیں دیکھی جو کوئی فضول بات نہ کرتی ہو، ورنہ شاید آپ جانتی نہیں یہاں تو لڑکیاں ایسی ایسی بکواس کرتی ہیں کہ حد نہیں...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ بھی اسی دنیا کی باسی ہیں کہ گھنٹوں سوشل ایشوز پر سیر حاصل بحث کرنے کے باوجود آپ نہ تو کبھی ذاتیات پر آتی ہیں نہ آپ کی ذاتیات میں کوئی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تو پہلی فرصت میں تصاویر کا تبادلہ ہوتا ہے پھر دوستی پھر ڈیٹنگ اور پھر بہت کچھ...... آگے سے آگے...... یقین کریں، ہم لڑکے ایسی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزاری تو کر لیتے ہیں لیکن عزت نہیں کر سکتے۔" اس کی باتوں پر مہر کو کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ آخری بات پر وہ رہ نہ سکی اور ٹائپ کرنے لگی۔

"آتی تو میں بھی وقت گزاری کے لیے ہوں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ وقت گزاری ہمیشہ منفی رخ ہی اختیار کرے۔"

"جی بالکل، میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔ آپ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہیں...... دیکھیں مس مہر، ہر لڑکی خود اس بات کا تعین کرتی ہے کہ اس نے سوسائٹی میں اپنی عزت کروانی ہے یا لٹانی ہے۔ ہم لڑکوں کو چار باتوں سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ لڑکی کس لائق ہے۔ نیچر تو آپ کی بھی فرینک ہے لیکن کوئی بات ہے آپ کے انداز میں کہ میں خود بخود آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ عرصے بعد ایک رئیل لڑکی سے بات کر کے خوشی ہوئی۔"

"شکریہ۔" دونوں طرف سے کھٹا کھٹ ٹائپنگ اور سینڈنگ جاری تھی۔

"لیکن مسٹر زوار، یہاں ایک بات پہ میں آپ سے تھوڑا سا اختلاف رکھتی ہوں۔" اسکرین پر نظریں جمائے زوار نے بے اختیار بھویں اچکائیں۔

"عورت ذات قابل احترام ہے خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو۔ عورت مرد کے آگے خود بھی اپنا آپ پیش کرے تب بھی مردانگی کا تقاضا ہے کہ آپ اسے ذاتی معیار کے مطابق ٹریٹ کریں۔ آپ کا معیار عورت کے عمل کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونا مردانگی نہیں، مرد وہ ہے جسے اپنے اصولوں اور اپنی ذات پر قابو ہو اور اس کے معیار کا ریموٹ کنٹرول عورت کے ہاتھ میں نہ ہو۔" زوار کو اپنے گال پر تھپڑ کی سی تپش محسوس ہوئی۔ اس نے بے اختیار اپنے

گال پر ہاتھ پھیرا تو وہ اسے گرم محسوس ہوا۔ وہ لاجواب ہو کر میز پر انگلیاں بجانے لگا تھا۔

"بچ کے زوار بیٹا' مقابل خاصے کی چیز ہے ذرا دھیان سے۔" وہ بڑبڑایا پھر ٹائپ کرنے لگا۔

"زبردست' آئم امپریسڈ...... بہت اعلیٰ سوچ ہے آپ کی۔" وہ واقعی سر دھننے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یوں ان کی نیٹ فرینڈ شپ کا آغاز اس گرما گرم لیکچر سے ہوا تھا۔

❀......❀......❀

ثمینہ اور جلیل کا بیٹا ابھی محض چند ماہ کا تھا جب ثمینہ کی پھر سے طبیعت خراب ہو گئی۔ فراست بیگم کو شدید طیش آیا۔

"تم کیا ساری زندگی یہی کچھ کرتی رہو گی۔ ماں نے کچھ اور سکھا کر نہیں بھیجا؟" بس ماں کے نام کے بھالے اس کے وجود میں بری طرح گڑ جاتے تھے۔ وہ بری طرح رو دی۔

"چاچی اس میں میرا کیا قصور؟"

"ہاں قصور تو روز اول سے ہی میرے بیٹے کا ہے لیکن اب میں نے اس کی ساری غلطیاں سدھارنی ہیں۔" وہ اسے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں اور پہلے ہی جھٹکے میں معاملہ ختم...... اس نے سوچا اگر چاچی ایسے خوش ہوتی ہیں تو یہ بھی سہی' پر چاچی نے خوش ہونا بھلا سیکھا ہی کب تھا۔ اس عمل کے بعد اس نے ثمینہ کو مستقل مانع حمل ادویات پر لگا دیا اور سختی سے تاکید کر دی۔

"خبردار پانچ سال تک تو اگلے بچے کا سوچنا بھی مت۔" اور ثمینہ سہم گئی تھی۔ ساس کی خوشنودی کی خاطر وہ کرتی چلی گئی' ہر وہ کام جو اس کے خیال میں انہیں خوش کر دیتا لیکن وہ خوش پھر بھی نہ ہوتیں۔ اس کی کمزوری وہ بھی بھانپ گئی تھیں سو ظلم کا یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ بعض اوقات یہ مظلوم کا ہی قصور ہوتا ہے کہ وہ خاموشی سے ظلم سہہ سہہ کر ظالم کو شہہ دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ فرعون بن بیٹھتا ہے۔ فراست بیگم بھی فرعونیت پر اتر آئی تھیں۔

پانچ برس بعد جب اگلی اولاد کی خواہش لبوں پر آئی تو ڈاکٹر نے گلے پر چھری چلا دی۔

"مانع حمل ادویات کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے اس کا اندرونی نظام بری طرح متاثر ہو گیا ہے۔ جس کے بعد اب اولاد ہونا معجزہ ہی ہو گا اور اگر ہو بھی گئی تو کوئی ابنارمل بچہ ہی ہو سکتا ہے۔" فراست بیگم کے تو گویا کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی اور ثمینہ...... کوئی ثمینہ سے پوچھتا اس کے دل کی کیفیت۔

وہ چپ تو پہلے بھی رہتی تھی لیکن اس خبر کے بعد تو گویا لب کھولنا ہی بھول گئی۔ کھانا وہ پہلے بھی برائے نام ہی کھاتی تھی لیکن اب وہ پہلے نوالے کے بعد نوالہ لینا ہی بھول جاتی تھی۔ عجیب دیوانی سی ہو چلی تھی وہ لیکن پروا کسے تھی' ماں برسوں پہلے چل بسی تھی۔ باپ بھائی سے ایسے راز و نیاز کرنا ہی ممکن نہیں تھا ساس تھی تو وہ ازلی ظالم اور رہا شوہر وہ تو تھا ہی اجنبی...... وہ بیٹے سے بھی بیزار ہوتی چلی گئی۔ پورے گھرانے میں ایک وہی کردار تھا جس پر ان انا کی جنگوں کا سب سے برا اثر پڑ رہا تھا لیکن پروا کسی ایک کو بھی نہ تھی۔

فراست بیگم دنیا سے گزر گئیں لیکن نہ تو کبھی دل سے ثمینہ کو بہو کا درجہ دیا نہ اپنا میلا دل صاف کیا۔ اس پوری کہانی میں جلیل کے لاکھوں ارمانوں کا خون اور ثمینہ کے ان گنت قیمتی آنسو گندھے تھے۔ ایک محبت' ایک انا اور ایک ضد نے کتنی زندگیاں برباد کیں حساب لگانا محال تھا۔ لیکن سب سے زیادہ نقصان اس معصوم بچے کا ہوا جو ایک گھر میں ایک کمرے میں بروکن فیملی کی طرح رہنے والے ماں باپ کے بیچ پروان چڑھا اور اپنی شخصیت میں ہزاروں کرچیاں لیے جوان ہوا تھا۔

❀......❀......❀

جب دروازے پر دستک ہو
یا گھنٹی فون کی بجتی ہو
میں چھوڑ کے سب کچھ بھاگتی ہوں
پر تم کو جب نہیں پاتی ہوں
جی بھر کے رونے لگتی ہوں

میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟

کچھ ہی دیر قبل بارش تھمی تھی اور موسم میں خوشگواریت بکھیر گئی تھی۔ شام کے چھ بجے کا وقت تھا موسم کے پیش نظر مہر کا موڈ بھی یک بیک خوشگوار ہوا تو اس نے چائے کے ساتھ تھوڑا سا اہتمام کر لیا...... امی نے برآمدے سے کرسیاں میز اٹھا کر لان میں رکھ دیں اور مہر کے بابا کو بھی آواز دے کر لان میں ہی بلا لیا تھا۔ موسم نے ان کے مزاج پر بھی اچھا اثر کیا تھا ورنہ دل تو ان کا بھی ٹوٹ کے رہ گیا تھا۔ گو کہ بیٹی کے فیصلے کو انہوں نے کھلے دل سے سراہا تھا مگر اس دل کا کیا کرتیں جو زوار سے ایسا جڑ گیا تھا جیسے وہ سگا بیٹا ہو۔ اب جو موسم کی وجہ سے انہوں نے مہر کو پکوڑے اور سموسے بناتے دیکھا تو اسی کی وجہ سے ان کے دل کا بوجھل پن بھی قدرے کم ہو گیا۔ وقت بڑا مرہم ہے۔ وہ سب کچھ تیار کر کے ٹرے میں پلیٹیں رکھ رہی تھی جب گھنٹی بجی...... ٹرے میں سموسوں کی پلیٹ رکھتا اس کا ہاتھ لرزا۔ نظر بے اختیار کچن میں لگی گھڑی کی طرف اٹھی۔ چھ بج رہے تھے پھر اس نے سر جھٹکا اور کپ رکھنے لگی لیکن دل وہم کا شکار ہو گیا تھا۔

"انداز اس کے جیسا ہے' وقت بھی اس کے آنے کا ہے۔" ٹرے سجاتے ہاتھ تھمے۔

"ہاں لیکن اس انداز میں کوئی اور بھی بیل بجا سکتا ہے اور اس وقت کوئی اور بھی تو آ سکتا ہے۔"

"اور بھلا آتا ہی کون ہے ہمارے گھر...... بس منصور بھائی' اور وہ تو ابھی پرسوں ہو کر گئے ہیں' اتنی جلدی دوبارہ وہ تو کبھی نہیں آتے۔"

"اور کیا پتا وہی ہوں۔"

"لیکن عین چھ بجے......" وہ بار بار ٹرے رکھتی پھر اٹھاتی پھر رکھتی بری طرح مخمصے کا شکار تھی۔ بالآخر جھنجلا کر وہ کچن سے نکل کر لاؤنج کے دروازے تک آئی۔

"سارے دروازے بند کر کے بھی گھنٹی پہ اس کا انتظار؟" دماغ نے پھر گھر کا۔ وہ ان سنی کیے گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ بابا گیٹ کھولے ہاتھ کے اشاروں سے کسی کو کچھ سمجھا رہے تھے پھر سر ہلا کر مسکرائے اور گیٹ بند کر دیا' اسے لگا اس کا دل بند ہو گیا ہو۔ بابا مڑ کر لان کی طرف آئے تو لاؤنج کے داخلی دروازے پر سفید چہرہ لیے کھڑی مہر پر نظر پڑی۔ ان کے چہرے پر دکھ کا سایا لہرایا' وہ شرمندہ ہو کر مڑنے لگی تو بابا نے پکارا۔

"مسافر تھا' کسی کا پتا پوچھ رہا تھا' میں نے سمجھا دیا۔" وہ جھکے سر کے ساتھ مڑی تب وہ پھر بولے۔

"اس وقت اس طرح راہ بھٹکے مسافر ہی آیا کرتے ہیں۔ تم وقت برباد نہ کرو' چائے لے آؤ۔" ان کے جملے کی معنی خیزی پر وہ وہیں گویا جم گئی۔ بابا کرسی پر بیٹھ کر امی سے باتیں کرنے لگے تو ایک پھریری سی اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ کچن کی طرف چل دی جہاں ٹرے میں پڑے لوازمات ٹھنڈے ہو گئے تھے اور چائے کے تین کپوں میں موجود چائے پر ہلکی بادامی تہہ آ گئی تھی۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب یہ تین کی بجائے چار کپ ہوا کرتے تھے۔ جس دن وہ لوگ پھر سے تین ہوئے اس سے اگلے ہی دن برتن دھوتے وقت چوتھا کپ اس کے ہاتھ سے پھسل کر فرش پر گرا اور چکنا چور ہو گیا تھا ان دونوں کے دلوں کی مانند۔ ان کے مابین موجود تعلق کی نزاکت کی مانند...... اس روز وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں آئی' امی نے سنک میں پڑے گندے برتنوں کو تعجب سے دیکھا پھر فرش پر پڑا ٹوٹا کپ انہیں ساری کہانی سمجھا گیا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر پکوڑوں کی پلیٹ اوون میں رکھی اور چائے کی ٹرے اٹھا کر لان میں لے گئی۔ پکوڑے اور سموسے گرم کر کے ان کے سامنے رکھے اور اپنا کپ اٹھا کر ٹیرس پر چلی گئی۔ لوازمات کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ امی بابا ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ اب وہ چائے نہیں پیے گی۔ ٹیرس پر لگے سنک میں بہا دے گی لیکن بعض مسائل کا حل خاموشی اور صبر کے سوا کچھ نہیں ہوتا...... سو وہ دونوں

بھی یہ ہی کر رہے تھے اور مہر بھی۔

ٹیرس پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی وہ پھر سے ماضی میں مدغم تھی۔ چائے کا خالی کپ میز پر دھرا تھا۔ موسم تو اب بھی خوشگوار تھا لیکن اب وہ سوگوار تھی۔ وہ پُر رونق شامیں اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں جب زوار امی بابا کے ساتھ بیٹھا چٹکلے چھوڑا کرتا تھا۔ کبھی یک دم سنجیدہ انداز میں لمبی لمبی ادبی یا سیاسی بحث کرتا...... وہ حیران ہو کر سوچتی یہ لڑکا کیا چیز ہے پل میں ننھا بچہ بن جائے گا پل میں بردبار دانشور۔ تب بھی وہ اس کی جانب کھنچتی تھی لیکن اسے اپنی محبت کا ادراک نہیں ہوا تھا...... وہ کم ہی اس کے اور بابا کے ساتھ بیٹھتی تھی۔ کبھی پڑھائی کے لیے کمرے میں چلی جاتی کبھی امی کی ہیلپ کے لیے کچن میں لیکن اس کا دل بے چین رہتا تھا...... وہ بہانے بہانے سے لاؤنج کے چکر لگاتی، کبھی کوئی بات کرتی، کبھی بابا کو مخاطب کرتی، کبھی دروازے سے جھانک کر واپس مڑ جاتی۔ کبھی اوپر جا کر ریلنگ سے نیچے جھانکتی۔ وہ خود بھی اپنی حرکتوں کی بے اختیاری سے بے خبر تھی، وہ تب بھی نہیں مانتی تھی کہ اسے محبت ہو گئی ہے اور وہ اب بھی انکاری تھی۔

تم جب بھی گھر پہ آتے ہو
اور سب سے باتیں کرتے ہو
میں اوٹ سے پردے کی جاناں
بس تم کو دیکھتی رہتی ہوں
اک تم کو دیکھنے کی خاطر
میں کتنی پاگل ہوتی ہوں
میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟

❁......❁......❁

رات کے بارہ بجے جب وہ گھر میں داخل ہوا تو لاؤنج میں بیٹھے پاپا کے چہرے پر طاری غضب اور ماما کے چہرے پر پھیلا خوف معمول کے مطابق تھا۔ اس نے بھی روز والی بیزاری چہرے پر سجا کر لاؤنج میں قدم رکھا تو پاپا کا طنزیہ لہجہ سنائی دیا۔

”کہاں تھے شہزادے صاحب؟“

”دوستوں کے ساتھ۔“ اور پھر تڑاخ کی آواز گونجی، تھپڑ ایک گال پر پڑا تھا لیکن سرخ پورا چہرہ ہو گیا تھا۔

”ہزار مرتبہ بکواس کی ہے کہ شریفوں کے ٹائم پر گھر آیا کرو لیکن تمہاری عقل میں میری بات نہیں سماتی۔“ پھر بیوی کی طرف مڑے۔

”سب اس جاہل عورت کی تربیت ہے جس نے ساری زندگی رونے دھونے کے سوا کوئی اور کام ڈھنگ سے نہیں کیا۔ ایک انڈا وہ بھی گندا۔“ مزید کئی تھپڑوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے کے بعد وہ بیوی کو مغلظات سے نوازتے اپنے کمرے میں چلے گئے تو زوار بھی تپائی کو لات رسید کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے لاؤنج میں اس کی ماما تنہا اپنے نصیبوں پر اشک بہانے بیٹھی رہ گئی تھیں۔

یہ اس گھر کا روز کا معمول تھا لیکن وہ عادی نہیں ہو پاتا تھا۔ نہ ہی اپنے آپ کو بدلنے پر راضی ہوتا، اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا وہ دائیں گال پر چھپی پانچ انگلیوں کے نشانات کو تنفر سے دیکھ رہا تھا...... روز نشانات پڑتے تھے، صبح تک معدوم ہو جاتے تھے۔ وہ بھی بلا کا ڈھیٹ تھا...... اب وہ بچہ نہیں رہا تھا، جوان ہو گیا تھا اسے مار کھاتے شرم آتی تھی لیکن پاپا کو مار لگاتے شرم نہیں آتی تھی سو اس نے بھی شرم کو دور پھینک دیا اور ڈھیٹ بن گیا تھا، اب مار سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا البتہ بغاوت کے گراف میں اضافہ ضرور ہو جاتا تھا۔

اس کے حصے کی مار میں سے جب ایک تھپڑ، گالیوں کے بونس کے ساتھ اس کی ماما کو ملتا تھا تب وہ قدرے شرمندہ ہو جاتا تھا لیکن پھر سے بے حسی کا خول چڑھا لیتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس مار پیٹ اور گالم گلوچ کی وجہ وہ نہ بھی بنے تب بھی پاپا نے کسی نہ کسی بہانے ماما پر ہاتھ اور زبان چلانے ہی ہیں۔ وہ کس بات کا غبار ماما پر نکالتے تھے، یہ البتہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ برستے جس پر بھی

تھے زوار کو ترس ہمیشہ خود پر آتا تھا۔ وہ بچپن سے یہ سب دیکھتا آ رہا تھا۔ پہلے دادی زندہ تھیں تو وہ بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالنا فرض سمجھتی تھیں۔ ہاتھ تو نہیں اٹھاتی تھیں لیکن ان کے لفظی تیر بھی سنگ باری سے کسی طور کم نہ ہوتے تھے۔ انہیں ماما کے سیدھے کام میں بھی ہزار کیڑے دکھائی دیتے بلکہ یوں کہنا بجا ہوگا کہ انہیں بس ماما کی شکل دیکھتے ہی غصہ آ جاتا تھا اور پھر وہ بھی اپنا غبار ان پر ہی نکالتی تھیں۔ غبار دراصل تھا کس چیز کا یہ زوار کبھی جان نہیں پایا لیکن اتنا وہ ضرور جانتا تھا کہ پاپا اور دادی کے برعکس اس کی ماما اپنا غبار صرف آنسوؤں پر ہی نکال سکتی تھیں۔ اپنے غموں میں ڈوبی وہ کبھی اس پر بھی ٹھیک سے توجہ نہ دے پاتی تھیں اس گھر میں ہر شخص صرف اپنا اپنا غبار نکالنے کے کام پر ہی لگا رہتا تھا...... زوار کی کسی کو نہ پروا تھی نہ ہی ضرورت۔ وہ اکلوتا ہونے کے باوجود دسویں بارہویں ان چاہی اولاد کی طرح لڑھک لڑھک کر پلا تھا۔ اس پر اگر کسی کا دھیان جاتا بھی تھا تو صرف غصہ کرنے کے لیے۔ جب سے اس نے یہ راز پایا تھا تب سے وہ قصداً ایسے کام کرنے لگا جس سے گھر والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ خواہ غصہ کرنے کے لیے ہی سہی، وہ ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب تو ہو ہی جاتا تھا۔

رات ڈھل رہی تھی اور وہ ماضی کے سفر پر رواں دواں تھا۔ اس کی آنکھیں نم اور ضبط کی وجہ سے سرخ تھیں کیونکہ مہر کو روتے ہوئے مرد زہر لگتے تھے اور زوار کو مہر کی ہر بات امرت لگتی تھی...... وہ بالکونی کی ریلنگ پر اپنے وجود کا پورا وزن ڈالے جیسے سہارا سا لیے ہوئے تھا۔ گلی میں پھرتا چوکیدار سگریٹ سلگا رہا تھا۔ اس کے دل میں بھی سگریٹ نوشی شدت سے طلب بیدار ہوئی لیکن وہ سر جھٹک کر اندر آ گیا۔ سگریٹ بھی مہر کی ناپسندیدہ ترین اشیا میں سے ایک تھی۔ کمرے میں آ کر اس نے سی ڈی پلیئر آن کیا۔

آدھا سا وعدہ کبھی آدھے سے زیادہ بھی
جی چاہے کر لوں اس طرح، وفا کا
چھوڑے نہ چھوٹے کبھی، توڑے نہ ٹوٹے کبھی
جو دھاگا تم سے جڑ گیا، وفا کا
میں تیرا سرمایا ہوں، جو بھی میں بن پایا ہوں
تم سے ہی، تم سے ہی
راستے مل جاتے ہیں، منزلیں مل جاتی ہیں
تم سے ہی، تم سے ہی
نہ ہے یہ پانا، نہ کھونا ہی ہے
تیرا نہ ہونا جانے کیوں ہونا ہی ہے

وہ کیا تھا اور مہر نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ یادوں اور باتوں کا ایک ریلا تھا جو اسے ہر وقت محوِ سفر رکھتا تھا...... بچپن سے جوانی اور جوانی میں پھر سے بچپن کی یادیں اور باتیں۔ جتنا اس کا بچپن تکلیف دہ تھا اتنا ہی اس کی جوانی کے گزرے پانچ برس سہانے ترین تھے۔ اسے یاد آیا جب وہ چھوٹا سا تھا تو ان کے گھر کے سامنے ایک نیا گھر بن رہا تھا...... وہاں روزانہ ریت بجری، سیمنٹ، لوہا اور اینٹیں وغیرہ لائے جاتے تھے۔

اس نے محلے کے کئی بچوں کو وہاں پڑی ریت سے گھروندے بناتے دیکھا تو اس کے دل میں بھی خواہش ابھری...... نہ اس کا کوئی دوست تھا نہ مصروفیت، نہ ہی گھر میں کسی کو اس کے وجود سے کوئی سروکار تھا، وہ باہر نکل گیا اور بچوں کے ساتھ ریت میں کھیلنے لگا۔ اسے اس کھیل میں اتنا مزہ آیا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ انسان مٹی سے بنا ہے اس کا خمیر مٹی ہے وہ اس مٹی میں خوشی محسوس کرتا ہے اور بچے تو عین فطرت ہوتے ہیں۔ وہ مٹی سے خصوصی قربت محسوس کرتے ہیں۔ کھیلتے کھیلتے شام ڈھلنے لگی لیکن اسے نہ تو تھکن محسوس ہوئی نہ بھوک نے ستایا...... ماں ویسے ہی دنیا جہاں سے بیزار تھی، اس کی کمی کو محسوس تک نہ کیا، گھروندے بنا کر توڑنا اور پھر سے بنانا اسے دنیا کا دلچسپ ترین کام لگ رہا تھا۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں جب اس کے پاپا شاپ سے گھر لوٹے تو ان کی اس پر نظر پڑی۔ وہ سر تا پا مٹی میں اٹا ہوا

تھا۔ وہ طیش سے بے قابو ہوگئے۔ اسے بالوں سے جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گھر لے گئے اور پھر وہ تکلیف اسے آج بھی یاد تھی۔ آج بھی وہ درد یاد کرکے اس کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔

پاپا نے اسے ربڑ کے پائپ سے مارا تھا۔ دادی غصے میں بولتی رہیں اور پاپا کا غصہ بھڑکتا رہا۔ اسے خوب مار لینے کے بعد ایک ضرب ماما کو لگائی جو خاموش کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں کیونکہ ان کی حیثیت ہی تماشائی کی تھی۔

''نکمی، جاہل، پھوہڑ، ہڈ حرام، منحوس، عورت۔'' ایک سانس میں اتنے القابات سے نوازا دیا گیا تھا۔

''ایک بچہ نہیں سنبھلتا تجھ سے، کوئی ہوش بھی ہے کہ کس غلاظت سے اٹھا کے لایا ہوں میں اسے؟'' وہ بکتے جھکتے اندر چلے گئے تو دادی شروع ہوگئیں۔

''نحوست تو اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں مہارانی صاحبہ، نہ ماں نے کوئی تمیز سکھائی نہ سلیقہ کہ شوہر کے آنے سے پہلے گھر اور بچے صاف ستھرے کیے جاتے ہیں۔ یہاں تو الٹا ہی حساب ہے۔ تھکا ہارا میرا بچہ گھر آئے تو نحوست استقبال کرتی ہے۔'' بولتی ہوئی وہ بھی کمرے میں بند ہوگئیں۔ ماما نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے نہلانے باتھ روم میں لے گئیں۔ اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود وہ منظر اس کی یادداشت کے پردوں پر تمام تر جزئیات کے ساتھ نقش تھا کہ کیسے ماما نے بہتے پانی کے ساتھ اپنے آنسو بہاتے ہوئے اسے نہلایا تھا اور اسے صاف کپڑے پہنا کر وہ خود نہانے گھس گئی تھیں اور بہت دیر بعد جب وہ باہر نکلیں تو ان کی ناک اور آنکھیں سرخ تھیں۔

اس کے بچپن کی ہر ضد اور ہر کھیل کا کم و بیش کچھ ایسا ہی انجام ہوتا تھا، جب تک وہ بچہ تھا، ڈرا سہما رہتا تھا، بڑا ہونے لگا تو ردعمل ظاہر کرنے لگا، لڑکپن تک ردعمل بغاوت کے لاوے میں تبدیل ہوکر اندر ہی اندر پکنے لگا تھا اور جوان ہوجانے پر لاوے کو بہہ نکلنے کا راستہ مل گیا تھا۔

⁂

وہ بچپن ہی سے خوراک کی چور تھی، اس لیے بے حد کمزور تھی۔ دبلی پتلی منحنی سی، سب کہتے تھے لڑکیوں کو دبلا پتلا ہی ہونا چاہیے لیکن دبلا پتلا ہونے اور اندرونی طور پر کمزور ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ وہ دونوں طرح سے کمزور تھی۔ اس میں قوت مدافعت کی بے حد کمی تھی اور یہ تو شادی کے بعد پتا چلا کہ اس میں خون کی بھی کمی تھی اور وہ کمی پھر کبھی پوری ہوئی ہی نہیں۔ جو اپنے گھر میں کھانے کی چور تھی وہ سسرال میں بھلا کیا کھاتی پیتی، شادی ہوکر فاروق کے سنگ آئی تو نئے گھر نئے ماحول میں شرم و جھجک کی بنا پر خوراک مزید کم ہوگئی۔ اس کی ساس بھلی عورت تھیں لیکن بہرحال ماں نہیں تھیں۔ وہ کھاتی تو بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور نہ کھاتی تب بھی روایتی ماؤں کی طرح وہ اس کی صحت کی فکر تو نہیں کرسکتی تھیں۔ سمیعہ لاابالی بھی بلا کی تھی۔ خبر ہی نہ تھی کہ صحت کا خیال رکھنا شادی کے بعد تو ازحد ضروری ہوجاتا ہے۔

شادی کے دوسرے ہی ماہ امید سے ہوئی تو حالت بگڑ گئی۔ جسم کی اندر اتنی قوت ہی نہ تھی کہ نئے مہمان کی آمد سے اندرونی طور پر پیدا ہونے والے تغیرات سے نبرد آزما ہو پاتی۔ الٹیاں کرکے بے حال ہوجاتی، جو بھی کھاتی ہضم نہ ہوتا۔ کبھی الٹی، کبھی موشن، کبھی معدے کی جلن، محض پندرہ بیس دنوں میں آنکھیں اندر کو دھنس گئیں، رنگت سیاہ پڑ گئی، پیٹ پچک کر کمر سے لگ گیا اور ایک دن نقاہت کے مارے جو چکرا کر گری تو سر پر چوٹ الگ کھائی۔

ایک ہفتہ اسپتال میں داخل رہی، ڈرپس اور انجکشنز لگوا لگوا کر بازو چھلنی ہوگئے تب کہیں جاکر طبیعت میں کچھ بہتری آئی پھر بھی ہر پندرہ دن بعد ایک ڈرپ لگوانی پڑتی۔ ابتدائی ٹیسٹ ہوئے تو پتا چلا خون کی شدید ترین کمی ہے۔ اس کے بعد آئرن ڈرپس کی باری آئی، ڈاکٹر نے بہترین خوراک کا پورا چارٹ بنا کردیا...... فاروق نے سب چیزوں کا ڈھیر لگا دیا لیکن اسے بھلا کھانے کی عادت ہی کب تھی۔ زبردستی کچھ کھا لیتی تو متلی ہوجاتی، انجکشنز اور ڈرپس سے ہی گزارا چلتا رہا۔ پر نویں مہینے میں

اسے یرقان ہوگیا، ایک بار پھر وہ ہسپتال ایڈمٹ ہوگئی۔

ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا، ماں یا بچہ، بیک وقت دونوں کا بچ جانا اور بچے کا نارمل رہنا معجزہ ہی ہوگا...... یرقان کے اثرات بچے کو بری طرح متاثر کرنے کے چانسز بہت زیادہ تھے۔ تب سمیعہ کے دن رات روتے ہوئے گزرتے۔ وہ روتی رہتی اور نفل پڑھتی، جو وظیفہ سمجھ میں آتا وہ پڑھتی، جو دعا نظر سے گزرتی وہ پڑھ کر بچے کی خیریت مانگتی، اس کا آخری ماہ اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہی گزرا۔ پھر قبل از وقت بلیڈنگ شروع ہوگئی اور ساتھ ہی ٹینشن کے مارے اس کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک بڑھ گیا۔ ڈاکٹرز نے فاروق سے آپریشن کے کاغذات سائن کروا کر اسے پھر سے ایڈمٹ کرلیا اور اس کے آپریشن کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس سب کے باوجود وہ ڈاکٹر کہہ گئے تھے کہ بچے کے بچنے کی کوئی گارنٹی نہیں کیونکہ مریض کو بچانا بہرحال زیادہ اہم ہوتا ہے۔ فاروق نے بھی کہہ دیا کہ وہ ماں کو بچائیں بچے کی فکر ترک کردیں۔ اس کی ساس نے بھی مصلیٰ بچھا لیا۔ آپریشن تھیٹر میں لیٹی زار و قطار روتی سمیعہ مسلسل رب کو یاد کررہی تھی اور پھر اس رب رحیم نے اس کی گریہ وزاری سن لی۔ ڈاکٹرز ابھی آپریشن کی تیاری ہی میں مصروف عمل تھے جب بچہ بالکل نارمل طریقے سے خود ہی دنیا میں وارد ہوگیا۔ نہ کوئی پیچیدگی ہوئی نہ کوئی مسئلہ، اس کے پیدا ہوتے ہی سمیعہ کا بلڈ پریشر حیرت انگیز طور پر نارمل ہوگیا...... ڈاکٹرز کے ہاتھ اپنی اپنی جگہ تھمے رہ گئے تھے۔ آپریشن تھیٹر میں یک دم کھلبلی مچ گئی۔ ڈاکٹرز کی حیرت اور خوشی کا وہ عالم تھا کہ جس کی مثال نہیں ملتی...... ڈیوٹی ڈاکٹرز کے لیے وہ اپنی طرز کا انوکھا کیس ثابت ہوا...... بیٹا پیدا ہوا تھا اور بالکل نارمل اور مکمل طور پر صحت مند بھی۔ پورے ہسپتال میں یہ خبر تیزی سے پھیلی اور پھر فاروق نے پورے اسپتال میں مٹھائی تقسیم کی اور تمام نرس اور وارڈ بوائز میں صدقے کے طور پر خطیر رقم بھی بانٹی پھر جب بچے کو نہلا دھلا کر سمیعہ کے حوالے کیا گیا تو وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اب یہ آنسو تشکر کے تھے بلاشبہ وہ خود کو اس احسان بھرے معجزے کے قابل نہ سمجھتی تھی۔

⁂

نا کام نہیں نا شاد نہیں
میں قیس نہیں فرہاد نہیں
پنوں بھی نہیں رانجھا بھی نہیں
واصق بھی نہیں مرزا بھی نہیں
وہ لوگ تو بس افسانے تھے
اس شدت سے بیگانے تھے
میں زندہ ایک حقیقت ہوں
سر تا پہ جذبہ الفت ہوں
میں تم کو دیکھ کے جیتا ہوں
ہر لمحہ تم پہ مرتا ہوں
میں ایسی محبت کرتا ہوں
تم کیسی محبت کرتی ہو......؟

اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ آج سارے عہد توڑ کر ایک سگریٹ سلگا لے لیکن کچھ تو تھا اس کی محبت میں کہ اس سے تعلق ٹوٹ گیا تھا لیکن عہد توڑنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا جب اس نے تیسری بار ماما سے چائے بنوا کر پی تو وہ بھی مشکوک ہوگئیں۔ وہ ان کے سوالات کو ان سنی کرتا کپ اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ گزرے وقت کو سوچتا تھا تو خود پر حیرت ہوتی تھی کہ مہر کی محبت میں وہ کیا سے کیا بن گیا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود ویسا نہیں تھا جیسا اکلوتی اولاد کو ہونا چاہیے، ماں تو خیر ماں ہوتی ہے، شرابی، زانی، جواری اولاد کو بھی سینے سے لگا لیتی ہے لیکن باپ رعایت نہیں دیتا...... باپ بھی زوار کے پاپا جیسا ہو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا رعایت کا۔

بچپن تو اس کا جیسا تیسا گزر ہی گیا تھا لیکن اس کے جوان ہوجانے پر بھی ان کا رویہ بدلا نہیں تھا۔ ان کی توقعات اس کی عمر کے اعتبار سے ہمیشہ بلند ہی رہی تھیں۔ انہوں نے اسے کبھی کم عمر سمجھا ہی نہیں، جو بات وہ

ادھیڑ عمری میں سمجھ رہے تھے وہ اس سے نوجوانی میں ہی سمجھ لینے کی توقع کرتے تھے۔ اس کے مقابلے میں اس حوالے سے ان کی تربیت زیرو تھی۔ ان کا طریقہ کار روز اول سے غلط تھا لیکن یہ بات انہیں بھلا کون سمجھاتا؟ جوان ہوجانے پر زوار ان کی خواہشات اور توقعات کو سمجھنے لگا تھا لیکن اس کے اندر پنپتی بغاوت اب بڑھ کر ایسی بیل میں تبدیل ہوگئی تھی جو ہر مثبت جذبے کے گرد لپٹ کر اسے نگل لیتی ہے۔ اس کی ماما کبھی کبھی رو کر اس کی منت کرتیں لیکن وہ بے حس بنا رہتا۔ اس نے بچپن میں ان سے بھی تو بے حسی پائی تھی، جس عورت کے ہاتھ میں شوہر کی محبت اور عزت نہ آسکے بڑھاپے میں اس کی امیدوں کا مرکز اس کی اولاد ہی ہوتی ہے پھر اگر وہ اولاد بھی ہاتھوں سے نکل جائے تو عورت کتنی تہی داماں رہ جاتی ہے یہ کوئی ان سے پوچھتا جنہوں نے پہلے ساری زندگی شوہر کی بے اعتنائی سہی اور پھر بیٹا بھی اسی ڈگر پہ چل نکلا تھا۔

اذیتوں کا ایک سمندر تھا جو زوار کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا۔ یہ سوچ اب اسے کچوکے لگاتی تھی کہ اس نے بھی باپ کی دشمنی اور ضد میں سزا اماں کو ہی دی، نہ کبھی اس کے آنسوؤں کی پروا کی نہ منتوں کی...... سب نے اپنا اپنا تختہ مشق ثمینہ کو ہی بنائے رکھا۔ یہ ان ہی دنوں کی بات تھی جب اس کی دوستی مہر سے ہوئی اور یونہی بات برائے بات اس نے اپنے مسائل کا تذکرہ مہر سے کردیا۔ انسان فطرتاً محبت کا بھوکا ہے...... محبت اسے جہاں سے بھی ملے وہ وہیں دوڑتا ہے، خصوصاً زوار جیسا انسان، جسے اپنے سب سے قریبی رشتوں کی جانب سے کبھی وہ محبت اور توجہ نہ ملی جس کا وہ حق دار تھا، ایسے میں مہر کا اسے بحیثیت ایک فرد کے توجہ اور اہمیت دینا اس کی زندگی میں اس کا ایسا مقام بنا گیا جس کا وہ حق دار تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اسے ماں اور باپ دونوں کی جانب سے لعن طعن کے سوا کچھ بھی سننے کو نہ ملتا تھا، تب مہر نے اس سے عزت سے بات کی، اس کی بات کو سنا اور اہمیت دی۔ مہر کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کبھی بھی اسے یہ نہیں کہتی تھی کہ تم برے ہو یا تم غلط ہو...... وہ اس کی ہر بات کو مکمل دھیان اور توجہ سے سنتی، درمیان میں ٹوکے بنا اسے بات مکمل کرنے دیتی پھر اس کے بعد دلائل کے ساتھ پوری صورت حال کا اس کے پس منظر سمیت تجزیہ کرکے زوار کے آگے پیش کردیتی یوں کہ وہ خود ہی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہوجاتا۔ وہ خود ہی سمجھ لیتا کہ وہ کہاں پر غلط تھا۔

چائے ختم ہوگئی تھی اور اب سر کے درد کو کچھ آرام مل گیا تھا، وہ کپ میز پر رکھ کر بیڈ پر چت لیٹ گیا...... روز آفس سے واپسی کے بعد رات کے کھانے تک کا یہ وقفہ اس کی پرانی سہانی یادوں کے نام ہوا کرتا تھا...... یہ وہ وقت تھا جو وہ اس سے پہلے روز مہر کے گھر پر گزارتا تھا اب گھر پر گزارنے لگا تھا تو ماما کھٹک گئی تھیں لیکن سوال کرنے سے گریزاں تھیں۔ اسے یاد آیا جب پہلی بار اس نے مہر سے اپنے گھر کے ماحول اور والدین کے رویے کا تذکرہ کیا تو مہر نے سادگی سے کہا تھا۔

”تم اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہو زوار انہیں تم سے بہت امیدیں ہیں لیکن ناجائز اور ناممکن نہیں۔ جن باتوں پر وہ ٹوکتے ہیں وہ بھی درست ہیں البتہ ان کا طریقہ کار منفی ہے کیونکہ انہیں شاید یہی طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔ جانتے ہو ماں باپ بچوں کے ساتھ جارحانہ رویہ اور مار پیٹ کیوں کرتے ہیں؟ جب وہ خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔“ وہ اس کی بات پر حیرت زدہ ہو رہا گیا تھا۔

”کیسی بے بسی؟ پاپا اور بے بس......“ زوار نے تمسخرانہ انداز اپنایا تو مہر مزید تحمل سے بولی تھی۔

”تمہارے پاپا اپنے بزنس کی دیکھ بھال میں بری طرح مصروف رہتے ہیں ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں ہے، بزنس کی ہزار پریشانیاں ہوتی ہیں ایسے میں نہ ان کے پاس اتنا وقت بچتا ہے نہ اتنی ہمت کہ وہ تمہیں لے کر بیٹھیں اور ننھے بچوں کی طرح ایک ایک بات سمجھائیں۔ مصروفیت، تھکن اور پریشانی سے فرسٹریٹ ہوکر مار پیٹ کرنا انہیں آسان ترین حل لگتا ہے۔ کبھی ان کے دل سے پوچھو، وہ بھی تمہیں مار کر خوش تو ہرگز نہیں ہوتے ہوں

گے...... کوئی بھی والدین اپنی اولاد پر خوشی اور مرضی سے تشدد نہیں کرتے' بس تھوڑا سا ان کی نفسیات کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضد اور غصے کو ایک طرف رکھ کر سوچو تو ان کے مطالبات پورے کرنا اور ان کو خوش رکھنا اتنا بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔" وہ ایسی ہی تھی' منفی بات کو بھی مثبت رخ دے کر اگلے کو مارجن دیتی تھی اور خصوصاً جب بات ہو والدین کے حوالے سے تو وہ ذکر یوں کرتی تھی جیسے عبادت کر رہی ہو۔

اس روز پہلی بار اس نے اپنے والدین کے رویوں کو غیر جانبداری سے پرکھا تو غلط لگنے کے باوجود اسے ان دونوں پر بے تحاشا ترس آیا۔ ان سے ہمدردی محسوس ہوئی' مہر نے صحیح کہا تھا کہ کوئی بھی انسان یہ سب خوشی سے نہیں کرتا' پہلی بار اس نے مہر کی گفتگو کے تناظر میں اپنے ماں باپ کے چہروں کو غور سے دیکھا تو اسے بڑھاپا اور تھکن نظر آئی' وہ دونوں ابھی بوڑھے نہیں ہوئے تھے لیکن وقت کی گردش اور حالات کی بے رحمی نے مالی آسودگی کے باوجود ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا۔ بے سکونی اور پریشانی کی چھاپ ان کے چہروں پر واضح نقش تھی۔ وہ دونوں ایسے کیوں تھے' عام والدین جیسے کیوں نہ تھے؟ وہ وجہ جاننے سے آج بھی قاصر تھا۔ اس کے لیے خود کو بدلنا ممکن تھا اور اس نے خود کو ہی بدلا تھا' اس سوچ کے ساتھ کہ شاید یوں اس کے ماں باپ کی بے سکونی میں کچھ کمی واقع ہو جائے۔ وہ قائل ہو گیا تھا لیکن خود کو بدلنا آسان نہیں ہوتا' اسے وقت چاہیے تھا' ہمت حوصلہ اور مورل سپورٹ درکار تھی۔ اس کڑے وقت میں مہر اس کا بازو بن گئی' اس کی ریڑھ کی ہڈی بن گئی اور اسے سیدھا کھڑا ہونے کی استقامت دی۔ ان دونوں نیٹ چیٹ سے ہٹ کر وہ دونوں فون کال پر بات کرنے لگے تھے' مہر کے لیے اسے سمجھانا آسان ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی شکایت جو اس کے پاپا کو اس سے تھی سب سے پہلے اس پر کام شروع کیا گیا تھا۔

"پاپا کہتے ہیں اسموکنگ چھوڑ دو' میں اب اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ اسموکنگ چھوڑنا اب بے حد مشکل لگتا ہے حالانکہ وہ خود بھی اسموکنگ کرتے ہیں اس بات کو سمجھتے بھی ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب زندگی میں کچھ بن جاؤ' کامیاب ہو جاؤ تب آ نا باپ بیٹا مل کر سگریٹ پئیں گے۔" وہ ہنسا تو مہر بھی ہنس دی۔

"ارے واہ' ایسی فراخدلانہ آفر...... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ تمہیں اسموکنگ سے منع نہیں کر رہے بلکہ اس کم عمری میں اسموکنگ سے منع کر رہے ہیں یہ ان کی کیئر کا انداز ہے زوار۔ وہ تو پھر بڑے فرینڈلی فادر ہوئے' تم نے ایویں بدنام کر رکھا ہے انہیں۔" زوار لاجواب ہو کر چپ ہو گیا۔

"ہاں لیکن اسموکنگ چھوڑنا آسان کب ہے یار...... اب تو رہا ہی نہیں جاتا سگریٹ کے بغیر۔"

"تم متبادل چیزیں ڈھونڈو' اکثر لوگ ایسے میں کینڈیز' سونف سپاری' وغیرہ کھاتے ہیں' چائے پیتے ہیں کیونکہ بعد میں ان چیزوں کو ترک کرنا آسان ہوتا ہے اور اسموکنگ یک دم چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے' پہلے پہل مقدار کم کرو' بیچ کا دورانیہ بڑھاؤ' آہستہ آہستہ کچھ ماہ لگا کر مکمل ترک کر پاؤ گے۔" مہر اپنے ازلی نرم انداز میں گویا تھی۔

"لیکن پاپا کہتے ہیں' بس چھوڑ دو۔" مہر نے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلایا' باپ سے زیادہ وہ خود اپنی ضد پہ ڈٹا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور دائیں سے بائیں کان پہ منتقل کیا اور دایاں کان سہلاتے ہوئے بولی تھی۔

"زوار...... وہ خود بھی اسموکنگ کرتے ہیں' یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ یہ عادت ایک دم سے ترک نہیں کی جا سکتی۔ تم ان کے ساتھ بیٹھو' تحمل سے ڈسکس کرو' اپنے ارادے سے آگاہ کرو' وہ خوش ہوں گے تو خود تمہیں مارجن دیں گے تمہارے ساتھ تعاون کریں گے...... ٹرسٹ می کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے ہی ممکنات کو ذہن میں رکھ کر ردمت کیا کرو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ان سے محبت سے بات کرو' محبت فاتح عالم ہے' اپنی ٹون چینج

کرو پھر نتیجہ دیکھو۔" اور وہ قائل ہو گیا تھا۔ کسی بھی عادت کو اپنانے یا ترک کرنے کے لیے پہلے اپنے آپ کو قائل کرنا ضروری ہوتا ہے' اگلی راہیں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں...... وہ مسکرا دیا اور پھر سے اٹھ کر بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔ آسمان پہ رات اتر آئی تھی۔ گھر روشن ہو گئے تھے۔ کچھ گھروں کی چمنیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا' ہر گھر کے اندر ان گنت کہانیاں چھپی ہوتی ہیں' باہر سے سب ایک سے نظر آتے ہیں' خاموش اور پُرسکون۔

وہ اب بھی حیران ہوتا تھا کہ والدین وہ اس کے تھے اور ان کے دلوں کو سمجھا مہر نے تھا۔ اس طور سے جیسے اسے سمجھنا چاہیے تھا۔ ایک بیٹا اور اکلوتا بیٹا ہونے کے ناطے' اس شام کو یاد کر کے اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی جب اس نے اسموکنگ کے حوالے سے پاپا سے بات کی تھی۔ مہر کی دی گئی ہدایات کے مطابق جب اس نے نہایت تمیز اور سنجیدگی سے اپنا مدعا بیان کیا تو پاپا کے چہرے پر نمودار ہونے والی خوشی نے اسے بے حد حیران اور پھر آسودہ کر دیا تھا...... انہوں نے بے اختیار اسے گلے لگا کر پیٹھ تھپکی اور اس کی حوصلہ افزائی کی...... وہ اپنی اب تک کی بدگمانی پر بری طرح پشیمان ہوا تھا۔

"یہ ہوئی ناں بات' میرا شیر پتر۔ دیکھ بیٹا دنیا میں کوئی بھی کام مشکل نہیں ہوتا' یہ ہماری سوچ ہوتی ہے جو کسی بھی کام کو مشکل یا ناممکن بنا دیتی ہے...... مرد کے لیے تو ویسے بھی کوئی کام ناممکن نہیں ہونا چاہیے...... اب تیرے لیے اسموکنگ چھوڑنا مشکل ثابت نہیں ہوگا کیونکہ تو نے اپنی پوری رضامندی سے پکا ارادہ کر لیا ہے۔" جیسے زوار کو مہر کی تھوڑی سی توجہ اور گائیڈنس نے پالش کیا تھا ٹھیک اسی طرح اس کے پاپا بھی اس کی ایک ہی بات سے موم ہو گئے تھے۔

"محبت فاتح عالم ہے۔" مہر گنگنائی...... وہ دل سے قائل ہو گیا تھا۔

"بس ثابت ہوا کہ ہر شخص محبت کا ہی بھوکا ہے۔ میں نے صرف خود کو ہی محبت کا حق دار سمجھا تھا جبکہ میرے ماں باپ بھی محبت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔" اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا' بالکونی سے ہٹ کر اس نے کمرے میں جھانکا تو ماما تھیں۔

"آ جاؤ زوار ڈنر کر لو۔"

"جی ماما آپ چلیں میں آتا ہوں۔" ماما نے گہری نظروں سے اس کی سنجیدگی کو نوٹ کیا اور سر ہلا کر مڑ گئیں۔ ان کے پیچھے وہ بھی کمرے سے نکل کر لاؤنج میں چلا آیا لیکن دماغی طور پر وہ مسلسل غیر حاضر تھا اور یہ بات ماما پاپا دونوں نے ہی محسوس کی تھی لیکن خاموش تھے۔

❀......❀......❀

سمعیہ اور فاروق نے بہت چاہت سے اپنے معجزوں سے ملے بیٹے کا نام منصور رکھا۔ وہ ہو بہو اپنے باپ کی کاپی تھا لیکن صرف شکل صورت میں...... اس کی پیدائش جتنی کٹھن اور صبر آزما تھی اس کی پرورش اس سے کئی گنا بڑھ کر کٹھن ثابت ہوئی۔ سمیعہ اتنی کمزور اور بیمار رہی تھی اس کا کچھ تو اثر ہونا تھا۔ منصور روتا تھا اور ایسے روتا تھا کہ کسی سے بھی چپ نہ ہوتا۔ پہلے تو اس نے سمیعہ کا دودھ نہ پیا' ڈبے کا لگوایا تو وہ اسے راس نہ آیا...... وہ بھی ماں کی طرح آئے دن ہسپتال میں رہنے لگا...... بے حد مشکلات کے بعد وہ قدرے بہتر ہوا اور نجانے کتنے ٹوٹکے آزمانے کے بعد اس نے ماں کا دودھ پینا شروع کیا...... تھوڑا بڑا ہوا تو کھانے پینے میں نخرے دکھائے' دودھ کے سوا وہ کچھ بھی لینے پر راضی نہ ہوتا...... چار سال کی عمر تک وہ صرف دودھ پیتا لیکن شرارتی وہ اس قدر تھا کہ لگتا ہی نہ تھا کہ اس کی کوئی خوراک نہیں...... اس نے ماں باپ کو نچا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چار برس سے کچھ اوپر ہوا تو سمیعہ پھر امید سے ہوئیں' اس مرتبہ خوشخبری اتنی خاموشی سے آئی کہ ڈھائی ماہ تک اسے پتا ہی نہ چل سکا اور جب چلا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی۔

فاروق نے اور اس کی ساس نے بے حد حوصلہ دلایا

تب تک منصور کی عادات قدرے بہتر ہوگئی تھیں اور پھر اس کی خوش قسمتی تھی یا ایک اور معجزہ کہ دوسری پریگنینسی میں اسے کسی بھی قسم کی کوئی پیچیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑا نہ اس کی طبیعت بگڑی نہ خوراک کا معاملہ بگڑا بلکہ وہ خوش خوراک ہوگئی اور اس کی صحت قدرے بہتر ہونے لگی تھی۔ متلی، کمزوری، بلڈ پریشر، خون کی کمی، کوئی ایک مسئلہ بھی درپیش نہ ہوا اور اس نے بے حد آسانی سے بے حد خوب صورت بیٹی کو جنم دے دیا تھا۔

جس قدر منصور شرارتی اور مشکل بچہ تھا اسی قدر وہ ان کے لیے صابر اور شریف ثابت ہوئی۔ وہ گویا بڑے بھائی کے دیئے تمام دکھ درد کا ازالہ کرنے دنیا میں آئی تھی۔ نہ بلاوجہ روتی، نہ ضد کرتی، بس ہر دم مسکراتی رہتی اور کسی کی بھی گود میں چلی جاتی، بے حد آسانی سے بہل جاتی، اس کی پرورش اس کی جوانی تک بے حد سہل رہی۔ وہ اپنے ماں باپ کے لیے خصوصی انعام تھی۔ اللہ کی خاص رحمت مہر فاروق۔

❀......❀......❀

اسموکنگ ترک کرنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہ بے حد چڑچڑا رہنے لگا تھا، مہر بے حد تحمل سے اسے ڈیل کرتی...... فارغ اوقات میں بیٹھ کر نیٹ سرچنگ کرتی اور اسموکنگ چھوڑنے کے آسان طریقے اور متبادل ٹپس ڈھونڈتی پھر اسے ٹیکسٹ کرتی یا کبھی کال پہ سمجھاتی۔ کبھی وہ صرف سن لیتا کبھی عمل بھی کر لیتا اور کبھی بری طرح جھنجلا جاتا۔ وہ مستقل مزاجی سے اس کی تھراپسٹ بنی رہی۔

"دیکھو تم پانی زیادہ سے زیادہ پیو اس سے تمہارے جسم سے ٹاکسنز جلدی ختم ہوں گے اور تم فریش محسوس کرو گے۔ اس کے علاوہ تم وٹامن کی دوائیں لو تاکہ تمہارے اندر قوت مدافعت بڑھے۔" وہ بیزاری سے سنتا پھر اسے ٹوکتا۔

"زیادہ پانی پینے سے مجھے متلی ہونے لگتی ہے۔ ویسے بھی جس ٹائم سگریٹ کی طلب ہو اس ٹائم تو شدید متلی ہوتی ہے۔" اور مہر صاحبہ پھر سے سرچنگ کرنے بیٹھ جاتیں۔

"سنو زوار، تمہیں متلی ہو تو تھوڑی سی ادرک چبانا، ٹھیک ہو جاؤ گے۔" اس نادر ٹپ پر زوار نے فون کان سے ہٹا کر اسے ایسے گھورا جیسے وہ مہر ہو، پھر واپس کان سے لگا کر پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئیں؟" مہر خفیف سی ہوگئی۔

"اچھا ادرک کی چائے بنوا کر پی لینا۔" مصالحانہ انداز اپنایا۔

"جی اچھا بہت مہربانی۔" وہ جل کر کہتا تو مہر لب دبا کر ہنسی روکتی۔

پھر کبھی وہ اسے آکوپنکچر تھراپی کا مشورہ دیتی، کبھی ہپنو تھراپی کا تو کبھی مراقبے کا۔ زوار کا دل کرتا وہ اپنے بال نوچ لے...... بالآخر ایک دوست نے اسے ایک ڈاکٹر کا پتا بتایا جس نے اسموکنگ چھوڑنے کے علاج میں کچھ کورسز کر رکھے تھے۔ اس سے مل کر زوار نے خود میں بہتری آتی محسوس کی اور بالآخر چھ ماہ کے عرصے میں وہ مکمل طور پر سگریٹ نوشی ترک کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

جب ہاتھ دعا کو اٹھتے ہیں
الفاظ کہیں کھو جاتے ہیں
بس دھیان تمہارا رہتا ہے
اور آنسو بہتے رہتے ہیں
ہر خواب تمہارا پورا ہو
اس رب کی منت کرتی ہوں
میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔ نگاہیں کہیں دور خلاؤں میں بھٹک رہی تھیں، ذہن غیر حاضر تھا، الفاظ کھو گئے تھے، آس پاس کا منظر دھندلا گیا تھا، نین کٹورے چھلکنے کو بے تاب تھے اور دل...... بس دل تھا جو اس کی خوشیوں کی دعا میں محو تھا۔

سارے دن کی مصروفیات کے بعد روز بعد نماز عشاء یہ وقت اس کا ذاتی ہوتا تھا جس میں اس کا خود پر چڑھایا خول چٹخ جاتا تھا اور وہ ساری دنیا فراموش کر کے بس اصلی والی مہر بن جاتی تھی۔ ساری دنیا بھلا کے بس ایک اسے یاد کرتی۔ وہ جو اس کی زندگی سے نکل کر بھی اس کے دل و دماغ پر قابض تھا۔ اس کی تمام تر دعاؤں کا مرکز اور دھیان کا حاصل بن بیٹھا تھا۔ وہ جو اس کی سوچوں سے جاتا ہی نہ تھا۔ وہ دونوں پانچ سال سے ساتھ تھے، زندگی کا پل پل ایک دوسرے سے شیئر کرتے رہنے کی ان دونوں کو ایسی عادت ہوگئی تھی کہ اب وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی سوچ سے نکلتے تھے نہ زندگی کی نبض سے الگ ہوتے تھے اس کی ساری دعائیں بس زوار کے لیے تھیں۔

"یااللہ زوار کو ہمیشہ خوش رکھنا۔ اس کے ماما پاپا کی زندگی میں سکھ، سکون اور اتفاق کی فراوانی رکھنا۔ آمین۔" وہ زوار کے لیے اس سے اچھی دعا بھلا اور کیا مانگتی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اٹھ کر جائے نماز لپیٹ دی۔ زوار کی زندگی کا ہر معاملہ بس اس کے والدین سے متعلق ہی تو تھا، وہی اس کی کل کائنات تھے۔ جب تک وہ اس کی زندگی میں رہا اپنے مسائل شیئر کرتا رہا اور وہ حتیٰ الامکان اسے اچھے مشورے دیتی رہی مگر ان کی زندگیوں میں اب کیا چل رہا تھا وہ لاعلم تھی۔

وہ ہر وقت اپنے پاپا کے اپنی ماما کے ساتھ سلوک پر دکھی رہتا تھا۔ ان کا رویہ زوار سے تو بہتر ہوگیا تھا لیکن اس کی ماما سے ہنوز وہی تھا۔ وہی طنز، طعنے اور غلیظ گالیاں زوار کا یہ دکھ مہر کے دل میں ترازو ہو جاتا...... اسے اس ان دیکھی عورت سے شدید ہمدردی ہوگئی تھی جو مہر بہ لب اتنا کچھ سہتی رہتی تھی۔ جانے اس سب کے پیچھے وجہ کیا تھی پھر بھی وہ اپنے طور پر زوار کو تسلی دیتی اور سمجھاتی رہتی تھی۔

"دیکھو زوار، ہر بچہ اپنے والدین سے ہی دنیا والوں اور رشتوں کو ڈیل کرنے کے اطوار سیکھتا ہے، خصوصاً شریک حیات کے ساتھ کیا جانے والا برتاؤ، ہر شخص اپنے ماں باپ سے اڈاپٹ کرتا ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہارے دادا بھی کم وبیش اسی مزاج کے تھے تو سوچو اس میں تمہارے پاپا کا ذاتی قصور بہت کم ہے۔ انہوں نے ساری زندگی یہی رویے دیکھے اور اپنے والد سے یہی سیکھا کہ عورت کو ایسے ڈیل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کبھی یہ سیکھا ہی نہیں کہ عورت قابل احترام بھی ہوتی ہے۔ اسے محبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ سونے پہ سہاگا تمہاری دادی کا رویہ، انہوں نے تمہاری ماما سے جو رویہ برتا وہ تمہارے پاپا کو مزید فرسٹریٹ کر گیا۔" زوار کو اس کی باتوں میں وزن محسوس ہوتا تھا۔

"لیکن مہر آخر میں نے بھی تو بچپن سے یہی سب دیکھا ہے ناں، جب میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ رویے غلط ہیں تو پاپا نے کیوں نہیں سمجھا۔"

"تمہاری ابھی شادی ہی کہاں ہوئی ہے۔" مہر نے لب بھینچ کر سوچا مگر بولی تو الفاظ مختلف تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے، تم نے ان سب باتوں کو غلط جانا ہے۔ کیونکہ تم پڑھے لکھے اور باشعور ہو...... لیکن تمہارے پاپا اب عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں عادتیں بدلنا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں بدلنے کا خیال دل سے نکال کر تم خود پر فوکس کرو۔ نسل در نسل چلنے والی اس برے رویوں کی چین کو توڑو...... تم ان رویوں کو اپنائے بنا ان سے سبق سیکھو کہ تم نے ویسا شوہر اور باپ بننا ہے جیسا تم اپنے پاپا کو دیکھنا چاہتے ہو، تم اس چیز پہ فوکس کرو جو تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔" وہ ایک بار پھر اس کے الفاظ سے مسمرائز ہوگیا تھا۔

"مہر، تم بات کو سمجھاتی بہت اچھے طریقے سے ہو۔ تمہاری باتوں میں مسیحائی ہے، الفاظ میں مرہم کی تاثیر ہے۔ یقین کرو تم سے بات کر کے میں ہلکا پھلکا ہو جاتا ہوں، میرے دل کے سارے بوجھ اتر جاتے ہیں۔" نماز کی چادر اتار کر دوپٹا اوڑھتے ہوئے وہ اس کے الفاظ یاد کر کے اداسی سے مسکرا دی۔ چادر ریک پر رکھ کر وہ ٹیرس میں چلی آئی۔

رات تاریک تھی، چاند غائب تھا، ستارے بھی نظر نہیں

آرہے تھے۔چند بدلیاں آسمان پر بھٹکتی پھر رہی تھیں، ہوا میں خوشگوار سی خنکی تھی۔وہ آسمان پر متلاشی نگاہیں گھمانے لگی۔

”آج چاند کہاں رہ گیا؟“

”فائنلی ٹوڈے آئی سو مائی مون“

یاد کے پردے پر زوار کا اسٹیٹس لہرایا۔

اسے اپنی اور زوار کی پہلی ملاقات یاد آئی۔وہ آئی ایم ایس پشاور یونیورسٹی سے بی بی اے آنرز کررہا تھا اور مہر نے گریجویشن کے بعد سوشل ورک ڈپارٹمنٹ میں نیا نیا داخلہ لیا تھا۔اسوہ اور فائزہ جناح کالج سے اس کے ساتھ تھیں اور تینوں میں گہری دوستی تھی۔زوار سے اس کی دوستی کو سات آٹھ ماہ ہوئے تھے لیکن اب تک ان دونوں نے ہی ملاقات کے حوالے سے نہ کوئی بات کی تھی نہ ہی کوشش۔یہ دوستی ان دونوں کے لیے ہی محض نیٹ فرینڈ شپ تھی۔ان دونوں کے بیچ کوئی تصویر کا تبادلہ بھی نہیں ہوا تھا۔وہ پہلی ملاقات بھی بس اتفاق سے ہی ہوگئی تھی۔

مہر کو ڈپارٹمنٹ جوائن کیے بھی ایک ماہ ہوگیا تھا جب زوار نے اسے میسج کیا کہ وہ کسی کام سے اس کے ڈپارٹمنٹ آیا ہوا ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے۔وہ منظر یاد کرکے وہ ہمیشہ ہی ہنس پڑتی تھی۔ڈپارٹمنٹ آفسز کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک اول جلول سے حلیے والے لڑکے پر پڑی تو اس نے ناگواری سے نظروں کا زاویہ تبدیل کیا۔اسے ایسے عجیب فیشن زدہ قسم کے لڑکوں سے سخت چڑ تھی جو الٹے سیدھے ڈیزائن والے کپڑے پہنتے اور ایسے بال بناتے تھے جیسے کئی دن سے کنگھی نہ کی ہو......اسے ڈیسنٹ حلیوں والے مرد پسند تھے اور وہ لڑکا بھی کچھ ایسے ہی لفنگے ٹائپ حلیے میں تھا۔وہ ناگواری لیے آگے بڑھ گئی تھی۔تقریباً پانچ دس منٹ بعد ہی اسے زوار کا میسج موصول ہوا تو اس کی نشاندہی کے مطابق وہ دوبارہ آفسز کے سامنے آئی۔زوار کے بتائے حلیے کپڑوں کے رنگ اور ہاتھ میں پکڑے موبائل کے ماڈل کے مطابق جب اس نے وہاں کھڑے لڑکوں کا جائزہ لیا تو زوار وہی لڑکا نکلا جو کچھ دیر قبل اس کی ناگواری کا باعث بنا تھا۔وہ بھی متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔مہر کی حالت عجیب سی ہوگئیں۔بہ مشکل خود پر قابو پاکر وہ اس کی طرف بڑھی اور الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

”زوار......؟“

”جی......مہر؟“ مہر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مسکرا دیا لیکن مہر مسکرا بھی نہ سکی۔اسے اس کے حلیے سے وحشت ہورہی تھی لیکن مجبوری تھی۔وہ اسے لیے لان میں آئی لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے پاس سے فوراً اٹھ جائے یا وہ خود اسے ہی منظر سے اوجھل کرنے کے قابل ہوجائے۔اسے دیکھ کر مہر شدید مایوسی کا شکار ہوئی تھی۔وہ شکل وصورت کا برا نہیں تھا لیکن اس مضحکہ خیز حلیے میں وہ ہینڈسم تو نہیں لگ سکتا تھا مہر نے اسی وقت طے کرلیا کہ اگلا فوکس اس کی ڈریسنگ پر کرنا ہے اور اسے قائل کرکے کسی بھی طرح انسانی حلیے میں لانا ہے۔وہ اب اس کے لیے ایک چیلنج کی صورت اختیار کرگیا تھا۔وہ اس کے ساتھ بمشکل آدھا گھنٹہ بیٹھی پھر کام کا بہانہ بنا کر اسے رخصت کیا۔اس روز اس نے اپنا اسٹیٹس اپ ڈیٹ کیا تھا۔

”فائنلی ٹوڈے آئی سو مائی مون“ اور مہر اس کا فریش اسٹیٹس پڑھ کر مسکرا دی تھی۔

جیسے مطالعے کے عادی لوگ روز سونے سے پہلے کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھتے ہیں، ایسے وہ دونوں پرانی یادوں کے قاری تھے اور روز سونے سے پہلے کوئی نہ کوئی یاد دہرائے بنا دونوں کو نیند نہیں آتی تھی۔

❀......❀......❀

منصور فاروق گویا ان کی فیملی کے لیے آزمائش کے طور پر پیدا ہوا تھا۔اس سے متعلق ہر معاملہ مسئلہ بن جایا کرتا تھا۔پہلے تو چار برس کی عمر تک اس نے دودھ کے سوا کسی شے کو منہ نہ لگایا پھر جب مہر پیدا ہوئی تب تک وہ خوراک کی طرف تو راغب ہوگیا تھا لیکن جب سب کو مہر

سے لاڈ کرتا دیکھتا حسد کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیتا، کبھی چیزوں میں کیڑے نکالتا، یہ نہیں کھانا وہ نہیں کھانا، دادی اس کی فرمائشیں پوری کرنے کی کوشش کرتیں لیکن وہ تو ماں کو تنگ کرنا چاہتا تھا......حتیٰ کہ تنگ آکر سمیعہ کی ساس نے مہر کو سنبھالنا شروع کردیا اور سمیعہ ایک بار پھر انوکھے لاڈلے کے لاڈ اٹھانے میں جت گئیں۔ایسا کرنے سے منصور مزید ہٹ دھر اور مغرور ہوگیا تھا۔اسے لگا دنیا کی ہر شے پر بس اسی کا حق ہے۔پھر اسکول میں داخلے کا مرحلہ بھی کٹھن ثابت ہوا۔وہ اسکول نہیں جانا چاہتا تھا، یہاں فاروق صاحب نے سختی دکھائی اور پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا، تب وہ اسکول جانے پر رضامند تو ہوگیا لیکن پڑھائی میں اس کی توجہ نہ ہونے کے برابر تھی......وہ گویا تہیہ کرکے دنیا میں آیا تھا کہ ماں باپ کو سکون کا سانس لینے نہیں دینا۔شروع شروع میں سمیعہ نے خود اسے پڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس قدر عاجز کردیتا کہ فاروق صاحب نے مجبوراً ٹیوٹر لگوادیا۔ٹیوٹر کا بھی اس نے ناک میں دم کردیا لیکن بس اتنا ہوا کہ وہ کلاس پاس کرنے لگا فیل ہونے سے بچ جاتا تھا۔

دوسری طرف مہر ان کے لیے نعمت ثابت ہوئی تھی۔وہ اس قدر صابر، شاکر اور سلجھی ہوئی بچی تھی کہ اسے دیکھتے ہی دل خوشی سے بھر جاتا......وہ اسکول جانا شروع ہوئی تو پہلے دن سے اپنے ہوم ورک کی ذمہ داری خود ہی سنبھالی......سمیعہ کا سارا وقت بس منصور ہی کے ساتھ گزرتا، یوں جیسے بس وہ ہی ان کی اولاد ہو......مہر کلاس میں بھی دھیان سے پڑھتی اسی لیے اسے ہوم ورک میں بھی کبھی مسئلہ نہ ہوا، وہ ہمیشہ پوزیشن لیتی......منصور رو پیٹ کر جب میٹرک تک پہنچا تب اس کے مزاج میں قدرے سنجیدگی آئی اور اس کی بڑی وجہ اس کے اسکول میں مقابلے بازی کی کڑی فضا تھی۔وہ جو گھر میں شہزادہ تھا اسے اسکول میں زیرو سے بھی نیچے سمجھا جاتا اور یہی چیز آخر اسے سدھارنے کا سبب بنی تھی۔پڑھائی کے حوالے سے پھر وہ اس قدر سنجیدہ ہوا کہ پڑھائی مکمل ہوجانے تک اس نے شاندار کارکردگی دکھائی جس کے نتیجے میں پڑھائی مکمل ہوتے ہی اسے ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر نوکری بھی مل گئی۔

اگر فاروق صاحب اور سمیعہ بیگم یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب وہ سنجیدہ اور ذمہ دار ہوگیا ہے تو یہ ان کی خام خیالی تھی جب اس کی شادی کے حوالے سے بات چیت کا آغاز ہوا تو اس نے صاف صاف لفظوں میں اپنی پسند سے آگاہ کرکے انہیں لڑکی تلاش کرنے کی زحمت سے روک دیا۔سمیعہ بیگم اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔ہر صورت بس منصور خوش رہے۔یہی سوچ کر وہ رشتہ لے کر ربیعہ کے گھر چلی گئیں لیکن اس کا گھر بار اور اطوار دیکھ کر انہیں بری طرح دھچکا لگا۔وہ ایک مالدار گھرانے کی انتہائی ماڈرن لڑکی تھی......جو بالکل بھی گھریلو نہیں تھی اور حیا تو اس میں نام کو بھی نہ تھی۔کئی دن تک اس بات پر بحث چلتی رہی لیکن انہیں بالآخر منصور ہی کی ماننی پڑی تھی۔رشتہ طے ہوجانے کے بعد شادی تک ربیعہ نے بھی ٹھیک اسی طرح انہیں ناکوں چنے چبوائے جیسے منصور نے بچپن سے ان کے ساتھ کیا تھا۔اسے منگنی پر ان کے دیئے ملبوسات پسند نہیں آئے تھے۔وہ اس نے انتہائی نخوت سے مہر کو دے دیئے۔بری کی تیاری کا وقت آیا تو اس نے بے باکی سے کیش کی ڈیمانڈ کردی۔

”آنٹی آپ کی اور میری چوائس میں زمین آسمان کا فرق ہے، یا تو آپ بری بنانے کا تکلف ہی نہ کریں یا پھر کیش مجھے دے دیں میں ہر چیز اپنی پسند سے لوں گی۔“

سمیعہ بیگم منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئیں اور پھر منصور نے نہایت ہٹ دھرمی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نا صرف رقم فاروق صاحب سے لے کر ربیعہ کو دی بلکہ خود اس کے ساتھ جاکر بری کی شاپنگ کی اور جتنے میں سمیعہ بیگم پندرہ سوٹ لے لیتیں، ربیعہ بی بی محض پانچ سوٹ لے کر ان کا بی پی ہائی کرگئیں۔یہیں پر بس نہیں ہوئی، وہ سب ملبوسات دیکھ کر تو سمیعہ بیگم کو بخار چڑھ گیا اور مہر شرم سے پانی پانی ہوگئی۔منصور ان کے کون سے گناہ کی سزا تھا،

فاروق صاحب سوچ سوچ کر تھک جاتے لیکن سمجھ نہ پاتے...... برائیڈل ڈریسز بھی اسی قسم کے تھے اور پھر جب وہ رخصت ہوکر گھر آ گئی تو یہ واہیات شوروز گھر میں چلنے لگا...... فاروق صاحب زمین سے نظریں نہ اٹھاتے اور مہر کمرے سے ہی باہر نہ نکلتی پھر وہ ہوگیا جس کے نہ ہونے پر اب تک انہیں تعجب ہی تھا۔ ربیعہ جیسی لڑکی آخر رخصت ہوکر سسرال میں رہنے پر کیسے تیار ہوئی...... انہیں یہی حیرت تھی جو محض ایک ہفتے بعد ہی دور ہوگئی جب اس کے گھر والوں نے شادی کی دعوت رکھی اور اس میں ایک فرنشڈ اپارٹمنٹ کی چابیاں منصور کو تھما کر اس میں شفٹ ہوجانے کا حکم دیا۔

ماں باپ سے پوچھنا تو درکنار بتانے کا تکلف بھی کیے بنا منصور نے بیوی کے ساتھ مل کر سامان سمیٹا اور گھر چھوڑا تب گزرے تمام سالوں میں پہلی بار سمیعہ بیگم کے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ایسا تڑپ کر روئیں کہ مہر کو انہیں سنبھالنا محال ہوگیا۔ ان کا بی پی اس قدر ہائی ہوگیا کہ انہیں ہسپتال داخل کرنا پڑا۔ منصور بس چند گھڑی ملنے آیا اور پھر چلا گیا' ربیعہ نے اتنا تکلف بھی نہ کیا۔ سمیعہ بیگم ایک ہفتہ ہسپتال میں گزار کر گھر آ گئیں لیکن منصور پھر نہ آیا تھا۔

"حیرت ہوتی ہے ان عورتوں پر جو مشکل مشکل وظائف کر کے اللہ سے بیٹا مانگتی ہیں۔" کئی دن کے بعد سمیعہ بیگم بولیں تو بس یہ ایک جملہ...... مہر کا دل کٹ کر رہ گیا تھا' منصور کی پیدائش اور بچپن کے واقعات کی تو اسے خبر نہ تھی لیکن اس کے سامنے جتنے حالات وواقعات رہے ان پر ہی بھائی کی ایسی طوطا چشمی نے مہر کا دل بری طرح دکھایا' اس کا دل کٹتا تھا جب جب وہ ماں کو روتا دیکھتی تھی۔ یہ وہ ماں تھی جس نے خود پر موت جھیل کر اس بیٹے کو زندگی بخشی تھی' جس نے دنیا میں آ کر ماں کو ایک پل بھی سکون کا نہ دیا تھا۔ سمیعہ بیگم اکثر روتیں اور فاروق صاحب سے کہتیں۔

"کیا ہم نے زندگی میں کبھی کسی کو کوئی ایسا دکھ دیا تھا جو ہمارے ساتھ ایسا ہوا؟" فاروق صاحب مسکرا دیتے۔

"ضروری تو نہیں کہ ہم پر پڑنے والی ہر مشکل مکافات عمل ہی ہو۔ میری ماں اس حال میں فوت ہوئی کہ وہ تم سمیت اپنی باقی بہوؤں سے بھی دل سے راضی تھی۔ میری ماں کو کسی سے کوئی شکوہ تھا نہ ناراضی' تمہاری زندگی تو یوں بھی منصور نے اجیرن بنا رکھی تھی بھلا انہیں کیا تنگ کرتی۔ تمہارے میکے میں کوئی بھائی بھابی ہی نہیں جن کے حوالے سے کوئی ایسی سوچ لائی جاسکے کہ تم نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہو...... ہم بھائیوں کا بھی آپس میں جو تعلق ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں' اس لیے یہ ہمارے کسی برے عمل کی سزا ہے' یہ بات تم اپنے دماغ سے نکال دو۔ یہ آزمائش بھی تو ہو سکتی ہے۔" بے تحاشا چاہنے والے رفیق سفر کے یہ الفاظ ان کے لیے سکون کا باعث بنے اور اس کے بعد انہوں نے شکوے کرنا چھوڑ کر راضی برضا رہنا سیکھ لیا۔

منصور بیوی کے ساتھ ایسا رخصت ہوا کہ مہینوں پلٹ کر نہ دیکھتا' تب سمیعہ بیگم نے اس کا یہ حل نکالا کہ ہر ویک اینڈ پر ان دونوں کو دعوت پر بلا لیتیں۔ دو تین بار وہ دونوں آ گئے لیکن اس کے بعد ربیعہ نے آنے سے انکار کردیا اور اس سے اگلی بار منصور نے بھی انکار کردیا۔ سمیعہ بیگم نے ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اس بات پر صبر کرلیا کہ اللہ نے انہیں شاید بیٹا دیا ہی نہیں تھا اور وہ ایک اکلوتی بیٹی کے والدین بن کر جینے لگے۔ منصور دو چار ماہ بعد کچھ دیر آ کر مل جاتا اور بس...... اس کی زندگی میں کیا چل رہا تھا انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ یوں ہی دن گزرتے رہے اور غیروں کی طرح انہیں پوتے کی پیدائش کی خبر بھی مل گئی۔ پوتا کسی غیر کی طرح دور دور ہی رہا اور پلتا رہا۔ بالآخر منصور کی زندگی میں وہ طوفان در آیا جس نے اسے اپنے والدین کی ساری قربانیاں اور مشکلات اچھی طرح یاد کروا دیں۔

❀......❀......❀

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے

شعر پڑھنے لگے' گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی
اب تو جب دیکھیے مسکرانے لگے

یہ غزل اسے بے حد پسند تھی کیونکہ یہ اسے اس کا سہانا ماضی یاد دلا دیتی تھی۔ زوار جب تک مہر سے روبرو نہیں ملا تھا' اندر سے بدل رہا تھا' جب روبرو ملاقات ہوئی تو وہ سرتاپا بدل گیا۔ جن کو کچھ معلوم نہ تھا انہیں شک ہونے لگا اور جو شک میں مبتلا تھے ان کا شک یقین میں بدل گیا کہ ہو نہ ہو زوار کو "کوئی مل گیا" ہے۔ جس روز روبرو ملاقات ہوئی تب تو مہر نے کچھ نہ کہا لیکن چند روز بعد فون پر نرمی سے سمجھایا تھا۔

"تم نے اپنے مزاج میں بہت تبدیلی پیدا کی ہے مجھے اس چیز سے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے' اب میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی ڈریسنگ پر بھی تھوڑی توجہ دو۔" زوار کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ جب آپ کو کوئی اچھا لگنے لگے تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ وہ بس آپ کی تعریفیں ہی کرے اور اگر وہ کوئی منفی بات کردے تو شرمندگی کی کوئی حد نہیں رہتی' کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی فرد ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے آگے وہ اپنی شخصیت کو ہمیشہ بہتر ظاہر کرتے رہنا چاہتا ہے۔ زوار اپنی اس کوشش میں اب تک کامیاب رہا تھا بس ایک اس چیز کا اسے خیال نہیں آیا تھا کہ مہر جیسی ڈیسنٹ لڑکی کو اس کی ڈریسنگ ناگوار گزر سکتی ہے۔

"میں چاہتی ہوں تمہاری ظاہری و باطنی شخصیت دونوں طرح سے مثالی بن جائے ہر کوئی تمہیں پسند کرے۔ تم یونیورسٹی اسٹوڈنٹ ہو اور تمہارا حلیہ اسی حساب سے ہونا چاہیے۔ تمہارا امپریشن ایک ڈیسنٹ' سلجھے ہوئے اور ذمہ دار لڑکے کے طور پر ہو۔ جیسی ڈریسنگ تم کرتے ہو یہ صرف کم عمر لاابالی لڑکوں کی پسند ہے' تمہیں ویسا بننا ہے جیسا ساری دنیا پسند کرتی ہے اور مثال دیتی ہے اور تم بن سکتے ہو صرف تھوڑی سی توجہ سے۔" اس دن زوار نے اپنے سارے اول جلول کپڑے اٹھا کر سوٹ کیس میں لاک کردیے۔ نئی شاپنگ کی' ڈیسنٹ سا ہیئر کٹ کروایا اور خود کو آئینے میں دیکھا تو خوشگوار سا احساس دل میں جاگا۔

ہم کو لوگوں سے ملنے کا کب شوق تھا
محفل آرائی کا کب ہمیں ذوق تھا
آپ کے واسطے ہم نے یہ بھی کیا
ملنے جلنے لگے' آنے جانے لگے

وہ غزل کی دھن کے ساتھ ساتھ پیر ہلا رہا تھا۔ آفس سے آ کر ستانے لیٹا تو پلیئر آن کرلیا۔ کافی عرصہ پہلے کی یہ غزل سیٹ تھی۔ اس کا موڈ یک دم خوشگوار ہوگیا۔ اسے یاد آیا اگلی ملاقات پر وہ بہترین ڈریسنگ کر کے گیا تھا۔ فان کلر کی ڈریس پینٹ پر بلیک ڈریس شرٹ پہنے سلیقے سے بال سیٹ کیے نظر کی گلاسز لگائے وہ واقعی ڈیسنٹ لگ رہا تھا' تب اسے بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ڈیٹ پر جا رہا ہو۔ یہ بات وہ مہر سے کہتا تو وہ اس کا سر پھاڑ دیتی...... اس روز اسے دیکھتے ہی وہ بھرپور انداز میں مسکرائی تھی اور گویا اسے سرٹیفکیٹ مل گیا تھا لیکن شام میں فون پر بات کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کا ڈوب مرنے کو دل چاہا جب مہر نے سرسری لہجہ اپناتے ہوئے پوچھا۔

"تم اپنے فیس پر کوئی کریم لگاتے ہو کیا؟"

"آں...... ہاں...... وہ نہیں...... لگاتا تو نہیں بس آج لگائی' کیا واضح پتا چل رہا تھا؟" وہ بری طرح ہکلایا تھا۔

"ہاں شاید تم نے کچھ زیادہ ہی لگا لی تھی لیکن اتنی گرمی میں کریم کی بھلا کیا ضرورت؟" مہر کا انداز سادہ ہی تھا لیکن وہ پانی پانی ہوگیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو کچھ بولنے پر آمادہ کیا تھا۔

"یار اب دیکھو ناں...... تم تو اتنی فیئر ہو...... میں تو کالا سا ہوں تمہارے سامنے اچھا نہیں لگتا...... اس لیے......"

"واٹ دا ہیل......" مہر بری طرح بھڑکی' پہلی بار وہ تحمل برقرار نہیں رکھ پائی تھی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے

اپنے اشتعال پر قابو پایا اور بولی۔

''زوار' کالا' گورا کچھ نہیں ہوتا' اپنی ذات پر اعتماد کرنا سیکھو' کالا یا سانولا ہونا گناہ نہیں' نہ ہی یہ تمہارے اختیار کی چیز ہے۔ تمہیں اللہ نے ایسا بنانا پسند کیا تو کیا تم اس پر اللہ سے لڑو گے؟'' وہ پھر شرمندہ ہو گیا تھا۔

''تم کہتے ہو تم اپنے پاپا پر ہو' کیا وہ تمہیں برے لگتے ہیں؟ اپنے چہرے پر نکھار اپنی سوچوں اور اعمال سے لاؤ' یہ کام کریمز کے بس کا نہیں۔ انسان کے چہرے پر اس کی اپنی سوچ کا عکس جھلکتا ہے۔'' وہ اس کے الفاظ کے سحر میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے الفاظ کا سحر آج بھی اسے اپنے گرد حصار کی صورت محسوس ہوتا تھا۔

''جتنی خوب صورت انسان کی سوچ ہو گی اتنا ہی اس کا چہرہ خوب صورت لگے گا۔ رنگت خواہ گہری سیاہ ہی کیوں نہ ہو۔''

ہم نے جب آپ کی دیکھیں دلچسپیاں
آ گئیں چند ہم میں بھی تبدیلیاں
اک مصور سے ہو گئی دوستی
اور غزلیں بھی سننے سنانے لگے

وہ اداسی سے مسکرا دیا۔ اب لوگ واقعی اس کی پرسنالٹی اور گریس کی تعریف کرتے تھے۔ وہ مکمل طور پر بدل گیا تھا لیکن مہر کے سامنے وہ ہمیشہ خود کو اس سے چند قدم پیچھے ہی سمجھتا تھا۔ پہلے اس کی وجہ احساس کمتری تھی بعد میں وہ اسے عزت و عقیدت دینے کی وجہ سے خود کو اس سے کم تر درجے پر رکھتا تھا۔

وہ خود کوئی اپسرا نہیں تھی۔ حور پری نہیں تھی لیکن وہ خوب صورت تھی' پہننے اوڑھنے' اٹھنے بیٹھنے میں باوقار تھی۔ چار لوگوں کے بیچ بیٹھتی تو نمایاں اور ممتاز لگا کرتی۔ اس کی شخصیت میں انجانی سی کشش تھی۔ مہر کے مشوروں پر چلنے' اس کی سوچ اپنا کر خود کو بدلنے کے عمل میں وہی کشش اس کی پرسنالٹی میں بھی پیدا ہو گئی تھی لیکن وہ بے خبر تھا...... اس کے والدین، دوست' رشتہ دار' اساتذہ سب دیکھ رہے تھے کہ وہ بدل رہا ہے لیکن اس بدلاؤ کے پیچھے کارفرما عوامل سے سب بے خبر تھے۔ پھر ایک روز ایک عجیب سی بات ہوئی۔ مارکیٹنگ کے سر وجاہت نے لیکچر کے بعد معمول کی گپ شپ لگاتے ہوئے یک دم رخ زوار کی طرف موڑا اور بولے۔

''وہ مثل مشہور ہے ناں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو زوار جلیل احمد' کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کی پرسنالٹی کے ڈرامیٹک چینجز کے پیچھے بھی کیا کوئی ایسی ہی شخصیت ہے؟'' پوری کلاس میں شور مچ گیا تھا۔

''اوہ...... یس یس زوار...... بتاؤ بتاؤ...... ہری اپ کم آن......'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا پھر پورے اعتماد سے گردن اٹھا کر بولا۔

''یس سر...... بالکل ایسا ہی ہے۔'' بس پھر کیا تھا' پوری کلاس نے ہوٹنگ کر کے زمین آسمان ایک کر دیا...... سر وجاہت مسکراتے رہے پھر شور ذرا تھما تو بولے۔

''اس ونڈر فل لیڈی کو میرا اسلام کہنا۔'' اور کلاس میں ایک بار پھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سر کے کلاس سے باہر نکلتے ہی سب نے زوار کو گھیرے میں لے لیا پھر پورے ڈیپارٹمنٹ میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ زوار جلیل احمد کو کسی سے محبت ہو گئی ہے۔

جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے
تیرے میرے ابد کا کنارا ہے یہ
استعارہ ہے یہ
روپ کا داؤ ہے
پیار کا گھاؤ ہے
جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

پلییر پر گیت بدل گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دیا تھا یہ اس کی اپنی بنائی ہوئی سی ڈی تھی جس میں تمام گیت اس کے پسندیدہ تھے اور اس کی ایک کاپی بنا کر اس نے مہر کو بھی دی تھی۔ مہر کو بھی اس کی کلیکشن پسند آئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب اس کے دل پر دھیرے دھیرے محبت انکشاف کی صورت وارد ہو رہا تھا۔ محبت نے اسے بڑی خوب

صورتی سے سنوارا تھا۔ اس کے اعتماد میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ اعتماد جو اسے اس کے والدین نہیں دے پائے تھے وہ مہر کی توجہ نے بخشا تھا۔ مہر خود بھی اس سے کافی بے تکلف ہو گئی تھی اور اپنی باتیں بھی شیئر کرنے لگی تھی' اس پر اعتماد کرنے لگی تھی لیکن اصل مسئلہ تھا کہ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کیسے کرتا؟

وہ اسے بارہا ایسے قصے سنا چکی تھی جن کا لب لباب یہ تھا کہ وہ ایک ''اینٹی لو'' قسم کی لڑکی تھی' ایسی باتوں کو سخت ناپسند کرتی تھی اور محبت کا اظہار کرنے والے ہر لڑکے کی وہ بری طرح درگت بنا دیا کرتی تھی۔ وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ اسے ایسے قصے کیوں سناتی تھی۔ صرف حفظ ماتقدم کے طور پر' وارننگ کے طور پر کیونکہ محبت نے مہر کے دل کو نہیں چھوا تھا اور زوار کو اس وقت تک خاموش ہی رہنا تھا جب تک وہ اس کے دل میں اپنی محبت جگانے میں کامیاب نہ ہو جاتا۔ اس کے لیے اسے بہت کٹھنائیاں جھیلنی تھیں وہ بخوبی واقف تھا لیکن وہ تیار تھا ہر طرح کے امتحان کے لیے۔

❁......❁......❁

خواب کیا کیا چنے' جال کیا کیا بنے
سوچ تھمتی نہیں' رنگ رکتے نہیں
وقت کے فرش پر خاک کے رقم پر
نقش جمتے نہیں' ابر جھکتے نہیں
ہر مسافت کی دوری کا سمٹاؤ ہے
جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

''میرے اور پاپا کے تعلقات کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو سکتے یار...... وہ ایک کے بعد ایک اعتراض نکالتے رہتے ہیں۔ اب میرے دوستوں میں بیٹھنے پر اعتراض ہے...... میرے دوست بھی تو دیر سے گھر جاتے ہیں' ان کے پیرنٹس تو انہیں کچھ نہیں کہتے۔'' اس روز پھر وہ بھرا بیٹھا تھا' مہر سے بات ہوئی تو دل کی بھڑاس نکالی' اس کے پاپا اب اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور ڈانٹ کا انداز بھی اب پہلے جیسا سختی بھرا نہیں رہا تھا لیکن انہیں اس کے دوستوں کی کمپنی پر اعتراض تھا اور اس کے تاخیر سے گھر آنے پر بھی انہوں نے شدید تنقید کی تھی جس پر وہ سیخ پا ہو گیا تھا۔

''دیکھو زوار' ہر انسان کے گھر کا ماحول اور ان کی ویلیوز الگ الگ ہوتی ہیں۔ تمہارے پیرنٹس تمہارے فرینڈز کے پیرنٹس کی اقدار اپنا لیں' یہ ممکن نہیں' ہر انسان دوسرے سے الگ ہوتا ہے' ہر کسی کا فیملی سیٹ اپ الگ ہوتا ہے۔ تم صرف یہ سوچو کہ تمہاری لسٹ میں ترجیحی بنیاد پر پہلے فیملی آتی ہے یا فرینڈز۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ...... چلو ہم فرض کرتے ہیں کہ لیٹ گھر آنے پر تمہارے پیرنٹس تمہیں گھر سے نکال دیتے ہیں...... تم اپنے دوستوں کے پاس جا کر ان سے مدد مانگتے ہو' تم یہ بات مجھ سے لکھوا لو کہ تمہارے فرینڈز اور ان کے والدین سب ہی تمہیں غلط کہیں گے' سب یہی کہیں گے کہ زوار تمہیں اپنے پیرنٹس کی مرضی کو مقدم رکھنا چاہیے تھا۔ دوستی بلاشبہ ایک خوب صورت اور اہم رشتہ ہے لیکن والدین اور دیگر گھر والوں کے بعد۔ تم اپنی ترجیحات ترتیب دو' فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ تم صرف یہ سوچو کہ والدین کی مان کر تمہیں کیا ملے گا اور دوستوں کی مان کر کیا ملے گا؟'' زوار نے ایک طویل گہری سانس خارج کی پھر ہنس کر بولا۔

''کیا چیز ہو یار تم؟''

''تمہارے جیسی ہی انسان ہوں۔'' اس کی آواز نے بتا دیا کہ وہ مسکرائی تھی۔

ہر روز وہ دونوں فون پر کئی گھنٹے باتیں کرتے لیکن وہ سیراب نہیں ہو پاتا تھا۔ ہر روز جب فون رکھنے لگتا تو اسے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے وہ کوئی اہم چیز کہیں رکھ کر بھول رہا ہو۔ جیسے اس کی کوئی اہم چیز کھو گئی ہو...... ایک عجیب سا خالی پن اس کے اندر تک در آتا۔ اس کا فون بند کرنے کو دل ہی نہ کرتا۔ وہ بری طرح اس کا اسیر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جو کہتی وہ جھٹ سے مان لیتا...... وہ اس کی کسی بھی بات

سے کبھی انحراف کر ہی نہیں پاتا تھا۔

رات گہری ہو رہی تھی اور وہ اس رات بھی معمول کے مطابق بالکونی میں کھڑا پرانی یادیں کھنگال رہا تھا۔ ماضی کا سفر تھا ہی اتنا خوب صورت کہ نہ اسے بوریت کا احساس ہوتا تھا نہ تھکن کا۔ دھیرے دھیرے تمام گھر تاریکی میں ڈوب گئے‘ چوکیدار ڈیوٹی پر آ گیا‘ تاریکی اور خاموشی کے پردے کو جھینگروں کی آوازوں نے توڑا‘ تب وہ بالکونی کا دروازہ بند کر کے کمرے میں آ گیا...... نیند ابھی اس پر مہربان نہیں ہوئی تھی سو وہ یونہی بیڈ پر لیٹ گیا اور کمرے کی چھت کے ڈیزائن کو خالی الذہنی کے عالم میں دیکھنے لگا۔ چھت کے ڈیزائن بنتے بگڑتے مناظر بدلنے لگے اور ماضی کے منظر پھر سے ابھرنے لگے تھے۔

مہر سے بات کرنے کے بعد اس رات سے اس نے دوستوں کی لیٹ نائٹ محفل ترک کر دی...... پاپا نے اس کے اس اقدام پر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور خوشی کے اظہار کا یہ طریقہ اپنایا کہ اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کر دیر تک ایک ایکشن موویی دیکھی...... اسے خود ان کے ساتھ وقت گزار کر جو خوشی اور طمانیت حاصل ہوئی وہ بیان سے باہر تھی اس روز اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے پاپا بھی کتنے تنہا تھے۔ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر...... بس یہی ان کی زندگی تھی‘ نہ کوئی دوست نہ کوئی اور مصروفیت۔ اس رات انہوں نے اس کے وجود میں دوست کی جھلک دیکھی...... ایک باپ اپنی اولاد میں بیٹا اسی لیے مانگتا ہے کہ جب وہ جوان ہو جائے تو باپ کا دوست‘ غم گسار اور راز داں بن سکے۔ زوار کو پہلی بار احساس ہوا تھا۔ رات بارہ بجے انہوں نے ریسٹورنٹ سے پزا اور کولڈ ڈرنک آرڈر کیے اور ماما کو بھی زبردستی اٹھا کر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ انہیں نہ تو موویز سے کوئی دلچسپی تھی نہ پزا سے لیکن شوہر اور بیٹے کو دوستانہ ماحول میں دیکھ کر خوشی ضرور ہوئی تھی۔

اس روز اس نے خود سے اعتراف کیا کہ اسے دوستوں کی گیدرنگ سے زیادہ اپنے پاپا کی کمپنی میں مزہ آیا تھا۔ اگلے روز اسے یہ جان کر مزید حیرت ہوئی کہ اس کے دوستوں کو اس کی غیر موجودگی سے چنداں فرق نہیں پڑا تھا لیکن اس کے پیرنٹس کو اس کی موجودگی سے بہت فرق پڑا تھا۔ اسے مہر کی بات یاد آئی۔

”تم صرف یہ سوچو کہ والدین کی مان کر تمہیں کیا ملے گا اور دوستوں کی مان کر کیا ملے گا۔“ اور اس نے جان لیا تھا کہ اسے کیا ملا تھا۔ وہ دونوں اس سے خوش رہنے لگے‘ ان کے چہروں پر سکون چھا گیا تھا اور ایک اس کے بدلنے سے ان کے آپس کے تعلقات میں موجود دیواریں بھی ایک ایک کر کے گرنے لگی تھیں۔ پاپا بہت سے معاملات میں پہلے کی طرح بھڑکنے کی بجائے قدرے تحمل کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ وہ روز تو اس کے ساتھ لیٹ نائٹ جاگنے کا پروگرام نہیں رکھ سکتے تھے سو انہوں نے نئی پلاننگ کی‘ ہر ویک اینڈ پر لنچ میں ماما کوئی اسپیشل ڈشز پکاتیں اور شام میں وہ لوگ آؤٹنگ پر نکل جاتے‘ ڈنر باہر کرتے پھر گھر آ کر کوئی کلاسک موویی دیکھتے ہوئے رات دیر تک گپ شپ کرتے کافی پیتے اور ہزاروں باتیں شیئر کرتے‘ زندگی ان دنوں خوب صورت ترین ہوتی جا رہی تھی‘ مہر کتنا صحیح کہتی تھی۔

”محبت فاتح عالم“

پھر ان ہی دنوں ماما کو شک ہو گیا کہ وہ کہیں انوالو ہو گیا ہے۔ انہوں نے ایک بار اسے فون پر بات کرتے سن لیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے تھوڑی سی مزید جاسوسی کی تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ واقعی کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا۔ انہوں نے اس سے باز پرس نہیں کی تھی لیکن اس نے خود ایک بار انہیں باتیں سننے کے لیے کھڑا دیکھ لیا تھا۔ وہ منتظر رہنے لگا کہ وہ کب اس سے سوال کریں لیکن انہوں نے کچھ نہ پوچھا بلکہ اس کے برعکس وہ بجھی بجھی نظر آنے لگیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ مناسب موقع دیکھ کر وہ خود انہیں بتا دے گا۔ اسے احساس ہوا کہ شاید ماما اس کی تبدیلیوں کی وجہ اس کے افیئر کو قرار دیں گی‘ وہ یہی سوچ رہی ہوں گی کہ وہ اس وجہ سے ماما پاپا کی بات ماننے

لگا ہے تا کہ کل ان سے اپنی بات منوا سکے اور حقیقت بھی یہی تھی‘ وہ اسی سوچ کی وجہ سے بجھ گئی تھیں...... اصلیت جانے بنا محض اپنے مفروضے پر انہوں نے بیٹے سے بدگمانی پال لی تھی۔

❀......❀......❀

منصور کا بیٹا فواد چھ ماہ کا ہوا تو اس کے خدوخال میں عجیب و غریب تبدیلیاں رونما ہونے لگیں‘ اس کا سر بے حد چھوٹا رہ گیا اور وجود بڑھنے لگا‘ چہرے کی ساخت اور نقوش میں عجیب سے تغیرات آنے لگے جو اسے ابنارمل ظاہر کرتے...... تب ان پر انکشاف ہوا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ وہ سال کا ہوا تو اس کی حرکتیں جانوروں جیسی ہو گئیں‘ وہ اس قدر ناقابل برداشت ہو گیا کہ وہ دونوں کہیں آنے جانے کے نہ رہے۔ اسے دورہ پڑتا تو وہ سارے گھر کا سامان توڑتا دیواروں پر ٹکریں مارتا‘ ہذیانی چیخیں مارتا اور وہ دونوں بری طرح خوف زدہ ہو جاتے۔ اس کے سال بھر کا ہو جانے تک انہوں نے فاروق صاحب اور سمیعہ بیگم کو بھی بے خبر رکھا لیکن کب تک‘ جب بات کھلی تو سارے میں پھیلی اور ان ہی دنوں ایک اور انکشاف ہوا‘ اس کی دیکھ بھال اور پریشانی میں غلطاں ربیعہ کو احساس ہی نہ ہوا کہ وہ دوسری مرتبہ امید سے ہو گئی ہے۔ خدشات نے اسے بوجھل کر دیا لیکن اس کی میڈیکل کنڈیشن ابارشن کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یہ صدمہ دونوں کے خاندانوں کے لیے بہت بڑا تھا۔ منصور اور ربیعہ نے فواد کے لیے میڈ رکھی لیکن کوئی بھی میڈ زیادہ دن نہ ٹکتی...... بالآخر ایک عورت خاصے بھاری معاوضے پر اس کام کے لیے راضی ہوئی...... ڈاکٹروں کے مطابق یہ پیدائشی ابنارملٹی تھی اور لاعلاج تھی۔ انہیں برداشت کرنا ہی تھا۔

فواد کے بعد اللہ نے انہیں دوسرا بیٹا دیا اور چھ ماہ بعد وہ بھی اسی ابنارملٹی کا شکار بنا۔ تب پہلی بار صحیح معنوں میں منصور کو اپنے ماں باپ کے جذبات کا احساس ہوا۔ اس نے رو رو کر ماں باپ سے معافیاں مانگیں‘ ربیعہ بھی شرمندہ نظر آئی۔ اس کا بھی رو رو کر برا حال تھا۔ مہر بھی شدید غمزدہ تھی۔ اس نے بھی چند روز کوشش کی کہ بھابی کے ساتھ مل کر بچوں کو سنبھال سکے لیکن ایسے وحشی بچوں کی دیکھ بھال ہرگز بھی آسان نہ تھی۔ وہ لوگ صرف دعا ہی کر سکتے تھے۔ منصور کو رہ رہ کر یہ احساس ستاتا تھا کہ اس نے ماں باپ کا دل دکھایا ہے جس کی وجہ سے اسے اللہ نے اولاد دے کر بھی محروم رکھا۔ ان دونوں کا بلڈ ٹیسٹ ہوا جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ ان کے ہاں بیٹے اسی بیماری کا شکار ہوں گے البتہ بیٹیاں مکمل صحت مند رہیں گی۔ اس بات کی گارنٹی تو کسی کے بھی پاس نہیں ہوتی کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی...... سو ڈاکٹر نے انہیں مزید اولاد کے بارے میں سوچنے سے ہی منع کر دیا اور ان کی سزا دائمی ہو گئی تھی۔

❀......❀......❀

عرصہ بیتا‘ زندگی بیتی‘ سب کچھ بیتا لیکن پھر بھی
جو عشق میں بیتی‘ عشق ہی جانے‘ یا وہ جانے‘ جس پر بیتی

عشق میں سب سے زیادہ کڑی تو مہر فاروق پر بیتی تھی کیونکہ وہ اس قسم کی محبتوں کے شدید خلاف تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کے چکر میں انوالو ہو سکتی ہے۔ وہ بھی زوار جیسے لڑکے کے ساتھ‘ جو کسی بھی طرح اس کے آئیڈیل سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ ویسے بھی اس نے کبھی اپنی پسند سے شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک زوار کی محبت نے اس کے دل میں پنجے نہیں گاڑے تب تک وہ اسے جھٹلاتی ہی رہی۔ وہ یہی کہتی رہی کہ یہ صرف دوستی ہے اور بہت زیادہ رابطے میں رہنے کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے کی عادت ہو گئی ہے۔ اسے محبت نہیں کہا جا سکتا...... وہ نہیں جانتی تھی کہ عادت ہی محبت کا دروازہ کھولتی ہے۔

وہ بے شک آئیڈیل خوبیوں کا مالک نہیں تھا لیکن مہر لاشعوری اور غیر ارادی طور پر اسے ان ہی خوبیوں کے قالب میں ڈھالتی چلی گئی جو اس کے لاشعور میں کسی بھی

آئیڈیل مرد کے حوالے سے تھیں۔ اس نے یہ بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی تھراپی ٹائپ مشغلے میں انوالو ہوجائے گی بلکہ اب تو کچھ عرصے سے وہ لڑکوں سے ہی الرجک ہوتی جارہی تھی کیونکہ جو لڑکا بھی اس سے ملتا' چار ملاقاتوں کے بعد اظہار محبت کردیتا تھا۔ یہ چیز اسے بری طرح غصہ دلا دیتی تھی اور وہ اس لڑکے کی شامت بلا لیتی' کئی لڑکوں کو وہ باقاعدہ مار بھی چکی تھی۔

کچھ ایسے بھی تھے جن سے بڑی شائستگی سے ان کے گھر کا نمبر لیا اور بعد میں گھر کال کرکے ان کی تمام حرکتیں چار سے ضرب دے کر ان کے والدین کے آگے بیان کرکے پُرسکون ہوگئی تھی۔ وہ میل کلر اور اینٹی لو سلطانہ ڈاکو اور نجانے ایسے کتنے ہی ناموں سے مشہور تھی۔ ماسٹرز کے لیے جب ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن لیا تو وہاں بھی اپنا یہی امیج برقرار رکھا' چند دنوں میں ہی کئی لڑکوں کو چیئرمین آفس میں لے جاکر کمپلین کروادی جس کے بعد سب لڑکوں نے اس کی جانب دیکھنے سے بھی توبہ کرلی تھی۔ تب اسے سکون ہوا۔ پُرسکون طریقے سے پڑھائی کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ وہ انتہائی تنفر سے باآواز بلند اپنے ان نادر خیالات کا اظہار کھلم کھلا کرتی تھی۔

"آج کل کے لڑکوں کو پتا نہیں کیا ہوگیا ہے' ذرا کہیں اچھی شکل دیکھی نہیں کہ فوراً گھائل ہوگئے' چار دن بعد اس سے اچھی شکل نظر آئی تو اینٹینا وہاں گھوم جاتا ہے۔ یہی چیز ان کے مینٹل لیول کا پتا دیتی ہے اور مجھے ایسے کسی بھی للو پنجو سے شادی تو دور سلام دعا بھی نہیں رکھنی' جس کی سوچ کا معیار اتنا سطحی ہو۔"

کچھ لڑکیاں اسے مغرور اور بد دماغ کہتی تھیں جو اتنے محبت بھرے دل اتنی بے دردی سے کچل دیتی تھی۔ کچھ لڑکیاں اسے صحیح سمجھتی تھیں لیکن وہ مہر فاروق اپنے نام کی ایک ہی تھی' کسی کی پروا کم ہی کرتی تھی' ایسے میں جب کبھی کبھار زوار نے اس سے ملنے ڈیپارٹمنٹ آنا شروع کیا تو سب ہی لڑکے لڑکیوں کو شدید ترین حیرت اور تجسس نے آ گھیرا کہ آخر یہ کون خوش قسمت لڑکا ہے' جس کے ساتھ مہر ماتھے پر شکن لائے بنا' مسکراتے چہرے کے ساتھ اتنا وقت گزارتی ہے بلکہ ان دونوں کے بیچ اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ بھی نظر آتی تھی۔ ایک لڑکے نے اپنے کزن کے ذریعے زوار کے بارے میں معلومات بھی کروائی تو یہ باتیں سامنے آئیں کہ وہ آئی ایم ایس سے ایم بی اے کررہا تھا اور ڈیپارٹمنٹ میں اس کے حوالے سے یہ بات مشہور تھی کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ انوالو بھی تھا لیکن لڑکی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا...... اس معلومات سے یہ شک واضح ہورہا تھا کہ وہ لڑکی مہر ہی ہے لیکن اس معاملے میں مزید گھسنا کوئی بھی افورڈ نہیں کرسکتا تھا کہ مہر کے زیر عتاب آجانے کا شدید خدشہ تھا۔ سو تمام لڑکے ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر آہیں بھرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے اور وہ دونوں یکسر بے خبر تھے۔

پھر ایک روز ایک انوکھا واقعہ ہوا' کلاس کا سب سے ذہین اور شریف لڑکا عمیر اس کے پاس آیا اور نہایت سنجیدگی سے اسے پرپوز کردیا۔

"مہر میں جانتا ہوں آپ کو لو افیئر سے نفرت ہے اور آپ ایسے کسی تعلق پر یقین نہیں رکھتیں۔ میری سوچ بھی ایسی ہی ہے' میں خود ان فضولیات کے خلاف ہوں...... آپ کی سوچ' شرافت اور وقار سے متاثر ہوں اس لیے سیدھے سبھاؤ شریفانہ طریقے سے آپ کے گھر رشتہ بھجوانا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو بصورت دیگر آپ کو پورا اختیار ہے جو بھی جواب دیں۔" مہر کو غصہ تو آیا لیکن چونکہ عمیر واقعی ایک سنجیدہ اور باوقار لڑکا تھا اس لیے وہ ضبط کرگئی اور تحمل سے بولی۔

"دیکھیں عمیر یہ درسگاہ ہے' ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں' اپنے لیے بر تلاش کرنے نہیں۔ چلیں ٹھیک ہے آپ مجھ سے متاثر ہوئے' بہت اچھی بات ہے کہ آپ شریفانہ طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں لیکن پہلے ایک بات کا اطمینان ضرور کرلیں وہ یہ کہ کیا آپ کے گھر والے بھی اس شریفانہ طریقے کو اتنے ہی کھلے دل و دماغ سے قبول کرلیں گے جیسا آپ اسے پلان کررہے ہیں؟ کیا

گارنٹی ہے کہ کل کو آپ کے گھر والے یا رشتے دار ہمارے کلاس فیلو ہونے کو میرے لیے عمر بھر کا طعنہ نہیں بنائیں گے؟ جذبات میں دور تک نہ جائیں بلکہ عقل سے دور کی سوچیں۔ پہلے اپنے گھر والوں سے بات کریں' اگر انہیں اس پر اعتراض نہ ہوا تو میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں' یو آر موسٹ ویلکم۔" وہ عمیر کو گہری سوچ میں غلطاں چھوڑ کر اٹھ گئی تھی۔ اسوہ اور فائزہ کو ساری بات بتائی تو اسوہ تو دھیرے سے مسکرادی جبکہ فائزہ بری طرح آگ بگولہ ہوئی تھی۔

"تمہارا تو مجھے دماغ ہی خراب لگتا ہے مہر' عمیر اتنا آئیڈیل لڑکا ہے' پورے ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیاں اس پر مرتی ہیں۔ ماں باپ تو اپنی مرضی اور پسند سے بیاہ کرلے جانے والی لڑکی کا بھی چار دن بعد جینا حرام کردیتے ہیں تو یہ تو کوئی عذر نہ ہوا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو فائزہ لیکن جس لڑکی کو لڑکے کے ماں باپ خود بیاہ کرلے جاتے ہیں اپنی پسند سے' اسے کم از کم وہ افیئر یا بد کرداری کا طعنہ تو نہیں دے سکتے ناں...... اس لڑکی کا دل اور ضمیر تو مطمئن ہوتا ہے ناں کہ یہ لوگ خود مجھے میرے ماں باپ سے مانگنے آئے تھے اور پھر میرا تمہیں اچھی طرح پتا ہے' مجھے ان چاہا ہونے سے نفرت ہے۔" اس کے بعد فائزہ کئی دن تک اسے طعنے دیتی رہی لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتی البتہ اسوہ کی ستائش بھری خاموشی مسکراہٹ ظاہر کرتی تھی کہ اسے مہر کا فیصلہ پسند آیا تھا۔ کچھ عرصے بعد باتوں باتوں میں پھر عمیر کا ذکر چھڑا تو فائزہ پھر سے مہر پر برس پڑی۔

"ایک تو تم جیسی بیوقوف لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی مہر' ایک اپنی انا کے پیچھے کیسا ہیرا لڑکا گنوادیا۔"

"ایکسکیوز می مس فائزہ خالد۔" مہر تیکھے لہجے میں بولی تو اسوہ چونک اٹھی جبکہ فائزہ خائف ہوگئی۔

"تقریباً ایک ماہ ہوگیا ہے عمیر کو مجھ سے یہ بات کہے' اس کے بعد تقریباً اس نے اپنے گھر والوں سے بات کی ہوگی' میں نے اسے ریجیکٹ نہیں کیا تھا' اسے اپنے گھر ویلکم کیا تھا' اس کے گھر والوں کی مکمل دلی رضامندی کی صورت میں لیکن مس فائزہ خالد ایک ماہ ہوگیا ہے وہ جب بھی سر راہ کہیں نظر آتا ہے یا تو نظریں چرا لیتا ہے یا راستہ بدل لیتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ یہی ناں کہ وہ اتنا اسٹرانگ نہیں کہ مجھے اپنے گھر میں عزت دلا سکے یا اپنے گھر والوں کے آگے اپنی خواہش منوا سکے اور فائزہ عزت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے اس کی آفر رد ہرگز نہیں کی تھی' اس کے آگے حالات رکھے تھے اور دیکھو' پہلے ہی مرحلے پر وہ ناکام ہوگیا' کیا اب بھی میں قصور وار ہوں؟" فائزہ لاجواب ہوکر چپ ہوگئی اس کے بعد پھر کبھی اس نے عمیر کا نام نہیں لیا تھا۔ اسوہ اور فائزہ دونوں اس کی کالج فرینڈز تھیں۔ ڈیپارٹمنٹ میں بھی ان کی اس تکون میں کوئی اور شامل نہیں ہوسکا تھا۔ وہ تینوں آپس میں مطمئن تھیں' فائزہ شوخ' چنچل اور لاابالی سی لڑکی تھی جبکہ اسوہ کم گو' شرمیلی' سنجیدہ طبیعت کی دینی رجحان رکھنے والی لڑکی تھی جو کسی کے معاملات میں اس کی منشا کے بغیر دخل اندازی نہیں کرتی تھی...... اسوہ کے ساتھ اس کا تعلق دوستی سے بھی زیادہ احترام کا تھا۔ ہر وہ شخص جو دینی رجحان کا حامل ہوتا' مہر خود پر اس کا احترام واجب کرلیتی تھی' وہ جب بھی پریشان ہوتی تو اسوہ سے بات کرتی' اس کی باتوں سے اسے ٹھنڈک اور طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔

منصور بھائی کے الگ ہوجانے کی وجہ سے وہ اپنے پیرنٹس سے مزید اٹیچ ہوگئی تھی اور انہیں وقت دینے کی بھرپور کوشش کرتی تھی گو کہ وہ بھی جانتی تھی کہ بلآخر اس کی بھی شادی ہوجانی ہے لیکن جب تک وہ ان کے ساتھ تھی تب تک ان کا ہر طرح خیال رکھنا چاہتی تھی۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی لیکن عام لڑکیوں کا خاص ڈائیلاگ کبھی نہیں بولتی تھی کہ میں نے ماں باپ کے اکیلے پن کی خاطر شادی نہیں کرنی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ واقعی صرف ایک ڈائیلاگ ہے۔ وہ تلخی کی حدوں تک حقیقت پسند تھی' جس کا اس بات پر راسخ عقیدہ تھا کہ اللہ پاک انسان سے بڑا اور حقیقی منصوبہ ساز ہے۔

ایک روز وہ مہر سے فون پر بات کررہا تھا جب ماما اچانک سے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں اور اس کے سامنے بیٹھ کر نگاہیں اس پر جمادی تھیں۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ تھی۔ وہ بری طرح گڑبڑایا اور مہر سے معذرت کرکے جلدی سے فون بند کردیا تھا۔

''کیا ہوا ماما خیریت؟'' انہوں نے سنگین نگاہوں سے اسے گھورا پھر سختی سے بولیں۔

''یہ تو تم مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا؟ یہ کیا سلسلہ چل رہا ہے؟ میں بہت دنوں سے نوٹ کررہی ہوں اور منتظر تھی کہ تم خود بتاؤ گے لیکن تم تو اب اتنے بڑے ہوگئے ہو کہ بڑے بڑے کام کرلیتے ہو اور ماں باپ کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔'' ان کی برہمی پر اس نے خجالت سے سر کھجایا پھر عاجزی سے بولا۔

''کیوں اتنا غصہ کررہی ہیں' صاف بات کریں ناں۔''

''یہ روزانہ گھنٹوں فون پہ کس سے باتیں کرتے ہو تم؟'' اس نے بے اختیار سر جھکایا...... چند لمحے سوچا پھر جھکے سر کے ساتھ ہی بولا۔

''میں بہت دن سے آپ کو بتانے کا سوچ رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں بتاؤں کیسے؟'' پھر دھیرے دھیرے اس نے مختصراً ماما کو مہر کے بارے میں سب بتادیا' اس دوران اس نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کو نہیں دیکھا جو دھواں دھواں ہورہا تھا۔

''دوستی ہے تو دوستی ہی رہنی چاہیے۔'' ان کی بات پر اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تو ان کے چہرے پر پھیلے سخت تاثرات اسے مایوس کرگئے۔

''بات دوستی سے آگے نہ بڑھنے پائے یہ بات اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھالو۔ ایسی لڑکیاں دوستی تک ہی ٹھیک رہتی ہیں' انہیں گھر لاکر نہیں بٹھانا چاہیے۔'' زوار کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''ماما پلیز...... آپ زیادتی کررہی ہیں' کسی کی بیٹی کے بارے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتی ہیں آپ' وہ ایک بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔'' وہ تمسخرانہ ہنسی ہنس دیں۔

''بہت اچھی فیملی کی لڑکیاں ایسی حرکتیں نہیں کرتیں نہ ایسے تعلقات رکھتی ہیں۔'' ان کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔ زوار بری طرح دل برداشتہ ہوا۔

''بس کردیں ماما کیسی حرکتیں' کیسے تعلقات' اس نے آپ کے بگڑے بیٹے کو سنوار دیا اور آپ یہ بات کررہی ہیں۔'' ان کی آنکھوں سے گویا شعلے لپکنے لگے...... تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ ایک اور بیٹا ایک لڑکی کی خاطر اپنی ماں کے آگے ڈٹا کھڑا تھا۔ اس ماں نے بھی برداشت نہیں کیا تھا' یہ ماں بھی برداشت کرنے سے قاصر تھی۔

''اس نے سنوار دیا' دے لو تم بھی باپ کی طرح یہ طعنہ کہ میں نے تمہاری تربیت ٹھیک نہیں کی۔ تمہارے بگڑنے میں سارا قصور میرا ہے' تم بھی کہہ دو۔''

''میں ایسا نہیں کہہ رہا ماما' نہ میں طعنہ دے رہا ہوں نہ الزام' میں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ اگر مہر بری لڑکی ہوتی تو میرے ساتھ ڈیٹنگ کرتی' گفٹس وصول کرتی' تعلقات قائم کرتی اور مزید بگاڑ دیتی' یہ تو وہ لڑکی ہے جس نے مجھے آپ دونوں کا احترام کرنا سکھایا' اچھا بیٹا بننا سکھایا کیونکہ وہ خود بہت اچھی بیٹی ہے' کیا آپ نے مجھ میں آئی مثبت تبدیلیاں نوٹ نہیں کیں؟ کیا آپ کو اب پہلے کی طرح مجھ سے شکایات ہوتی ہیں؟ بتائیں مجھے۔'' وہ دانت پر دانت جمائے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہاں ٹھیک ہے' تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے' تمہاری ماں سے بھی زیادہ اچھی لیکن جو میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا' اس کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو' میں مر کر بھی اسے اس گھر میں لے کر نہیں آؤں گی...... میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ تم اس وجہ سے اتنے فرماں بردار بنے پھر رہے ہو کہ ہم سے یہ خواہش منوا سکو لیکن میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں۔'' وہ اسے مزید کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بنا تن فن کرتی کمرے سے نکل گئیں۔ غصے

اور بے بسی کے جذبات سے مغلوب ہوکر اس نے مکا بنا کر کھینچ کر بیڈ پر دے مارا' اسے ماما کی بدگمانی پر دلی دکھ ہوا تھا۔ اسے لگا ساری محنت رائیگاں گئی۔

ابھی تو اس نے محبت کو ٹھیک سے محسوس بھی نہیں کیا تھا' ابھی تو مہر کے دل تک رسائی حاصل کرنا باقی تھی' ابھی تو وہ اس کے جذبوں سے بے خبر تھی' ابھی تو اس کے قدم کچے تھے' ابھی تو اس کی منزل واضح بھی نہ تھی کہ پہلے قدم پر ہی رکاوٹ بن گئی۔

عشق بے گھر کرے' عشق بے در کرے' عشق کا سچ میں کوئی ٹھکانہ نہیں

ہم جو کل تک ٹھکانے کے تھے آدمی' آپ سے مل کے کیسے ٹھکانے لگے

وہ دن زوار کے لیے بے حد کٹھن تھے' ماما نے کئی دن تک اس سے بات نہیں کی اور وہ جو اس وقت تک ہاں اور ناں کے بیچ معلق تھا' اپنی کیفیت پر خود بھی پُریقین نہیں تھا' ماما کی ناراضی نے اس کے جذبات کا ابہام دور کرکے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ واقعی پسندیدگی کی حدوں سے آگے آگیا ہے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ مہر تک یہ بات کیسے پہنچائی جائے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مہر کا غصہ اور ناپسندیدگی اپنی جگہ لیکن وہ خود کو اس کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسے مہر کے آئیڈیل لیول تک پہنچنے کے لیے طویل ریاضت درکار ہے اس سے پہلے اس سے کچھ بھی کہنا وہ درست نہیں سمجھتا تھا۔ مہر کے لیول تک پہنچنے کے لیے ٹھوس پلاننگ کی ضرورت تھی۔

ان دنوں وہ یونیورسٹی کے کسی پراجیکٹ اور اسائنمنٹ پر اپنا دھیان مرکوز نہیں کرپا رہا تھا' یونہی کاغذات پھیلائے بیٹھا رہتا' خالی الذہنی کے عالم میں کاغذات پر لکیریں کھینچتا رہتا اور پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اٹھ جاتا۔ اس روز بھی یونہی بیٹھے بیٹھے کاغذ پر چھوٹے بڑے دائرے بناتے اس نے بنا سوچے سمجھے ایک دائرے میں مہر کا نام لکھ دیا' پھر اس دائرے کے اطراف سے شاخیں نکال کر پوائنٹس لکھنے لگا' مہر کی پسند' ناپسند' ترجیحات' اقدار' اس کی زندگی میں شامل خصوصی اہمیت کے حامل افراد' اس کی کمزوریاں' اس کی طاقت' اس کی خوبیاں' یکایک وہ رک کر اس خاکے کو دیکھنے لگا' یہ خاکہ اس کی زندگی کا محور بتارہا تھا۔ اس کی زندگی کا محور اس کے ماں باپ تھے اور وہی وہ راستہ بھی تھے جس پر چل کر وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔ ایسے کہ مہر اعتراض نہ کرپاتی' انکار نہ کرپاتی' اس راستے کو جانے والے ذیلی راستوں پر غور کرنا بھی ضروری تھا...... اس نے مزید پوائنٹس بنانے شروع کیے' کچھ لکھ کر کاٹے' کچھ کاٹ کر دوبارہ لکھے' کچھ صفحے پھاڑے کچھ مزید اٹھائے اور اس وقت تک لکھتا رہا جب تک وہ مطمئن نہیں ہوگیا۔ بالآخر رات کے تین بجے متعدد صفحات پر مشتمل ایک مربوط تحریری پلان اس کے ہاتھوں میں تھا جس کی ایک ایک لفظ سے وہ مکمل طور پر مطمئن تھا۔

ایک پلاننگ انسان کرتا ہے اور ایک اللہ کرتا ہے' انسان اپنی طرف سے بے حد مربوط' فول پروف پلاننگ کرتا ہے لیکن وہ اوپر اللہ کی پلاننگ کے بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتا' اس کی پلاننگ سو فیصد کامیاب رہی تھی پھر بھی ان کے راستے جدا ہوگئے تھے۔ یہ تھی اللہ کی پلاننگ۔ ایسی ہی باتیں سوچتا ہوا وہ ایک ایک صفحہ پلٹ رہا تھا' جو گزرتے وقت کے ساتھ ایک موٹے پلندے میں تبدیل ہوگیا تھا اور اب صرف ایک یاد بنا اس کے سامان کا حصہ تھا۔ ہر صفحے پر روز کی نئی پلاننگ اور گزرے دن کی اچیومنٹ درج تھی۔ وہ اداسی سے دیکھتا صفحے پلٹتا ماضی کے دھندلکوں میں الجھتا جارہا تھا۔ اس نے اس سارے عرصے میں بے حد صبر و تحمل سے کام لیا تھا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی کیونکہ جلدی کے کاموں میں غلطی اور نقصان کا اندیشہ حاوی ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے بارے میں بہت پُریقین رہتا تھا کہ وہ اس مشن میں ضرور کامیاب ہوجائے گا کیونکہ اس کی نیت میں کھوٹ نہیں تھا۔ وہ مہر کا سچا قدر دان تھا۔

اسے پوری جزئیات کے ساتھ آج بھی وہ دن یاد تھا

جب وہ پہلی بار مہر کے گھر گیا تھا۔ مہر نے مسلسل پورا ہفتہ یونیورسٹی سے آف کیا تھا کیونکہ اس کے بابا کی طبیعت بہت خراب تھی، اسوہ اور فائزہ بھی ان سے ملنے گھر آئی تھیں۔ ان کا بلڈ پریشر حد سے تجاوز کر جاتا تھا اور ڈاکٹرز کے مطابق ڈھلتی عمر میں بلڈ پریشر کا اتنا بلند ہونا فالج کو دعوت دیتا ہے۔ مہر ان کی دیکھ بھال میں بری طرح مصروف تھی۔ زوار سے بھی زیادہ بات نہیں کر پاتی تھی۔ تب ایک روز اس نے ڈرتے ہوئے مہر سے ان کی عیادت کی خاطر گھر آنے کی اجازت مانگی۔ خلاف توقع مہر نے آرام سے اسے اجازت دے دی۔ مہر اپنے تمام معاملات اور معمولات سے اپنے والدین کو باخبر رکھتی تھی اور زوار سے دوستی کے حوالے سے بھی اس نے انہیں اعتماد میں لے لیا تھا اس لیے اسے فکر نہ تھی۔ مہر کے بابا فاروق صاحب اس سے بے حد خوش دلی سے ملے اور بیماری کے باوجود اسے بھرپور کمپنی دی۔ اس کی امی نے لوازمات سے بھری ٹرالی اس کے سامنے لا کر رکھی تو وہ جی بھر کے شرمندہ ہوا۔

”آنٹی میں تو صرف انکل کی عیادت کو آیا تھا اس قدر تکلف کر کے آپ نے تو شرمندہ کر دیا۔“ وہ محبت سے مسکرائی تھیں۔

”شرمندگی کیسی بیٹا‘ یہ لوازمات تو ہمارا روز کا معمول ہیں‘ میں یہ سب بنانے کی شوقین ہوں اور تمہارے انکل اور مہر یہ سب کھانے کے شوقین۔“

”جی بالکل اور یہ سب کھا کھا کر بلڈ پریشر بڑھا لینے کے بھی شوقین ہیں بابا۔“ مہر جل بھن کر بولی لیکن زوار تو آنکھیں پھاڑے بس ٹرالی کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ...... یہ اتنا سب کچھ...... اور اتنا پرفیکٹ‘ آپ واقعی خود بناتی ہیں آنٹی؟ اٹس ریئلی امیزنگ اور اتنا ٹیسٹی...... آپ نے تو مجھے حیران کر دیا۔“ وہ واقعی حیران تھا۔ وہ تو ان تمام براؤنیز‘ چکن رولز‘ چین پزا اور ایسے ہی کئی پیکڈ لوازمات کو بیکری کی کرامات سمجھ رہا تھا‘ وہ ان کے سلیقے کا معترف ہو گیا تھا۔ مہر چائے کے ساتھ پلیٹ میں چند لوازمات لے کر وہاں سے اٹھ گئی تھی اور پھر فاروق صاحب فارم میں آ گئے تھے۔ سیاست ان کا پسندیدہ ترین موضوع تھا‘ تمام والدین کی طرح خوش قسمتی سے پاپا کی وجہ سے وہ بھی سیاست کے موضوع پر اچھے طریقے سے بحث کرنے کے قابل تھا اس لیے ان کی محفل جم گئی تھی۔ وقت گزرنے کا احساس مٹ گیا‘ ہوش تو تب آیا جب سمیعہ بیگم نے ڈنر لگنے کی اطلاع دی تو وہ بری طرح خجل ہوا۔

”اوہ...... نہیں آنٹی ڈنر پھر کبھی سہی۔ اصل میں انکل کے ساتھ اتنی زبردست ڈسکشن چلی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ آپ نے چائے کے ساتھ ہی اتنی زبردست تواضع کر دی تھی کہ ڈنر کی تو ویسے بھی گنجائش نہیں۔“

”ارے بیٹا اس میں شرمندہ ہونے والی کوئی بات نہیں‘ تھوڑا سا چکھ لو...... کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ تو تمہارا یوں ہی چلے جانا ہمیں اچھا نہیں لگے گا۔“ ان کی محبت پر وہ مزید زیر بار ہو گیا تھا۔

”آپ کا خلوص سر آنکھوں پر لیکن آنٹی میں نے ماما سے ذکر نہیں کیا تھا‘ وہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ ان شاءاللہ آئندہ گھر پر بتا کر آؤں گا تو آپ کے ہاتھ کا کھانا بھی ضرور کھاؤں گا‘ ویسے بھی چائے کے لوازمات نے آپ کے ہاتھ کے ذائقے کا قائل تو کر ہی دیا ہے۔“ فاروق صاحب کو اس کی بات اور انداز بے حد پسند آئے‘ ان کی نظروں میں ابھرتی ستائش زوار کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ وہ ان سے رخصت لے کر باہر آیا تو مہر ساتھ گیٹ تک آئی تھی۔

”بڑی دوستی بنا لی تم نے میرے بابا سے۔“ وہ بھنویں اچکا کر بولی تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

”وہ خود ہی اتنے فرینڈلی ہیں‘ مجھے تو سچ میں ان سے مل کر بہت اچھا لگا۔ تم جیسی سڑیل اور کھڑوس ڈاکو رانی کے فادر تو بالکل نہیں لگتے وہ۔“

”کیا......! کیا...... کیا......؟“ وہ جارحانہ تیور لیے اس کی طرف تیزی سے بڑھی تو وہ ڈرنے کی اداکاری کرتا پیچھے ہٹا پھر ہنستے ہوئے بولا۔

”بائے داوے‘ میری ایج کے فرینڈز تو تم نے ویسے بھی چھڑوا دیے مجھ سے‘ اب مجھے انکلز ہی اٹریکٹ کرتے ہیں۔“ مہر نے بری طرح اسے گھورا پھر ہنس دی۔

”اینی وے ریئلی مجھے بہت اچھا لگا تمہارے پیرنٹس سے مل کے‘ انکل آنٹی دونوں ہی نائس ہیں۔“ وہ مسکرا دی۔

اور پھر اس کے گھر کا گیٹ پار کرتے وقت اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔ وہ یک دم گہری اداسی کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ مہر سے سب کچھ کہہ دے لیکن بہ مشکل خود پر قابو پائے رکھا تھا۔

مہر کے امی بابا کو بھی زوار اچھا لگا تھا۔ اسے اپنے والدین سے جنون کی حد تک پیار تھا‘ ہر وہ شخص جو اس کے والدین کو پسند ہوتا یا جو اس کے والدین سے محبت کرتا وہ قدرتی طور پر مہر کے لیے اہم ہو جاتا۔ اس کے جانے کے بعد وہ اندر آئی تو امی کو کہتے سنا۔

”کس قدر اچھا لڑکا تھا‘ سوبر‘ ڈیسنٹ‘ ذمہ دار اور حساس‘ خوش قسمت ہیں وہ ماں باپ جن کی ایسی فرماں بردار اولاد ہے‘ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔“ ان کے لہجے میں ذاتی دکھ کی آمیزش تھی۔

منصور بھائی اور ربیعہ بھابی نے گو کہ ان سے معافی تو مانگ لی تھی لیکن وہ لوٹ کر گھر واپس نہیں آئے تھے۔ اکٹھے رہنے کی کوئی بات تب بھی نہیں کی تھی۔ بچوں کی دیکھ بھال میں مگن وہ اب بھی اپنے ماں باپ کا حال پوچھنا بھول جاتے تھے۔ وہ فطرتاً ہی خود غرض تھے۔ اب بھی ان کے لیے اپنا ہی دکھ اہم تھا۔ کئی مرتبہ مہر نے ان کے گھر جا کر رہنے اور بچوں کی دیکھ بھال میں بھابی کا ہاتھ بٹانے کی پیشکش کی تھی لیکن ربیعہ نے سرد مہری سے رد کر دی تھی۔ ان کے پاس بہت پیسہ تھا‘ انہوں نے دو دو میڈز رکھ لی تھیں لیکن رشتوں کی اہمیت ہنوز دلوں میں ناپید تھی۔ کبھی کبھی مہر سوچتی تھی کہ ان کو معافی تلافی کا ڈراما کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی لیکن وہ شاید اپنے اندر کا گلٹ دھونے کی ایک کوشش تھی۔ بعض لوگوں کا گلٹ مٹانے کی معافی سے بھی دور ہو جاتا ہے شاید وہ دونوں بھی ایسے ہی تھے۔

❀......❀......❀

پہلے وہ اس سے اس کی خاطر بات کرتی تھی اب وہ اپنی خاطر بات کرنے لگی تھی۔ پھر اسے بھی زوار سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔ زوار کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ تو پہلے سے تھا‘ محبت دل میں گھات لگا گئی تھی بس وہی بے خبر تھی۔ یا بے خبر رہنا چاہتی تھی‘ زوار دس پندرہ روز بعد اس کے بابا سے ملنے آتا تھا اور پھر ان دونوں کی خوب محفل جمتی لیکن ڈنر کے لیے وہ ان کے لاکھ اصرار پر بھی کبھی نہیں رکا تھا‘ اس کے جانے کے بعد امی بابا اس کی تعریفیں کر کے تھکتے نہ تھے اور مہر لب دانتوں تلے دبائے مسکراہٹ روکنے کی کوشش کرتی تھی۔

”اگر جو امی بابا اس کا پہلے والا روپ دیکھ لیتے تو......؟“ وہ اپنی سوچ سے خود ہی محظوظ ہو کر مسکراتی اور اسے خبر ہی نہ ہوتی کہ اس کی ان مسکراہٹوں سے اس کے ماں باپ کچھ اور ہی نتائج اخذ کر رہے تھے۔ وہ دونوں تو زوار میں ہی منصور کو دیکھنے لگے تھے‘ جواباً وہ بھی انہیں بیٹوں ہی کی طرح تکریم دیتا...... وہ جب بھی آتا فاروق صاحب سے باتوں میں مگن رہتا‘ مہر کو مکمل طور پر نظر انداز کیے رکھتا‘ تب فاروق صاحب کہتے۔

”آج کل کے نوجوان بھلا کب ہم بوڑھوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے ہیں لیکن یہ لڑکا ہم بڈھا بڈھی کے ساتھ یوں لگا رہتا ہے جیسے ہم اس کے ساتھ بچپن میں کھیلے ہوں یا پھر یہ بھی ہمارے جیسا ریٹائرڈ بڈھا ہو۔“

❀......❀......❀

ان ہی دنوں مہر کا ایک بہت اچھا رشتہ آیا پر چونکہ زوار کی اپنے والدین کے ساتھ مصروفیت ہوتی تھی اس لیے وہ ویک اینڈ پر نہ تو ان کے گھر آتا تھا نہ مہر سے زیادہ رابطہ رکھ پاتا تھا۔ اس ویک اینڈ پر بھی جب وہ اپنے پیرنٹس

کے ساتھ آؤٹنگ پر تھا تو فاروق صاحب کے ایک دوست اپنی مسز کے ساتھ اپنے ہونہار بیٹے کا رشتہ لے کر آ گئے۔ ان کا بیٹا جواد اے سی سی اے کرنے کے بعد ایک اکاؤنٹس فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر فائز تھا' خوش شکل بھی تھا اور فیملی بھی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی تھی۔ فاروق صاحب مخمصے کا شکار ہو گئے۔ سمیعہ بیگم بھی پریشان سی ہوئیں۔ وہ دونوں یہی سمجھ رہے تھے کہ مہر اور زوار ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن الجھن اس بات کی تھی کہ مہر نے کبھی بھی ان سے اس موضوع پر زوار کے حوالے سے کوئی بات کی ہی نہیں تھی۔ سمیعہ بیگم نے مہر کو بتا کر اس کے تاثرات جانچے تو وہ پریشان لگی۔

''بیٹا...... زوار کیا کہتا ہے اس بارے میں؟'' مہر نے بری طرح چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب امی......! زوار کا یہاں کیا ذکر؟'' اس کے سوال پر سمیعہ بیگم الجھیں۔

''تو اور کس کا ذکر کروں؟ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے کیا؟'' مہر کے چہرے نے تیزی سے کئی رنگ بدلے۔

''امی......! میں......'' وہ بری طرح الجھی۔ رشتے کا سن کر اس کے دل میں چبھن بھی ہوئی تھی اور زوار کا نام بھی دل میں ابھرا تھا لیکن وہ مسلسل دل سے ضد لگائے بیٹھی تھی۔

''میرے اور زوار کے بیچ ایسی کوئی بات کبھی بھی نہیں ہوئی۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولی...... انداز کھویا کھویا تھا۔ انہوں نے سر پیٹ لیا۔

''تو پھر یہ سب کیا ڈراما ہے؟ اس کا گھر آنا' گھنٹوں گپ شپ لگانا' تم سے فون پر الگ گھنٹوں بات کرنا' یہ پسندیدگی نہیں تو اور کیا ہے؟ تم نہ سہی لیکن اسے ضرور تم پسند ہو تب ہی وہ اپنا اتنا وقت تمہارے اوپر ضائع کر رہا ہے' یہ بال یونہی سفید نہیں کیے ہم نے۔ اتنی تو نظریں اور چہرے پڑھنے آتے ہیں' تم بھی خود کو دھوکے سے نکال لو۔'' مہر کا منہ کھل گیا تھا۔

''امی مگر...... اس نے کبھی مجھ سے کہا تو نہیں۔''

''ڈرتا ہوگا کہیں تم اس کی بھی جوتی سے مرمت نہ کر دو۔'' وہ جل کر بولیں تو وہ ہنس بھی نہ سکی۔ اس کے دل میں جذبات کی عجیب سی اتھل پتھل جاری تھی۔

''اچھا چلو' اگر تم سمجھتی ہو کہ دونوں طرف سے ایسا کوئی معاملہ نہیں تو پھر ہم جواد کے لیے اقرار بھیج دیتے ہیں...... اس سے اچھا لڑکا ہمیں کہیں نہیں ملے گا۔'' وہ اتنا کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئیں اور اسے یوں لگا کسی نے اس کے دل پر زور سے پیر رکھ کر مسل دیا ہو...... اسے گھٹن محسوس ہونے لگی' وہ اٹھ کر ٹیرس میں آ گئی۔ کھلی ہوا میں بھی گھٹن کا احساس دور نہ ہوا۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تھا۔

''کیا میں زوار سے محبت کرنے لگی ہوں؟''

''نہیں کبھی نہیں' وہ صرف دوست ہے۔''

''کیسا دوست؟ یہ دوست کیا ہوتا ہے؟ تم اس سے بات کیے بنا دن نہیں گزار پاتی...... پل پل اس سے شیئر کرتی ہو' کبھی اسوہ اور فائزہ سے اتنی قربت محسوس ہوئی؟ حالانکہ وہ تو تمہاری کئی برس پرانی سہیلیاں ہیں۔''

''وہ تو زوار خود مجھ سے اتنا اٹیچ ہوا تو مجھے بھی عادت ہو گئی۔''

''عادت ہی تو محبت کا دروازہ کھولتی ہے۔''

''لیکن مجھے پہلے کبھی محسوس کیوں نہیں ہوا...... میں سمجھ کیوں نہ پائی؟''

''پہلے کبھی اسے کھو دینے کا خوف جو لاحق نہیں ہوا تھا۔'' دماغ کے اس جواب پر وہ سن رہ گئی تھی۔

''تمہاری شادی ہو گئی تو تمہیں زوار سے یہ دوستی کا تعلق ختم کرنا ہوگا کیونکہ یہ تو واضح بات ہے کہ اس دوستی کو نہ کوئی پسند کرے گا نہ اسے صحیح سمجھے گا تو پھر سوچو کیا تم رہ لو گی؟'' اور زوار سے تعلق ختم کرنے کی سوچ پر اس کے دل میں اٹھتے شور نے اسے باور کرا دیا کہ دل کی کیفیات کو بدلے تو زمانے گزر گئے' بس وہ ہی ہٹ دھرمی پر قائم تھی۔ محبت تو اس کے دل کی گہرائیوں میں پنجے گاڑے بیٹھی تھی؛

اب وہ چاہ کر بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی لیکن زوار۔

''اگر امی کا تجزیہ غلط ثابت ہوا' زوار کو مجھ سے محبت نہ ہوئی تو؟ وہ تو میری اتنی عزت کرتا ہے' اس عزت کو محبت کا نام دینا زیادتی ہوگی' وہ کیا سوچے گا میرے بارے میں؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ صرف اتنا سوچ کر کہ اگر زوار کو اس سے محبت نہ ہوئی تو وہ کیا کرے گی...... اگر یہ جذبہ یک طرفہ ثابت ہوا تو کیا ہوگا۔ اس محبت نے تو اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہی بے کل کر دیا تھا۔ ساری رات ان ہی سوچوں میں گزری اور بالآخر وہ یہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی کہ وہ زوار کو رشتے کا بتا کر تعلق ختم کرنے کی بات کرے گی پھر اگر اس کے دل میں کوئی بات ہوئی تو وہ کھل کر سامنے آ جائے گی' صبح یونیورسٹی جانے سے پہلے یہی بات اس نے امی کو بتائی تو انہوں نے اسے روک دیا۔

''آج شام کو اسے آ لینے دو...... میں تمہارے بابا سے کہوں گی وہی ذکر چھیڑیں اس بات کا' پھر اس کا ردعمل سب واضح کر دے گا۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد اگر مناسب لگا تو تم اپنی بات کہنا۔'' مہر کو ان کی بات درست لگی۔

لیکن انسان سوچتا کچھ ہے اور تقدیر اسے لے جاتی کسی اور طرف ہے۔ وہ یونیورسٹی میں تھی جب اسے زوار کا میسج ملا۔

''مجھے پاپا کے ساتھ ان کے بزنس ٹرپ پر ایمرجنسی میں پنجاب جانا پڑ رہا ہے' دو تین دن لگ جائیں گے' میں زیادہ رابطے میں نہیں رہ سکوں گا۔ انکل آنٹی سے معذرت کر لینا اور میرا اسلام بھی۔ میں واپس آ کر خود رابطہ کروں گا۔''

❁......❁......❁

تم جب بھی سامنے آتے ہو
میں تم سے سننا چاہتی ہوں
اے کاش کبھی تم یہ کہہ دو
تم مجھ سے محبت کرتے ہو
تم مجھ کو بے حد چاہتے ہو
لیکن تم جانے کیوں چپ ہو
یہ سوچ کے دل گھبراتا ہے
ایسا تو نہیں ہے نا جاناں
سب میری نظر کا دھوکا ہو
تم نے مجھ کو چاہا ہی نہ ہو
کوئی اور ہی دل میں رہتا ہو
میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں
لیکن کچھ پوچھ نہیں سکتی
مانا کہ محبت ہے پھر بھی
لب اپنے کھول نہیں سکتی
خوابوں میں بہت کچھ بولتی ہوں
پر سامنے چپ ہی رہتی ہوں
میں لڑکی ہوں کیسے کہہ دوں
میں کیسی محبت کرتی ہوں
میں تم سے یہ کیسے پوچھوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟
میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟

بس کچھ ایسے ہی خدشات اس کے دن کا چین اور رات کی نیند کھا گئے تھے کہ اگر یہ جذبہ یک طرفہ ہوا تو کیا ہوگا۔ پاپا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے زوار اسے کال بھی نہیں کر پا رہا تھا اور میسجنگ بھی بہت کم ہو رہی تھی۔ پہلے کبھی ایسی صورت حال سے واسطہ ہی نہیں پڑا تھا پھر ان دنوں ایسی صورت بن جانا اور بھی تکلیف دہ تھا جب اس پر نئے جذبوں کا ادراک ہوا تھا اور دل اس سے ملنے کو بے چین تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے جدائی سے پہلے جدائی آ گئی ہو۔ وقتی جدائی سے ہونے والی تکلیف اسے احساس دلا رہی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں کس مقام پر کھڑا ہے۔ دوسری جانب زوار کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

حالانکہ وہ ابھی اس طرف آنے والے طوفان سے بے خبر تھا لیکن وہ مہر کو اس بری طرح سے مس کر رہا تھا کہ

اسے لگ رہا تھا کہ اب وہ اس سے ملاقات ہونے پر خود پر قابو نہیں رکھ پائے گا...... اپنی پیپر پلاننگ پر عمل کرتے کرتے وہ اب اس اسٹیج پر پہنچ گیا تھا کہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ مہر کے والدین اسے بے حد پسند کرنے لگے ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں اپنے مقام کا باآسانی تعین کرسکتا تھا۔ گو کہ مہر کی طرف سے وہ اب بھی بے یقین ہی تھا لیکن اتنی پروگریس تو ہو ہی گئی تھی کہ وہ بھی اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل اس سے شیئر کرلیا کرتی تھی اور اس پر بے حد بھروسا کرنے لگی تھی‘ بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو اسے اب اپنی فیور میں جاتی نظر آنے لگی تھیں لیکن پھر بھی مہر کے مزاج کے پیش نظر وہ پُر یقین نہیں ہوسکتا تھا‘ وہ بے خبر تھا کہ دوسری طرف بھی بازی پلٹ گئی ہے بلکہ اس کی حمایت میں ہی آگ دونوں طرف یکساں بھڑک رہی تھی۔

❀......❀......❀

زوار کو پنجاب گئے دوسرا دن تھا‘ مہر ڈیپارٹمنٹ میں لان کی طرف کو جاتی سیڑھیوں پر اداس سی بیٹھی تھی۔ فائزہ اور اسوہ اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آئیں تو اسے یوں بیٹھا دیکھ کر حیران بھی ہوئیں اور پریشان بھی۔ وہ دو دن سے اس کی بے کلی محسوس کررہی تھیں لیکن وہ کچھ بتا نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں عین اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئیں لیکن وہ ایسے مراقبے میں تھی کہ اسے ان کی آمد کا احساس تک نہ ہوا۔ تب اسوہ نے فائزہ کو اشارہ کیا اور دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں تب وہ چونکی پھر ان دونوں کو دیکھ کر جیسے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لائی لیکن اسوہ نے اس کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ لیے تھے۔

مہر اور آنسو...... دو بالکل متضاد چیزیں تھیں۔ مہر اتنی کمزور کبھی بھی نہیں تھی کہ یوں بکھر جاتی اور بے بسی سے تنہائی میں آنسو بہانے کو بیٹھ جاتی اسوہ نے بے اختیار اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا اور نرمی سے پوچھا۔

”مہر...... تم رو رہی ہو؟ ہم دو دن سے تمہیں ڈسٹرب دیکھ رہے ہیں‘ کیا ہوا ہے‘ کیا گھر میں کوئی پرابلم ہے؟“

اور ان دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مہر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ایسا تو کبھی ہوا ہی نہ تھا...... وہ دونوں بری طرح گھبرائیں...... اس حصے میں لوگوں کی بہت کم چہل پہل رہتی تھی سو وہ اسے لیے لان میں بنے ایک شیڈ میں آگئیں۔ وہ اس قدر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی کہ وہ دونوں حیرت کے بعد اب تشویش کا شکار ہورہی تھیں۔ اسوہ اسے اپنے ساتھ لگائے تسلی بھری تھپکیاں دیتی رہی۔ فائزہ اس کی ہتھیلی ملتی رہی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ وہ اسی طرح روتی رہی پھر فائزہ بھاگ کر کینٹین سے جوس لے آئی اور زبردستی اس کے منہ سے لگا دیا۔ دو گھونٹ پی کر اس کے حواس کچھ بحال ہوئے تو اس نے ڈبا پرے رکھ دیا۔

”اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟“ وہ پھر سے زمین کو گھورنے لگی تھی۔

”کچھ نہیں...... بس...... ویسے ہی......“ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی اب بھی بسی تھی۔ اسوہ نے بے اختیار ٹھنڈی سانس بھری اور بولی۔

”اتنا تو میں سمجھ گئی ہوں کہ مسئلہ تمہارے گھر میں نہیں ہے‘ تو پھر کیا مسئلہ تمہارے دل کے ساتھ ہوا ہے؟“ اسوہ کی بات پر مہر اور فائزہ دونوں نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا‘ مہر کی آنکھوں میں حیرت تھی تو فائزہ کی آنکھوں میں الجھن‘ وہ کبھی مہر کو دیکھتی کبھی اسوہ کو۔

”اگر تم قابل اعتبار سمجھو تو بتادو۔“ اسوہ کی بات پر مہر تڑپ اٹھی۔

”ایسے مت کہو اسوہ۔“ اسوہ خاموش رہی تو مہر کی بے چینی میں اضافہ ہوا‘ اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر ہمت مجتمع کی اور بولی۔

”میرا...... ایک بہت...... اچھا پرپوزل آیا ہے۔“ فائزہ اچھل پڑی۔

”اف اللہ‘ تو اسی لیے اتنا روئی بی بنو‘ ابھی کون سا رخصتی ہورہی ہے میری جان‘ پگلی نہ ہو تو۔“ فائزہ کے جوش وخروش پر مہر پھیکے پن سے مسکرادی‘ اسوہ ہنوز خاموش تھی۔

اس کی نظریں خود پر جمی محسوس کرکے مہر نے اس کی جانب دیکھا تو نظریں چرانے پر مجبور ہوگئی۔

”مجھے وہ بات بتاؤ جس پر تم اتنا تڑپ کر روئی ہو۔“ اسوہ کے انداز پر فائزہ نے تعجب سے اسے دیکھا‘ مہر نے سر جھکا لیا تھا۔

”مہر......“ اسوہ نے دھیرے سے پکارا‘ مہر کے ہونٹ لرزنے لگے‘ چہرہ پھر سے سرخ ہوگیا۔ فائزہ کو انہونی کا احساس ہوا۔

”زوار کیا کہتا ہے؟“ اسوہ کی بات پر فائزہ کو گویا کرنٹ لگا‘ وہ ہونقوں کی طرح کبھی اسوہ کو دیکھتی کبھی مہر کو۔

”وہ آؤٹ آف سٹی ہے‘ ابھی اسے بتایا نہیں۔“ اتنا کہہ کر مہر پھر سے ضبط کھو بیٹھی۔ فائزہ کو اپنا آپ چغد محسوس ہورہا تھا۔ مہر پھر سے رونے میں مصروف ہوگئی تھی۔ وہ دونوں بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر مہر کو رونے دیا...... جب اس کے آنسو تھمے تو پھر سے اسوہ نے سوال کیا۔

”تمہارے پیرنٹس کیا کہتے ہیں؟“

”وہ میرے ساتھ ہیں‘ جو میں چاہوں گی وہی ہوگا۔“ اب کے مہر کی آواز متوازن تھی۔ وہ ٹشو سے ناک رگڑنے لگی جو پہلے ہی خاصی سرخ ہورہی تھی۔

”تو پھر پریشانی کس بات کی‘ اس قدر رونا چہ معنی؟“ وہ چند لمحے چپ رہی پھر دل کی ساری حکایتیں کہہ سنائیں‘ فائزہ تو فوراً بھڑک کر بولی۔

”دیکھا ناں‘ جب میں کہتی تھی کہ کوئی نہ کوئی چکر چلے گا تب بڑا برا لگتا تھا‘ اب ہوگیا ناں وہی جو میں کہتی تھی۔“ وہ اتنی دیر سے خود کو بیوقوف الو اور چغد جیسے نام دیئے دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی کہ اسوہ کو اندازہ ہوگیا تو وہ کیوں نہ مہر کی کیفیت سمجھ پائی۔ اب اپنا ایک اندازہ درست ہوتا دیکھا تو خوشی سے پھول گئی‘ مہر اس کی بات پر مسکرادی۔

”تم دونوں مجھے جانتی تو ہو‘ میں نے بھلا کب سوچا تھا کہ ایسا ہوجائے گا۔ میں تو ہمیشہ ان باتوں کے خلاف رہی ہوں۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ کب اور کیسے میرے دل میں جگہ بناتا چلا گیا...... شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اب تک میرا واسطہ فضول اور چھچھورے قسم کے لڑکوں سے ہی پڑا تھا۔ کبھی کوئی ڈیسنٹ لڑکا ملا ہی نہیں اور جو ملا وہ بزدل اور کمزور نکلا۔ کوئی ایسا جو اپنی مضبوطی اور پختہ ارادوں سے مجھے اندر تک تسخیر کرلیتا۔ ایسا کوئی زندگی میں آیا ہی نہیں تھا تو میں بھلا کیسے سمجھ پاتی‘ زوار بھی ایسا تو نہ تھا‘ اس نے کب اور کیسے خود کو میری پسند میں ڈھالا اور مجھے احساس بھی نہ ہونے دیا۔ کون کرتا ہے کسی کے لیے ایسا؟“ مہر دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”لیکن اب یہ بتاؤ کہ اگر زوار کی فیلنگز تمہارے بارے میں ایسی نہ ہوئیں تو کیا ہوگا؟ اور اس سے بھی پہلے اہم بات یہ ہے کہ اس کی فیلنگز کے بارے میں معلوم کیسے ہوگا؟“ فائزہ نے پوائنٹ اٹھایا تو مہر آزردگی میں گھر گئی۔

”وہ جس دن بھی پنجاب سے واپس آیا اسی دن ہماری طرف بھی ضرور آئے گا پھر جو بابا نے اس کے متعلق سوچا ہے اس کے مطابق چلیں گے۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟“ اسی وقت اسوہ کا موبائل بجا تو وہ کال ریسیو کرتی بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہر لان میں ہوا سے اڑتے خشک پتوں کو دیکھنے لگی۔ اسے ان پتوں میں اور اپنی ذات میں مماثلت محسوس ہورہی تھی‘ ہوا کے دوش پر اڑتے بکھرتے خشک پتے جن کی اپنی کوئی وقعت نہ تھی‘ تیز ہوا کے رحم وکرم پر تھے‘ اسی طرح وہ بھی محبت کے ہاتھوں الجھی بکھری حالات کے بہاؤ کے رحم وکرم پر تھی۔ اس کے اختیار میں دعا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

(دوسرا اور آخری حصہ ان شاءاللہ آئندہ شمارے میں)

❀

www.naeyufaq.com

محبتوں کے قرض

اُم مریم

''آپ نے مجھے بلایا پاپا؟'' اس نے نشست سنبھالنے کے بعد چند ثانیوں تک فائق حسن کو بے مقصد فائل کی ورق گردانی کرتے پاکر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ان کے انداز کے گریز کو پاکر اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی کہ یقیناً وہ اس وقت اس سے بہت خاص بات کرنے جارہے ہیں لیکن ایسی کیا بات تھی جسے کہنے میں مشکل یا ہچکچاہٹ محسوس کررہے تھے۔

''ہوں...... آگئے تم۔'' فائق حسن چونکتے ہوئے بولے پھر جیسے نئے سرے سے کسی سوچ میں مگن ہوگئے۔

''کوئی مسئلہ ہے کیا پاپا......؟ آپ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں۔''

''ہاں وہ دراصل بیٹا میں عزہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔'' اس ایک نام کے ساتھ ہی عبدالمعید حسن کے چہرے پر موجود تاثرات ناقابل فہم ہوکر واضح ہوگئے۔

''تم جانتے ہو کہ وہ بچپن سے تم سے......''

''جی پاپا لیکن وہ تو نہیں جانتیں اور آپ جانتے ہیں کہ......'' اس کے لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی بے پناہ درشتگی سمٹ آئی' اس نے بات ادھوری چھوڑی اور لب بھینچے وہ جیسے خود پر ضبط کررہا تھا۔ ان کا چہرہ محض لمحہ بھر کو پھیکا پڑا پھر جیسے خود کو سنبھال کر خوشدلی سے مسکرائے۔

''وہ ابھی بچی ہے اپنا اچھا برا نہیں سمجھتی جب ہی تو تمہارے حوالے کررہا ہوں نبھاؤ اپنی ذمہ داری۔'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر ترحیم بھری نگاہ سے انہیں دیکھا وہ اس کی حیرانگی محسوس کرکے گویا لمحہ بھر کو محظوظ ہوکر مسکرائے مگر اگلے ہی پل بھرپور سنجیدگی سے بولے تو لہجے میں محسوس کیا جانے والا کرب تھا۔

''تم جانتے ہو عبدالمعید بہت عزیز ہو تم مجھے' شاید عزہ سے بھی زیادہ...... اکثر میں تم دونوں کی محبت کا موازنہ کرتا ہوں تو کوئی بھی فیصلہ نہیں کرپاتا لیکن تمہاری فرماں برداری' سعادت مندی اور قابلیت تمہیں میری نگاہ میں عزہ سے ممتاز رکھتی ہے' جانے کہاں کوتاہی ہوئی ہم سے عبدالمعید کہ وہ ایسی ہوگئی ہے تم مجھے خودغرض کہہ لو لیکن پلیز یہ ہی میری سب سے بڑی خوشی ہے نکاح تو ہو ہی گیا ہے بس میں اب تم دونوں کو ایک ساتھ ہنستے بستے دیکھنے کا خواہش مند ہوں، پلیز بیٹا انکار نہیں کرنا تم میرا ارمان ہو۔'' وہ بے حد مضطرب و بے بس دکھائی دے رہے تھے اس قدر کہ عبدالمعید حسن کا دل پگھل گیا۔

''پاپا پلیز مجھے شرمندہ مت کریں آپ کا ہر فیصلہ' ہر حکم سر آنکھوں پر۔'' ان کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے عبدالمعید حسن انہیں مطمئن کرنے کو بھرپور طریقے سے مسکرایا مگر اسے خود اپنی مسکراہٹ بجھی بجھی محسوس ہوئی تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا کہ یہ سب تمہاری برداشت اور ضبط کا امتحان ہے لیکن......'' انہوں نے لمحہ بھر کا توقف کیا اس کے چہرے کو بغور دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔ ''اس سنجوگ کی خاطر میں نے بہت کچھ ہارا ہے میں نہیں چاہتا تھا بڑے ہونے کے بعد تم دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے دور ہو یہ تصور بھی نہیں ہے میرے پاس، جب ہی میں وہ انتہائی قدم اٹھانے سے بھی نہیں چونکا۔''

''آپ کی ہر خواہش مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے پاپا...... جو فیصلہ آپ نے کل میرے لیے کیا مجھے وہ دل و جان سے بھی قبول تھا اور آج کا بھی' ہر فیصلہ مجھے یوں ہی منظور ہوگا لیکن عزہ بی بی سے بات آپ خود کرلیجیے۔'' تسلی آمیز انداز میں ان کے ہاتھ کی پشت تھپتھپاتے ہوئے وہ آہستگی سے بولا۔ فائق حسن نے آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔

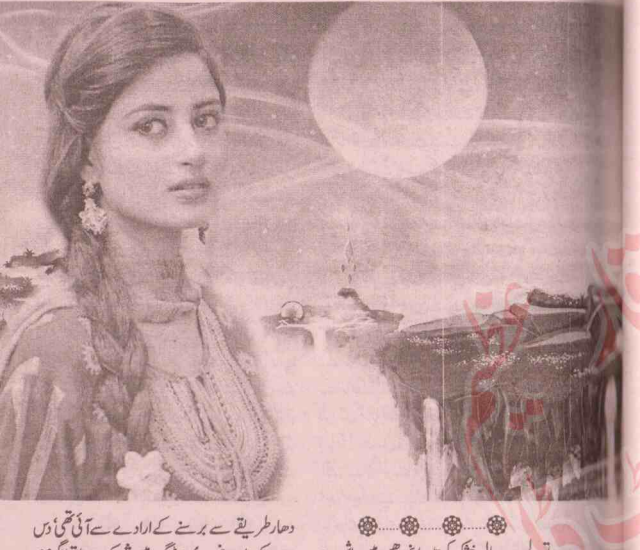

❁......❁......❁......❁

تولیے سے بال خشک کرتا وہ اپنی دھن میں واش روم سے باہر آرہا تھا کچھ دیر قبل وہی کمرہ جس کی ہر چیز ترتیب سے اپنی جگہ سجی ہوئی تھی اپنی جگہ کھو کر اِدھر اُدھر بکھری خاصی ناراض دکھائی دے رہی تھی لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ وجہ جان کر گہرا سانس کھینچتے ہوئے فائل کے بکھرے پیپر سمیٹ کر فائل بند کرنے کے بعد ریک پر اوندھا فوٹو فریم سیدھا رکھتے ہوئے جیسے ہی شرٹ اٹھانے کو پلٹا اسے کڑے تیوروں سے خود کو گھورتا پاکر گڑبڑا کر رہ گیا۔

''یہ پاپا کیا کہہ رہے ہیں؟'' اسے خفت سے نظریں چرا کر مصروف سے انداز میں شرٹ پہنتے دیکھ کر وہ گویا غرائی تھی' شرٹ کے بٹن بند کرتے عبدالمعید کے ہاتھ لمحہ بھر کو ساکت ہوئے گویا وہ جان گئی تھی اور اب دھواں دھار طریقے سے برسنے کے ارادے سے آئی تھی' دس منٹ تک اسے ضروری میٹنگ میں شریک ہونا تھا مگر عزہ صاحبہ کے انداز ہرگز اسے بخشنے والے نظر نہیں آرہے تھے۔

''تم جانتے تھے؟'' وہ پھر پھنکاری عبدالمعید جواب دیئے بنا برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔

''کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو...... کسی غلط فہمی میں مت رہنا وہ سراسر میری بے خبری کا دور تھا اب میں اپنا فیصلہ کرسکتی ہوں کہاں ہے وہ...... ابھی اور اسی وقت مجھے چاہیے۔'' وہ اس کے سر پر پہنچ کر بری طرح چیخی تو عبدالمعید کی استفہامی نگاہیں نا چاہتے ہوئے بھی اس کے تمتماتے ہوئے اجلے چہرے کی سمت اٹھ گئیں جو غصے کے باعث سرخ ہورہا تھا۔

''کیوں گھور رہے ہو...... نکاح نامہ کہاں ہے بتاؤ

مجھے؟" اس کا غصہ عروج پر تھا۔

"میرے پاس نہیں ہے اگر آپ کو پتا چل ہی گیا ہے تو یہ بھی خبر ہوگی کہ آپ کے مطلب کی چیز کہاں ہوسکتی ہے' ویسے آپ اس کا کریں گی کیا؟"

"اچار ڈالوں گی۔" وہ تلملا کر چیخی پھر ہونٹ سکوڑ کر جہاں بھر کی تلخی لہجے میں سموتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

"دیکھو میں جانتی ہوں تمہیں مجھے آزاد کرنے کے لیے کورٹ جانا اچھا نہیں لگے گا سو بہتر یہی ہے یہیں اس کمرے میں ہمیشہ کے لیے اس معاملے کو ختم کرلو۔" عبدالمعید حسن نے کوٹ پہنتے ہوئے ترچھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"مضائقہ بھی کوئی نہیں ہے میں ایسا بھی کرلوں گا لیکن اس وقت اگر آپ کی بجائے مجھے پاپا کہیں' آپ انہیں قائل کریں یا مجبور یہ آپ کا عمل ہے میں ان کے حکم کا منتظر رہوں گا۔" موبائل اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے اس نے اعتماد سے کہا۔ وہ عزہ حسن درانی کو چڑا گیا تھا اپنی بات مکمل کر کے وہ ٹھہرا نہیں تھا۔ عزہ غم و غصے سے کانپتی دروازے کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر رہ گئی تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀ .... ❀

فائق حسن درانی کو رب تعالیٰ نے جہاں ہر نعمت سے نوازا تھا وہاں اولاد کی کمی گویا ہر سکون میں مضطراب در لاتی تھی۔ بارہا خاندان والوں کے مجبور کرنے پر بھی فائق حسن دوسری شادی پر آمادہ نہیں ہوئے تھے کہ زرینہ بیگم کو سوکن کا دکھ دینا انہیں گوارا نہیں تھا۔ بیگم درانی، فائق حسن کی والدہ کے مشورے پر انہوں نے کان نہیں دھرے' اس کے باوجود زرینہ بیگم کو ان کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا اولاد کی محرومی نے انہیں وہمی ہی نہیں شکی مزاج اور چڑچڑا بھی بنا دیا تھا۔ فائق حسن پر بے جا شک اور الزام تراشی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھنے لگی تب بھی فائق حسن ان کے ذہنی انتشار کو سمجھتے ہوئے تحمل و بردباری سے کام لیتے تھے' انہیں ہر بار سمجھاتے کہ وہ ان سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن زرینہ بیگم کے اندر اضطراب گھر کر گیا تھا کہ انہیں کسی پل چین نا آتا تھا۔ یتیم خانے سے چار پانچ سال کے عبدالمعید حسن کو لے کر گھر آ گئے تھے۔

زرینہ بیگم کسی طور بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھیں کہ یہ بچہ یتیم خانے کا لاوارث بچہ ہے ان کے خیال میں فائق حسن درانی نے چھپ کے شادی کی تھی جس کا یہ جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ اس کھلے الزام نے فائق حسن کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔ زرینہ بیگم اور بیگم درانی کا ایک ہی مطالبہ تھا اگر یہ بچہ واقعی یتیم خانے سے ایڈاپٹ کیا گیا ہے تو واپس کر دیا جائے جبکہ فائق حسن درانی کسی طور اس بات پر آمادہ نہیں تھے' انہوں نے بے شک اپنے دوست کے مشورے پر اس بچے کو اپنایا تھا لیکن پوری ایمان داری کے ساتھ اسے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ اللہ سے عمر بھر اس بچے کے ساتھ اپنے بیٹے جیسا سلوک روا رکھنے کا عہد دل ہی دل میں کرلیا تھا۔ اس آزمائش میں بدعہدی کر کے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے' جب ہی گھر کے ہر فرد پر اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے عبدالمعید کو اپنے بیٹے کا درجہ دیا تھا گزرتے وقت کے ساتھ بیگم درانی اور زرینہ بیگم نے عبدالمعید حسن کو قبول تو کرلیا تھا لیکن وہ محبت و پیار نہ دے سکیں جو فائق حسن کی اپنی اولاد کو حاصل ہونا تھا۔ عبدالمعید شروع سے ہی بہت صابر و شاکر شرمیلا بچہ تھا بے انتہا ذہن اور خاموش طبع اسے درانی ہاؤس میں آئے پانچواں سال تھا جب زرینہ بیگم کی خالی گود پر اللہ کو رحم آ گیا اور اتنے انتظار کے بعد چاند چہرہ ستارہ آنکھوں والی عزہ دنیا میں آئی۔ زرینہ بیگم کی جو توجہ کی خیرات کی طرح عبدالمعید حسن کی جھولی میں کسی سکے کی صورت کبھی کبھار کھنکھناتی تھی وہ بھی جاتی رہی عزہ چند ماہ کی تھی جب بیگم درانی عدم سدھار گئیں ان کے صدمے سے سنبھلتے ہی جو پہلا فیصلہ فائق حسن درانی نے کیا اسے سن کر زرینہ بیگم پوری جان سے لرز گئی تھیں۔ "آپ کو ایسا کرنے کے لیے میری لاش سے گزرنا پڑے گا حسن۔" وہ زندگی میں پہلی بار چلائی تھیں کمرے کے درو دیوار لرز اٹھے تھے۔

"اپنے دامن پر لگا یہ داغ دھونے کے لیے آپ نے بہت گھٹیا فیصلہ کیا ہے۔ وہ بے نام و نشان لڑکا میری بیٹی کے ہرگز قابل نہیں ہے عزہ بڑی ہو کر کبھی اس بات کو......"

"یہ بعد کا مسئلہ ہے عبدالمعید اور عزہ دونوں میرے جگر گوشے ہیں' دونوں میں سے کسی ایک کو بھی میں خود سے الگ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ جب ہی ایسا قدم اٹھا رہا ہوں۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" زرینہ بیگم پھنکاریں۔ "میں شوٹ کر دوں گی تمہارے اس ہوتے سوتے کو لیکن یوں اپنے جیتے جی اپنی بیٹی تمہاری ضد کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔" فائق حسن نے مزید بحث نہیں کی۔ زرینہ بیگم نے اس کو اپنی فتح سمجھا لیکن اگلا دن ان کے لیے قیامت خیز ثابت ہوا تھا جب فائق حسن درانی نے انہیں وہ حقیقت دکھائی نکاح نامے پر عزہ کے ننھے انگوٹھے کے نشان گواہ تھے کہ اسے بے خبری میں ہی اس کو منسوب کر دیا گیا ہے۔ فائق حسن یوں یہ کام کریں گے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ انہیں آنکھوں کے آگے اندھیرا اترتا محسوس ہوا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا گزرتا ہوا وقت ان کے دل میں عبدالمعید کے لیے نفرت بڑھاتا چلا گیا تھا۔ عزہ ماں کے زیادہ قریب رہی تھی یہی وجہ تھی کہ فائق حسن درانی کے لاکھ چاہنے کے باوجود بھی عزہ اسے وہ عزت و مقام نہیں دے سکی تھی جس کا وہ حق دار تھا۔ گو کہ وہ زرینہ بیگم کی مہربانی کے باعث ہی اور اس کے مابین اس نازک رشتے کو نہیں جان پائی تھی اس کے مزاج کی تیزی اور خودسری کی وجہ سے فائق حسن نے بھی یہی مناسب سمجھا تھا کہ اسے کچھ نہ بتایا جائے انہیں مناسب وقت کا انتظار تھا مگر اس سے پہلے ہی زرینہ بیگم اچانک بنا کسی وجہ کے ان سے بدگمان کی انتہا کر گئیں۔ اس عمر میں فائق حسن ایسا ہرگز نہیں چاہتے تھے مگر زرینہ بیگم کو قائل کرنا بھی ان کے بس سے باہر تھا۔ عزہ کو زرینہ بیگم کے اس فیصلے نے شدید ذہنی کرب کا شکار کر دیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے عبدالمعید حسن کو پاؤں کی جوتی کے برابر بھی نہ سمجھا تھا اس کے ہر کام میں نقص نکال کر ذلیل کرنے کی خواہش وہ ہمیشہ فائق حسن کی غیر موجودگی میں پوری کرتی تھی مگر اس کے باوجود فائق حسن ان کے درمیان حائل نفرت و بیگانگی کی ان دیکھی دیواروں کو محسوس کر گئے تھے۔

عبدالمعید حسن اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وطن لوٹا تو فائق حسن کی خواہش پر آفس سنبھالنے لگا عزہ کو جانے کیوں سراسر یہ اپنی توہین محسوس ہوئی' ان دنوں وہ تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی تعلیم ادھوری چھوڑ کر اس نے محض عبدالمعید کی ضد میں آفس آنا شروع کر دیا تھا۔ قدم قدم پر عبدالمعید حسن کو نیچا دکھانا اور بلاوجہ بے عزت کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا اور عبدالمعید حسن ہر بار کمال ضبط سے کام لیتا اور فائق حسن کو خبر تک نہ ہونے دیتا اسے اپنی اوقات یاد تھی۔ وہ بے نام و نشان ایسا شخص تھا جس پر اسی لڑکی کے باپ نے احسان عظیم کرتے ہوئے معاشرے میں مضبوط اور باعزت مقام دیا تھا۔ بلاشبہ یہ اس کے خدائے عظیم کی مہربانی کے بعد فائق حسن درانی کی بےلوث محبت کا ہی اعجاز تھا نہ وہ احسان فراموش تھا اور نہ ہی کم ظرف سو عزہ حسن درانی کی جانب سے ہونے والی ہر زیادتی چپ چاپ برداشت کر جاتا تھا۔ ہاں البتہ آئندہ زندگی کا تصور اسے حد درجہ مایوس رکھتا' عزہ سے کسی طرح بھی اسے اچھائی کی توقع نہیں تھی۔

وہ بھی عام دنوں جیسا دن تھا' عزہ کو ماما نے سرخ فراک پہنائی تھی۔ حسب معمول پاپا نے گھر آ کے پہلے اسے پیار کیا پھر اسکول میں ہونے والے کسی خاص واقعہ کی تفصیل اس سے سنتے ہوئے عزہ کو گود میں بٹھا کر پیار بھی کیا تھا، چائے پیتے ہوئے انہوں نے عبدالمعید کو نہا کر اچھے کپڑے پہننے کا آرڈر دیا تھا۔ وہ بارہ سالہ سمجھ دار بچہ تھا اپنے کام خود کر سکتا تھا اس کے باوجود پاپا نے خود

اس کے بال بنا کر شوز بھی پہنائے تھے۔ روٹین کے مطابق اسے اور عزہ کو لے کر پاپا گارڈن یا کسی آئسکریم پالر نہیں گئے بلکہ اپنے دوست کے گھر چلے آئے تھے' وہاں جو کچھ بھی ہوا کچھ خاص اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ پاپا نے اسے ایک فارم پر سائن کرنے کو کہا تھا اور اسے عزہ کا ہمیشہ خیال رکھنے اور اس سے محبت کرنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔

ماما نے کبھی بھی اسے عزہ کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی تھی' پاپا کی موجودگی میں بھی اگر وہ اس کا گال سہلا کر یا سر کے خوب صورت سلکی بالوں کو چھو کر نرمی محسوس کرنے کی کوشش کرتا تو ماما خونخوار نظروں سے گھور کر اس کو باز رہنے کا اشارہ کرتی تھیں۔ پاپا کی غیر موجودگی میں تو بلا دریغ اس کے گال پر تھپڑ لگا بھی دیتی تھی' وہ اب ان سے خائف سا رہنے لگا تھا مگر پاپا نے جب اسے بتایا تھا کہ یہ ننھی سی گڑیا جو اسے بہت پیاری ہے اب اسے دے دی گئی ہے اور وہ بڑی ہو کر اس کی دلہن بنے گی۔ تو اسے یوں لگا تھا جیسے دونوں جہاں کی دولت اس رب تعالیٰ نے اس کی جھولی میں ڈال دی ہو' اگلے کئی دنوں تک وہ بہت خوش رہا تھا' ساری رات اس نے صبح کا انتظار کیا تھا کب وہ اسکول جائے اور کب اپنے فرینڈز کو جا کر بتائے وہ ڈول عزہ بڑی ہو کر اس کی دلہن بنے گی۔

اس کا خیال تھا اس کے دوست اس پر فخر کریں گے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اسے نہیں بتایا تھا کہ ان کی ہونے والی دلہن کون سی ہے اور اس کا خیال سو فیصد درست تھا۔ نبیل' الیاس' شرجیل ہی نہیں عبدالباسط اور احمد ہی اس کی بات سن کر پہلے حیران ہوئے پھر رشک سے اسے دیکھنے لگے تھے' ان کی خواہش پر ہی وہ انہیں اپنی دلہن دکھلانے گھر لے آیا تھا۔ چار پانچ بچوں کا یہ ٹولہ زرینہ بیگم کو چونکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ انہوں نے نبیل سے ہی آنے کی وجہ دریافت کی تھی۔ نبیل جو بلا کا پُراعتماد اور منہ پھٹ تھا ساری حقیقت ان پر عیاں کر گیا تھا۔

زرینہ بیگم کے تو جیسے تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی والا معاملہ تھا، تمام بچوں کو ایک ایک تھپڑ لگا کر بھگانے کے بعد انہوں نے عبدالمعید کو ایسی چار چوٹ کی مار لگائی تھی کہ عبدالمعید خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ عبدالمعید نے کبھی عزہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے تھے۔ عزہ کی خود سے بے زاری اور نفرت اکثر اسے ہرٹ کرتی تھی۔ بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اور اس کے بیچ رشتے کی نوعیت کو بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ عزہ کے انداز اسے اکثر فکر مند کر جاتے تھے۔ وہ اسے خود سے بہت کمتر سمجھتی تھی' منہ لگانا بھی گوارا نہ کرتی' جب بھی بات کرتی انداز مالکانہ ہوتا جیسے وہ اس کا نوکر ہو' عبدالمعید حسن نے یہاں بھی درگزر اور برداشت سے کام لیا تھا۔ اکثر یہ خیال اس کو آتا کہ جب عزہ اپنے اور اس کے تعلق کو جانے گی تب کیا ہوگا۔ وہ اکثر آئینے میں خود کو دیکھتا تو دل خوش فہم ہو جاتا' قدرت نے بہت خوب صورتی سے اسے تخلیق کیا تھا مردانہ وجاہت سے مالا مال وہ لمبا چوڑا ابھر پور کڑیل جوان مرد تھا۔ اب تک بہت سی لڑکیاں دوستی کی خواہش میں اس کی طرف بڑھی تھیں مگر وہ تو عزہ کا تھا پھر کیسے کسی اور کی سمت متوجہ ہو جاتا اس کی نفرتوں کے باوجود وہ اس سے محبت کرتا رہا تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀ .... ❀

''کب سے ہیں ماما ہاسپٹل میں؟'' اس کے ہر انداز سے تشویش جھلک رہی تھی' ماما کو انجائنا کا اٹیک ہوا ہے یہ سن کر ہی وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''بیٹا...... تمہارے آمو (ماموں) نے مجھے تفصیل سے کچھ نہیں بتایا وہ کچھ گھبرائے ہوئے اور عجلت میں تھے بس یہی بتایا کہ انہوں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔'' اسے مضطربانہ انداز میں ہاتھ مسلتے دیکھ کر پاپا نے اٹھتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''پاپا...... آپ میری سیٹ کنفرم کروا دیں میں فوری جانا چاہوں گی۔''

''او کے بیٹا...... آپ تیاری کرو۔'' انہوں نے موبائل اٹھا کر نمبر پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔ عزہ گالوں پر لڑھکتی نمی ہاتھ کی پشت سے سمیٹتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی اسی لمحے عبدالمعید حسن چند فائلیں اٹھائے اندر چلا آیا عزہ کا آنسوؤں سے بھیگتا چہرہ اس کی گہری نگاہ سے چھپ نہ پایا وہ چونکا جبکہ عزہ اسے نظر انداز کرتی تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی۔

''پاپا یہ......'' وہ جیسے ہی سنبھل کر سیدھا ہوا فائق حسن کو بغور اپنا جائزہ لیتے دیکھ کر خجل سا ہوتے بات ادھوری چھوڑ گیا۔

''مجھے تمہاری یہی بات تو اچھی لگتی ہے کہ تم عزہ سے بہت محبت کرتے ہو۔'' ان کی آنکھوں میں بہت سے دیے جلے۔ عبدالمعید خفت سے سر کھجا کر ان سے نظریں چرا گیا' چہرے پر خفیف سی سرخی جھلک آئی تھی۔

''پاپا...... یہ فارن ڈیلیگیشن کی فائلز ہیں۔''

''چھوڑو عبدالمعید یہ بعد میں ڈسکس کریں گے ابھی میری بات غور سے سنو۔'' فائل اس کے ہاتھ سے لے کر بند کرنے کے بعد دوسری جانب رکھتے ہوئے انہوں نے جس غیر معمولی انداز میں اسے مخاطب کیا تھا وہ عبدالمعید کو چونکا گیا تھا۔ بنا کچھ کہے وہ خاموش نگاہوں میں سوال لیے انہیں دیکھنے لگا۔

''عزہ کی ماما کو انجائنا کا اٹیک ہوا ہے' عزہ سے ملنا چاہتی ہیں' میں عزہ کو بائی ایئر تنہا بھی بھیج سکتا ہوں لیکن میں یہ مناسب نہیں سمجھتا' تم اس کے ساتھ جاؤ گے۔'' بلا تمہید انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو عبدالمعید حسن تحیر بھرے انداز میں انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''پاپا......! وہ میرے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوں گی آپ شاید جانتے ہیں جب سے انہیں ہمارے رشتے کا پتا چلا ہے بہت برہم ہیں۔'' ان سے نظریں چرائے وہ بہت دھیمے انداز سے گویا ہوا۔

''یہ بہت معمولی سفر ہے' میں نے اسے عمر بھر کے لیے تمہارا ہمسفر بنایا ہے' اسے اپنے ساتھ مل کر چلنا سکھاؤ' سمجھ لو یہ اس کی شروعات ہے' وہاں سے واپسی پر میں عزہ کی تم سے باقاعدہ رخصتی کی رسم ادا کرنے والا ہوں۔ اب تم جاؤ اور اپنی تیاری کرو۔'' فائق حسن نے اس کا مضبوط شانہ تھپتھپایا اور اسے دیکھ کر کھل کر مسکرائے عبدالمعید آنے والے وقت کے خدشات میں گھرا جواباً مسکرا بھی نہیں سکا تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀ .... ❀

ابھی کچھ دیر قبل فائق حسن عجلت میں آفس کے لیے نکلے تھے ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اور یہ تاکید کرتے ہوئے کہ عبدالمعید پورچ میں اس کا منتظر ہے' کتنا کڑھی تھی وہ عبدالمعید کا دم چھلا ساتھ لگنے پر لیکن پاپا کی جانے کون سی حس کی تسکین ہوتی تھی اسے نیچا دکھا کر' اپنی منوا کر، کتنے آسان اور محبت سے اسے قائل کر لیا تھا۔ اس کا سارا احتجاج' تمام ضد دھری رہ گئی تھیں۔ جہاز کی سیٹ کوشش کے باوجود نہ مل سکی اسے پاپا کے اس بیان میں بھی صداقت محسوس نہ ہوئی لیکن اس نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ عبدالمعید کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی خاطر جان بوجھ کر انتظار کی زحمت ضرور بخشی تھی۔ عبدالمعید کی ہمراہی میں اتنا طویل سفر اسے ابھی سے بے زار کیے دے رہا تھا۔ برآمدے کی سڑھیاں اتر کر پورچ کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے اٹھی گاڑی کے بند دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا موبائل فون پر بات کرتا ہوا وہ شخص کوٹ پینٹ میں ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا مگر وہ عزہ حسن درانی تھی جس کے پاس ایسے کسی جذبے کا گزر نہیں تھا۔ عبدالمعید نے اسے دیکھ کر گفتگو کا سلسلہ سمیٹ کر موبائل جیب میں رکھا اور اس کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اول تو ایسا کبھی ہوا نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ کہیں جائے ایک دو بار ایسا ہوا تھا تب اسی نے بہت شاہانہ انداز میں پچھلی سیٹ کو رونق بخش کر پوری طرح اسے اس کی حیثیت سے آگاہ کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عبدالمعید نے بنا کہے ہی اس کے لیے پچھلا دروازہ

کھول دیا مگر اگلا لمحہ اس کے لیے ناقابل یقین منظر لیے تھا۔ عزہ نخوت بھرے انداز میں کھلے دروازے کو نظر انداز کرتی فرنٹ دوازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی' گویا یہ بھی اس کی انسلٹ کا ایک انداز تھا۔ عبدالمعید حیران کھڑا اسے دیکھتا رہا' دل میں خوش فہمی ضرور جگہ بنائی اگر وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ چکا ہوتا غیر محسوس انداز میں سنبھلتے ہوئے اس نے پچھلا دروازہ بند کیا پھر قریب کھڑے ملازم کو پاپا کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ ہرے رنگ کے نفیس سوٹ میں شانوں پر دوپٹا پھیلائے وہ اس سے یکسر بے نیاز دکھائی دی تھی جبکہ عبدالمعید حسن اس کی قربت میں اپنا آپ پگھلتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی خوب صورتی اسے اپنا ہر استحقاق استعمال کر جائے پر اکسانے رہی تھی ان ہی احساسات سے خائف سا ہو کر اس نے بھرپور توجہ ڈرائیونگ کی سمت مبذول کرلی تھی' اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو ہاتھ بڑھا کر ٹیپ آن کردیا' سجاد علی کی مدھر آواز دھیمے سروں میں گاڑی کی فضا میں گونجی تب عزہ نے حد درجہ ناگواریت سمیت اسے دیکھا پھر تنفر بھرے انداز میں ٹیپ بند کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

❀……❀……❀……❀

اندھیرا پھیل گیا تھا اونچے نیچے پتھریلے راستوں کا سلسلہ شروع ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ مسلسل ڈرائیونگ کی وجہ سے عبدالمعید حسن تھک گیا تھا' مزید چند منٹ کی ڈرائیو پر ایک ریسٹ ہاؤس تھا اس کا ارادہ وہاں رات بسر کرنے کے بعد صبح تازہ دم ہو کر آگے بڑھنے کا تھا تب ہی شانے پر بوجھ محسوس کر کے وہ خیالات کی نگری سے چونکتے ہوئے ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ عزہ بے خبر سوئی اس کے شانے سے آ لگی تھی سلکی دوپٹا شانوں سے سرک کر گود میں جا پڑا تھا۔ وہ دل پسند مسحور کن سراپا عالم غفلت میں ہی سہی خود سپردگی دے گیا تھا۔ عبدالمعید چند ثانیے کو حرکت بھی نہ کر سکا' دل گویا اس لمحے دھڑک دھڑک کر اپنے ہونے کا حساس جگانے لگا تھا۔ اس کے ہوش ربا حسن سے نظریں چراتے ہوئے عبدالمعید نے ریسٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی روک کر دوبارہ اسے دیکھا۔ وہ ہنوز اس کے بازو سے لگی گہری نیند کی آغوش میں تھی۔ اس کی قربت میں یہ مدہوشی کی نیند اس کے بھرپور اطمینان کی غماز تھی۔

''عزہ اٹھیں ہماری منزل آ گئی ہے۔'' اب کہ وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔ عزہ ذرا سا کسمسائی پھر آنکھیں کھول کر دوبارہ سو جانے کا ارادہ لے کر آرام دہ پوزیشن میں لیٹنا چاہا تو عبدالمعید نے اس کا بازو ہلایا تو گویا اسے گویا کرنٹ لگا تھا' عبدالمعید اس پر جھکا ہوا تھا اور اس کا دوپٹا عبدالمعید حسن کے ہاتھ میں تھا۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' وہ بدکتے ہوئے اس سے دور ہٹ کر کھڑکی سے جا لگی' شدید ناگواری برقی رو بن کر پورے بدن میں سرایت کر گئی تھی۔ اس بے اختیاری کے احساس کو محسوس کرتے ہی اس کا آنچل عبدالمعید کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا جسے عزہ نے جھپٹنے کے انداز میں اٹھا کر اپنے وجود پر پھیلایا تھا۔

''میری بے خبری سے فائدہ اٹھا رہے تھے تم۔'' اس کے ہر انداز سے بے پناہ درشتگی چھلک رہی تھی۔

''شٹ اپ۔''

''تم چیخ کر اپنی پوزیشن کلیئر نہیں کر سکتے۔'' وہ جواباً اسی سرد مہری سے غرائی' عبدالمعید لب بھینچ کر غصہ ضبط کرنے لگا تھا۔

''میں نے ہی غلطی کی کہ تم جیسے انسان کے ساتھ چل پڑی' پاپا کو جانے کیا نظر آتا ہے تم میں۔'' وہ جیسے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی مگر عبدالمعید حسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''ہر طرح سے پہنچ میں ہو میری۔ کتنے گھنٹوں سے میرے ساتھ ہو مگر میں نے تمہیں غلط ارادے سے چھونا تو درکنار ترچھی نگاہ تک نہیں ڈالی اگر میں اپنی سطح سے ذرا سا نیچے آ جاؤں تو تمہیں اپنی پارسائی کے لیے بھی مجھ تک واپس آنا پڑے گا۔ بولو اگر میں ایسا کر گزروں تو روک سکو گی مجھے؟'' عزہ کے گھبرائے ہوئے چہرے پر نظریں گاڑے وہ چبا چبا کر بولا تو عزہ کی چھلکتی خوف زدہ آنکھوں میں ہر منظر دھندلا گیا' خود کو مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر محسوس کر کے حواس بھی بکھرتے محسوس ہوئے تھے وہ جیسے خود کو سرد ہواؤں کی زد میں محسوس کرتے ہوئے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کر سکی تھی۔ اس کی زرد پڑتی رنگت اور تیزی سے بھیگتے رخسار عبدالمعید کو لہجہ بدلنے پر مجبور کر گئے تھے۔

''لیکن بے فکر رہیں میں بقول آپ کے کمینہ' گھٹیا انسان نہیں ہوں آپ تک آنے کے لیے ضابطے کی تمام کارروائیوں کا انتظار بہرحال ضرور کروں گا' اب اٹھیں ہمیں اس ریسٹ ہاؤس میں رات بسر کرنا ہے۔'' عزہ جو تب سے نگاہیں کترائے بیٹھی تھی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تب عبدالمعید اس مشکل امر کے یوں آسانی سے حل ہو جانے پر دل ہی دل میں حیران ہوتا خود بھی دروازہ کھول کر ریسٹ ہاؤس میں داخل ہو گیا تھا۔

❀……❀……❀……❀

''کچھ دیر میں کھانا آ جائے گا آپ چاہیں تو تب تک فریش ہو لیں۔'' عبدالمعید اس کے بے زار چہرے پر نگاہ ڈال کر سرسری انداز میں گویا ہوا' عزہ نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ آرام سے صوفے پر نیم دراز ہو گیا تو وہ بغور اس کو دیکھنے لگی۔

''تو کیا یہ بھی اس کمرے میں میرے ساتھ ٹھہرے گا؟'' یہ خیال ہی اس کو خوف زدہ کر گیا۔

''تم مجھے میرے روم کی چابی دو میں وہیں جانا چاہتی ہوں۔'' اپنے اضطراب کو دبا کر بظاہر دبنگ لہجے میں بولی تو عبدالمعید جو کمرے میں رکھے صوفے پر نیم دراز تھا یکلخت اٹھتے ہوئے اس کے قریب آن ٹھہرا اتنا قریب کہ اس کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہوئی وہ یوں بدک کر پیچھے ہوئی جیسے بچھو نے ڈنگ مارا

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل

ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

81 تھیر ہیرکس ہائی کنگ آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

فون نمبرز: +922-35620771/2
naeyufaq.com
Info @naeyufaq.com

ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" ہزار چاہنے کے باوجود وہ اپنی بدحواسی پر قابو نہ پاسکی۔

"بدتمیزی نہیں اسے شاید محبت کہتے ہیں یا پھر رومینس......" وہ اس کی الجھی لٹ کو انگلی پر لپیٹ کر محظوظ نگاہ اس کے متغیر چہرے پر ڈال کر مسکرایا۔ عزہ حیرت و صدمے سے گنگ رہ گئی۔

"ہوگئیں ناں پریشان...... حالانکہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں ایسا کوئی کام ہرگز نہیں کروں گا جس سے میری ذات یا پاپا کی تربیت پر حرف آئے۔ تشریف لائیے اور ایزی رہیں۔" نرمی سے کہتا وہ آہستگی سے پلٹا مگر عزہ کی سرد آواز پر اپنی جگہ چونک کے تھم گیا۔

"تم جیسے بودے اور بے اعتبار شخص پر میں بھروسا کروں گی یہ تم نے سوچا بھی کیسے مجھے تمہارے ساتھ یہاں نہیں رہنا۔ مجھے دوسرے روم میں جانا ہے۔" پاؤں پٹخ کر ازلی ضدی انداز میں کہا تو عبدالمعید اسے براہ راست دیکھنے لگا۔

"اس ریسٹ ہاؤس میں اس وقت تمام کمرے فل ہیں، قسمت سے یہ کمرہ ہمیں مل گیا شکر کریں ورنہ ساری رات گاڑی میں گزارنا پڑتی۔" وہ دھم سے بستر پر گرتا ہوا بولا تو عزہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

پندرہ دنوں کے قیام کے بعد وہ بائی ایئر واپس پاپا کے پاس لوٹ آئی تھی۔ عبدالمعید اسے وہاں پہنچا کر اگلی صبح ہی اس سے ملے بغیر واپس چلا آیا تھا۔ ماما کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں تھی، عزہ جب تک وہاں رہی دل پر عجیب سا بوجھ محسوس کر کے افسردہ رہی تھی جس سے اس کے دل کے تمام تعلق جڑے ہوئے تھے اس سے دوری ناقابل برداشت تھی۔ جب ہی وہ ماما کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس چلی آئی مگر یہاں آتے ہی ایک نئی قیامت اس کی منتظر تھی۔ پاپا اس کی شادی کی تاریخ طے کر کے کارڈ چھپوا کر عزیز و اقارب تک پہنچا دیے تھے۔

وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"پاپا......! میں نے آپ سے کہہ دیا تھا مجھے یہ سب منظور نہیں ہے۔" خاصی دیر بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئی تب اس نے کہا۔ انہوں نے دوٹوک انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

"اس کے علاوہ ہر بات سنوں گا تمہاری مگر یہ نہیں...... تمہاری شادی اگر ہوگی تو صرف عبدالمعید سے ورنہ دوسری صورت میں تم ہمیشہ کے لیے مجھے کھو دو گی۔" ان کے لہجے میں برف کی سی سرد مہری تھی۔ عزہ ہل کر رہ گئی۔

"پاپا......!" اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔

"جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے تلخی سے کہا تب وہ ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھتی پلٹی کہ چوکھٹ پر ایستادہ عبدالمعید کو دیکھ کر اسے اپنا وجود بھڑ بھڑ جلتا محسوس ہوا تھا نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتی وہ تیزی سے اس کے قریب سے نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

ہوٹل سے گھر واپسی تک رات خاصی بھیگ گئی تھی اس کی کزنز اور سہیلیوں نے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کے دوران اسے عبدالمعید کی خواب گاہ تک پہنچا دیا تھا۔ حجلہ عروسی کو نہایت خوب صورتی سے آراستہ کیا گیا تھا مگر عزہ کے جامد احساسات کو کوئی بھی لطیف جذبہ پگھلانے میں بڑی طرح ناکام رہا تھا۔ عبدالمعید حسن نے جس لمحے خواب گاہ میں قدم رکھا عزہ برائیڈل ڈریس چینج کرنے کے بعد ڈریسنگ سے باہر آئی تھی، اسے دیکھ کر بھی نظر انداز کرتی سنگار میز سے کلینزنگ ملک اٹھا کر کلینزنگ کرتے ہوئے وہ گویا مکمل طور پر اس کے وجود کو فراموش کر گئی تھی۔ عبدالمعید چند ثانیوں تک اس کے نقوش سے جھلکتی رعونت و نفرت کو تکتا رہا پھر خاموشی سے پلٹ کر واش روم میں بند ہوگیا تھا کچھ دیر بعد باہر آیا اور مالکانہ استحقاق کی بے تکلفی سمیت شرٹ اتار کر بستر پر بیٹھ گیا، عزہ نے حد درجہ ناگواریت سمیت اس کی اس حرکت کو

دیکھا پھر زور سے کلینزنگ ملک کی بوتل میز پر پٹخ کر بیڈ کے دوسرے سرے پر لیٹتے ہی تکیہ منہ پر رکھ لیا تھا۔

"عزہ......" آہستگی سے پکارا، لہجہ اتنا دھیما، گمبھیر اور جذبات سے بوجھل تھا کہ عزہ کے دل نے پہلی بار انوکھے انداز میں دھڑک کر اسے حیران کر دیا تھا۔

"عزہ...... آپ جو سمجھ رہی ہیں......"

"نو آرگومنٹ۔" دفعتاً وہ غرائی۔

"تم یہ سوچ کر خوش ہو رہے ہو کہ عزہ کو حاصل کر لیا اونہہ مائی فٹ...... یہ ہوتا ہے حاصل کرنا، خالی خولی کسی کے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑ لینا فتح نہیں ہے۔ اصل جیت دلوں کی جیت ہے جو تم کبھی نہیں پا سکتے۔" اس کے غرا کر کہنے پر عبدالمعید جھٹکے سے اٹھا اور اسی انداز میں کمرے سے نکل گیا۔ عزہ نے تنفر بھرے انداز میں سر جھٹک کر لائٹ آف کر کے بیڈ پر گر گئی۔ وہ رات کا ہی کوئی پہر تھا جب غنودگی کے عالم میں ہی اس نے اپنے قریب سرسراہٹ محسوس کی تھی، اس سے قبل کہ کچھ سمجھ پاتی اس نے اپنا آپ مضبوط گرفت میں جکڑا محسوس کیا، ماہی بے آب کی مانند مچلتے ہوئے وہ اس ان چاہی قربت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر مخالفت کا انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ بہت جلد اس کی تمام تر مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

نیند پوری ہو جانے کے باوجود بھی وجود پر عجیب سا بوجھل پن طاری تھا رات اس کی جبری جسارتوں اور اپنی بے بسی کا احساس اس کے دل و دماغ کو سلگائے دے رہا تھا مزید کچھ دیر یوں ہی بستر پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ کر دریچے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ سردیوں کی روشن دھوپ پوری طرح پھیل گئی تھی، سرسبز لان میں دھری کرسیوں پر براجمان عبدالمعید ٹریک سوٹ پہنے فائق حسن سے محو گفتگو تھا۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بکھرے بال سنوارتا نکھرا نکھرا سا یہ شخص رات اس کے لیے کسی درندے سے کم ہرگز نہیں رہا تھا۔

اس کا جی چاہا بھاگتی ہوئی جائے اور تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دے جانے اس کی محویت کا کمال تھا یا پھر کچھ اور کہ عین اسی پل عبدالمعید نے بھی نگاہ اٹھائی تھی، نظروں کا یہ تصادم عزہ کے حلق تک میں کڑواہٹ بھر گیا تھا، وہ جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی اور یوں ہی تیزی سے واش روم میں جا گھسی تھی۔ شاور کھول کر کتنی دیر تک اپنا آپ بھگوتی وہ اندر بھڑکتے الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی تھی۔ باتھ گاؤن پہن کر جس وقت باہر آئی عبدالمعید حسن گنگناتے ہوئے ٹائی کی ناٹ لگاتا آئینے میں اس پر نگاہ جمائے مسکرا رہا تھا۔

"میں نے سنا تھا دل کو دل سے راہ ہوتی ہے آج یقین بھی آ گیا ہے، ہم نے یاد کیا اور آپ حاضر......" ٹائی سیٹ کرنے کے بعد وہ ایک پل کی تاخیر کیے بنا اس کے راستے میں حائل ہوا اور اس کی پیشانی پر لہراتی نم آلود لٹ چھیڑتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ عزہ کے سرخ و سفید اجلے چہرے پر حقارت در آئی تھی۔

"دور رہو مجھ سے اگر تم نے پھر مجھ سے زبردستی کی کوشش کی تو میں اپنا آپ ختم کر لوں گی۔" اس کو پھلوں کی ٹوکری سے چھری اٹھاتے دیکھ کر عبدالمعید کے اندر سراسیمگی بھر گئی تھی۔ اس کے بپھرے وجود کو قابو کرنے کے بعد احتیاط سے چھری لے کر واپس ٹوکری میں رکھی تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔ عزہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے رو دی، پُرسوز گلاب چہرہ آنسوؤں کی روانی اور ہچکولے کھاتا اس کا نازک وجود عبدالمعید کا دل مضبوط رہنے میں ڈول کر رہ گیا تھا۔ اس کی محبتوں کی بارشوں میں بھیگ کر وہ تر و تازہ ہونے کی بجائے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ رات اس کے غرور کو پاش پاش کرنے کی خواہش اس قدر شوریدہ تھی کہ وہ انجام سے بے خبر مردانگی کا تسلط آزما گیا تھا۔

"عزہ...... آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا پلیز چپ ہو جاؤ اور پانی پیو۔" جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس کے قریب آتے ہوئے وہ

ندامت بھرے انداز میں بولا۔ عزہ کے چہرے کے نقوش میں تضحیک کا تاثر ابھرا۔

"نہیں چاہیے مجھے تمہاری ہمدردی۔ ناؤ گیٹ لاسٹ دوبارہ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" آنسو بہاتی ریشمی پلکیں اور انگارے برساتے نازک لب نفرت کے اس اعلیٰ مظاہرے پر عبدالمعید کے ہاتھ میں پکڑا گلاس چھوٹ کر زمین بوس ہوگیا اور غصے کی شدت سے اس کا وجیہہ چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ لب بھینچتے ہوئے وہ چند لمحے تک پُرسوچ نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ عزہ اس کی سوچ سے بے خبر ہنوز ماتمی کیفیت کے زیر اثر تھی۔

❁……❁……❁……❁

عبدالمعید اس روز کے بعد بہت محتاط ہوگیا تھا دوبارہ نہ تو اس کی سمت پیش رفت کی نہ بات چیت کرتا تھا۔ پاپا کی موجودگی میں البتہ اس کی ذات سے بے نیازی ظاہر نہیں کرتا تھا کسی نہ کسی بات پر اس کو مخاطب کرتا بلکہ شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لگاوٹ بھرے انداز میں اسے کوئی نہ کوئی ڈش بھی پیش کرتے کھانے پر اصرار بھی کرتا تھا۔ ایسے لمحے میں عزہ کا جی چاہتا کہ اس کا منہ نوچ لے اس کی جامد چپ کو پاپا کے بزنس ٹور کی خبر نے پاش پاش کیا تھا۔ عبدالمعید کے ساتھ تنہا رہ جانے کا خیال ہی اسے ایک بار پھر خوف زدہ کر گیا تھا۔

"آپ نہیں جائیں پاپا۔" اس کی بچکانہ فرمائش پر فائق حسن مسکرائے بنا نہ رہ پائے تھے۔

"یہ بزنس ٹور ہے پھر تم تنہا تو نہیں ہو آپ کو کیئرنگ اینڈ لونگ پارٹنر دیا ہے لائف انجوائے کرو سویٹ ہارٹ۔" اس کے شانوں پر بازو پھیلاتے ہوئے انہوں مخصوص انداز میں کہا مگر عزہ کے اندر ہوک سی اٹھی تھی اگر پاپا عبدالمعید کی بجائے کسی اور کو اس کا ہمسفر منتخب کرتے تب یقیناً وہ خوش باش نظر آتی۔

"پاپا میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی پلیز پاپا آپ رک جائیں اگر بہت ضروری ہے جانا تو اسے بھیج دیں۔" ان کے شانے سے چہرہ ٹکائے منمنائی۔ پاپا کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی۔

"اسے...... یو مین عبدالمعید حسن کو؟" عزہ نظریں چرا گئی تب فائق حسن نے گہرا سانس لیتے ہوئے چند ثانیے توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔

"عبدالمعید خود بھی یہی کہہ رہا تھا میں نے ہی منع کردیا۔ مجھے اچھا نہیں لگا شادی کے شروع دنوں میں وہ بزنس میں مصروف ہوکر تمہیں بالکل بھول جائے۔" عزہ کچھ نہیں بولی یا شاید اس کے پاس مزید کہنے کو کچھ نہ بچا تھا۔

"تم عبدالمعید کے ساتھ خوش نہیں ہو؟" انہوں نے جانچتی نظروں سے اس کو دیکھتے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔ عبدالمعید فوراً بولا۔

"آپ کی فلائٹ میں چالیس منٹ باقی ہیں یہاں سے ایئرپورٹ تک پچیس منٹ کی ڈرائیو ہے۔" ریسٹ واچ دیکھتا ذمہ دارانہ انداز میں انہیں مطلع کرتا عزہ کو وہ زہر لگا۔

"اوکے بیٹا چلتا ہوں اللہ حافظ۔" فائق حسن نے اٹھتے ہوئے اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر جیسے کچھ یاد آنے پر عبدالمعید کو دیکھ کر تنبیہہ انداز میں بولے۔

"عبدالمعید اگر تم نے میری بیٹی کا خیال نہ رکھا تو بالکل بات نہیں کروں گا میں تم سے یاد رکھنا۔" عبدالمعید اس دھمکی پر سٹپٹا کر عزہ کو دیکھنے لگا جو چہرے پر بےزاری کے تمام تاثرات سجائے بے نیاز کھڑی تھی۔

"عزہ کے ساتھ سے مطمئن ہو؟" عبدالمعید گاڑی مین روڈ پر لے آیا جب کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے سوال کیا تھا۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"آف کورس پاپا۔" مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے وہ بھرپور بشاشت کا تاثر دیتے ہوئے بولا تو فائق حسن نگاہ کا زاویہ بدل کر براہ راست اسے

دیکھنے لگے۔

"آر یو شیور؟" ان کی آنکھوں میں محسوس کی جانے والی بے یقینی تھی عبدالمعید ان نگاہوں کا مقابلہ نہ کر پایا تھا۔ نظریں چراتے ہوئے پھیکے سے انداز میں ہنس دیا۔

"آپ وہمی کب سے ہوگئے ہیں پاپا؟" فائق حسن کے چہرے پر ان گنت دکھوں کے سائے لرزنے لگے عبدالمعید کو ان کی حالت اس جواری کی طرح لگی جو اپنا سب کچھ ہار کر خالی ہاتھ رہ گیا ہو اسے ان سے دلی ہمدردی تھی جب ہی اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹا کر ان کے ہاتھ پر رکھ کر تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

"پاپا مجھ پر بھروسا نہیں ہے آپ کو؟ اگر کہیں کچھ صحیح نہیں بھی ہے تو پلیز ٹرسٹ می پاپا میں ان شاءاللہ اسے ٹھیک کرلوں گا بس کچھ وقت درکار ہے۔" فائق حسن کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں واپس آؤں تو مجھے گرینڈ پا بننے کی نوید سنانا پھر میں بھی یقین کرلوں گا تم غلط نہیں کہہ رہے۔" ان کے یوں ایک دم موضوع بدل کر شریر ہوجانے پر عبدالمعید جھینپ کر مسکرا دیا۔ گاڑی بہت تیزی سے ایئرپورٹ کی سمت دوڑ رہی تھی۔

❁……❁……❁……❁

عزہ معمول کے مطابق ہر شام ہی عبدالمعید کے گھر آنے سے پہلے اپنے کمرے میں مقید ہوگئی تھی۔

"عزہ......" اپنے نام کی پکار پر چونکتے ہوئے تھم سی گئی۔ وہ گھر اور کمرے میں آیا وہ بے خبر تھی مگر یہ محض ایک لمحے کی بات تھی اگلے ہی پل وہ تیزی سے کمرے سے بھاگ جانا چاہتی تھی کہ عبدالمعید اس کا ارادہ بھانپتا ہوا سرعت سے اس کے راستے میں حائل ہوگیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ راستہ چھوڑو۔" وہ خوف زدہ ہوکر بولی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عبدالمعید پھر سے اس کی ذات پر زبردستی اپنا حق استعمال کرے۔

"میں کچھ نہیں کروں گا آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔" اس کے دلکش نقوش کو آنکھوں کے رستے دل میں اتارتے ہوئے وہ گمبھیر سنجیدگی سے بولا تب بھی عزہ کی تیوری کے بل کم نہیں ہوئے تھے۔

"لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنا انڈر اسٹینڈ اب جاؤ یہاں سے۔" اس کا انداز سخت لہجہ گستاخانہ اور کسی حد تک غصہ دلانے والا تھا۔

"تو آپ ایسے نہیں مانیں گی۔" بھنچے ہوئے لہجے میں کہتا وہ جھپٹنے کے انداز میں سختی سے اس کا بازو دبوچ کر غرایا۔

"کہاں چلیں اپنے بیڈروم میں یا یہیں۔" عزہ کو وہ سراسر اپنا مضحکہ اڑاتا محسوس ہوا۔ اس تذلیل پر اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں عبدالمعید اسی سختی سے اس کا بازو پکڑے کھینچتا ہوا اس کو کمرے میں لایا اپنے پیچھے دروازہ بند کرنے کے بعد اسے بستر پر دھکا دیا۔

"کیا سوچا ہے آپ نے اس طرح کیسے زندگی گزرے گی۔" اس کے لہجے میں تھکن تھی رخ پھیرے کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا عزہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا اور قدرے مطمئن ہوکر ہاتھ کی پشت سے رخسار رگڑ ڈالے۔

"تمہیں کس نے کہا کہ مجھے تمہارے سنگ زندگی بتانا ہے؟" اس کا سلگتا ہوا لہجہ عبدالمعید کو چونکا گیا۔

"مجھے اب تمہیں بتا ہی دینا چاہیے۔" وہ اٹھتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا رکی جبکہ عبدالمعید سوالیہ نگاہوں سے اس کی پشت پر بکھرے ریشمی بالوں کو دیکھنے لگا۔

"تم جانتے ہو میں شادی سے پہلے بھی تمہارے ساتھ پر راضی نہ تھی میری خواہش اب بھی وہی ہے یعنی طلاق جو تمہیں بہرحال مجھے دینا ہے سیدھے طریقے سے نہ سہی تو میں خلع لے لوں گی۔" عبدالمعید سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔

"تم مذاق کر رہی ہو عزہ۔ اب جبکہ ہماری شادی ہوگئی ہے ہم ایک بھی ہوگئے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے۔"

بہت دیر بعد وہ سناٹوں سے باہر آیا تو دھیمی آواز میں بولا جواباً عزہ زہر خند سے ہنسی دی۔

"اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے مسٹر عبدالمعید' میں جانتی ہوں میں کبھی تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی' کبھی محبت نہیں کر سکتی اور ان دو چیزوں کے بغیر زندگی نہیں گزرتی سو بہتر یہ ہی ہے کہ تم مجھے آزاد کر دو۔" عبدالمعید اسے دیکھتا رہ گیا۔

"پاپا کی تم فکر نہ کرو بس صبر آ ہی جائے گا کوئی بھی دکھ عمر بھر انسان کے ساتھ نہیں رہتا۔" وہ بے پروائی سے کہتی اسے خود غرض کی انتہاؤں پر محسوس ہوئی۔

"مگر تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟ جبکہ تمہارے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں۔" وہ جیسے گہرے کرب سے دوچار تھا شاید امید کا کوئی جگنو ابھی بھی بند مٹھی میں زندہ تھا۔

"یہ تم نے کیسے سوچا میرے پاس دوسرا راستہ نہیں۔ راستہ بھی ہے اور چوائس بھی تم بس فیصلہ کرو اور جلد سے جلد مجھے اس بے نام بندھن سے آزاد کر دو۔" عبدالمعید کو اپنا وجود بلاسٹ ہوتا محسوس ہوا غیر یقین آنکھوں میں تحیر لیے وہ ساکت سا اسے دیکھتا رہا پھر اسی خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

عزہ کا چہرہ خوشی کے بے پایاں احساس سے تمتما رہا تھا جھلمل کرتی آنکھیں اعزاز الحسن کے چہرے پر ٹکائے ہوئے تھی۔

"اعزاز کیا سوچ رہے ہیں؟" اس کی چہکتی آواز اعزاز کو سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی۔

"یہی کہ اتنی چھپ چھپاتے شادی کر لی اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی۔" وہ شاکی ہوا تو عزہ کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔

"میرا اس سے شادی نبھانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اعزاز۔ میں تمہاری منتظر تھی وہ بہت جلد مجھے طلاق دے رہا ہے پھر ہم شادی کریں گے' کرو گے ناں؟" وہ جانے کیوں یقین چاہ رہی تھی اعزاز مسکرا دیا پھر موضوع بدل کر بولا۔

"کہاں ہے؟ وہ ملواؤ گی نہیں اس سے۔" اس کے لہجے میں تضحیک کا پہلو نمایاں تھا۔

"کیا کرو گے مل کر...... فضول بندہ ہے۔" وہ مسکرائی تو اعزاز کی گردن کی کلف مزید بڑھ گئی۔

"پاپا تو بزنس ٹور پر گئے ہیں البتہ وہ یہیں ہے لیکن اس وقت آفس میں بزی ہوتا ہے تم کہتے ہو تو اس کو فون کر کے بلوا لیتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو عزہ بے چین سی ہو گئی۔

"جا رہے ہو؟" اس کی بے چینی پر وہ بھرپور طریقے سے مسکرایا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے اپنے پہلو میں کھینچ لیا۔ یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وہ سنبھلے بغیر اس کی بانہوں میں آ گئی تھی۔ اعزاز کے توانا بازوؤں کا حصار اس کے نازک سراپے کے گرد سختی سے تن گیا تھا۔

"یہ......! یہ کیا کر رہے ہو اعزاز چھوڑ دو مجھے۔" یہ لمس نہیں تھا گویا بجلی کے ننگے تار تھے جو پورے وجود میں برقی رو کی طرح دوڑا تا شدید کرب میں مبتلا کر گیا تھا۔

"ہم شادی کرنے والے ہیں ناں پھر یہ گریز ہچکچاہٹ کیسی؟" وہ اس پر جھکتا ہوا مکروہ ہنسی ہنسا تو عزہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی تیز لہر دوڑ گئی کچھ غلط ہونے کا احساس بہت شدت سے رگ و پے میں دوڑا تھا۔

"شش...... شادی کے بعد ابھی تو گناہ ہے۔" سراسیمگی وحشت اور خوف کے باعث اس کا لہجہ کانپا' دودھیا گلابی چہرہ آن واحد میں زرد پڑا تھا بھرپور مزاحمت بھی اس تنومند وجود کے سامنے بے اثر تھی۔

"اونہہ...... گناہ تمہیں کیا غرض گناہ ثواب سے' گناہ تو یہ بھی ہے کہ تم اپنے شوہر سے بے وفائی کر رہی ہو۔" طنزیہ نظریں' زہریلا لہجہ اور تضحیک آمیز انداز وہ سہہ نہ پائی' بے بسی' نفرت اور غم و غصے کی شدید یلغار نے اس کے حواس چھین لیے تو بپھر اٹھی۔

"ذلیل' کمینے تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی' کمزور سمجھ رکھا ہے مجھے۔" وہ چلاتے ہوئے اس پر پل پڑی مگر مخالف بھی اتنا بے خبر نہیں تھا شیطانیت پوری طرح اس پر سوار تھی۔

"جو جیسا ہوتا ہے ہم ویسا ہی اس سے سلوک کرتے ہیں' تمہارا کیا خیال تھا میں تم سے شادی کر لوں گا؟ ایک ہاری ہوئی' مسلی ہوئی عورت سے' میں تو بس موقع کی تلاش میں تھا تمہارے جیسی عورتوں کو ہم بہتی گنگا سمجھتے ہیں جس سے ہر کوئی فیض یاب ہوتا ہے۔" عبدالمعید اپنے دھیان میں اندر آیا تھا سامنے کا منظر دیکھ کر اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ عزہ کسی غیر مرد کی بانہوں میں مچل رہی تھی خود کو آزاد کرانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ عبدالمعید نے اعزاز کو ایک ہی جست میں جا لیا تھا پہلا تھپڑ ہی اس قدر زوردار تھا کہ اعزاز لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے دونوں گتھم گتھا ہو گئے تھے عزہ کی بکھری حالت اس شخص کی وجہ سے تھی اور عبدالمعید آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ عزہ نے اعزاز کو پٹتے دیکھا تو عجیب سی طمانیت اندر سرایت کرتی محسوس کی اور خود سے بھی نظریں چراتی چپکے سے نکل گئی تھی جبکہ عبدالمعید ہنوز اعزاز پر قہر بن کر ٹوٹ رہا تھا۔

اعزاز الحسن عزہ کا کلاس فیلو تھا۔ اس کے حسن سے مغلوب ہو کر اعزاز نے اس سے دوستی کی تھی اور پھر دوستی اتنی گہری ہو گئی کہ بات شادی پر آ گئی تھی۔ کالج میں اعزاز ویسے ہی بدنام تھا پر عزہ نے اس کی بدنامی کو کہاں خاطر جانا تھا اور اب وہ پچھتا رہی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

"بابا کیا بات ہے آج کل بہت ذائقہ آ گیا ہے آپ کے ہاتھ میں؟" فرائی فش کا پیس اپنی پلیٹ میں رکھ کر کیچپ کی بوتل اٹھاتے ہوئے وہ مسکرا کر سعید بابا کو دیکھنے لگا تھا۔ جبکہ عزہ کے کان اس ذکر پر کھڑے ہوئے تھے چہرہ اندرونی خوشی کے احساس سے تمتمانے لگا تھا۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ
نئے اُفق
کراچی
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے
امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
6000 روپے
مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے
5000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی...... 0300-8264242
نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز
81 فیبر بیرک ہاکی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510
فون نمبرز: 35620771/2-922+
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com

"ارے نہیں چھوٹے صاحب پچھلے ایک ہفتے سے کھانا میں نہیں بی بی صاحبہ پکا رہی ہیں جب ہی اتنا لذیذ ہوتا ہے۔" سعید بابا نے پوری ایمان داری سے سارا کریڈٹ عزہ کو دیا تو عبدالمعید کے ہاتھ لحہ بھر کو ساکت رہ گئے' بنا دیکھے ہی وہ عزہ کی نظریں خود پر محسوس کرسکتا تھا' اس کے باوجود نگاہ اٹھا کر اسے دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا اور یوں ہی اسے نظر انداز کیے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بابا ایک کپ چائے مگر بہت اسٹرونگ ہونا چاہیے بنا کر میرے کمرے میں لے آئیے۔" عزہ کا چہرہ لمحے بھر میں پھیکا پڑ گیا' ہونٹ کچلتے ہوئے ڈبڈبائی نظروں سے اسے ڈائننگ روم سے باہر نکلتے دیکھتی رہی تھی۔

عبدالمعید اپنے کمرے میں آیا تو کچھ دیر تک یوں ہی سگریٹ پھونکتے ہوئے کسی سوچ میں غلطاں رہا' بابا چائے لے کر آئے تب وہ چونکا' کپ تھام کر لبوں سے لگاتے ہوئے عزہ کا بجھتا ہوا چہرہ نگاہوں میں آن سمایا وہ محسوس کررہا تھا کہ عزہ کچھ دنوں سے بہت بدل گئی تھی۔ ناشتے اور کھانے کی میز پر موجود رہ کر گاہے بگاہے امید افزا نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے کوئی نہ کوئی ڈش بڑھا کر تو کبھی سلائس پر مکھن لگا کر کھانے پر اصرار کرتی تھی۔ عبدالمعید کے دل میں اس کی طرف سے جو بدگمانی اور سرد مہری در آئی تھی اس میں یہ توجہ اور اصرار بھی کمی پیدا نہ کرسکی تھی۔ جب بھی وہ اس کے لیے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کرتا ذہن کے پردے پر بنا دوپٹے کے نامحرم بازو کے حلقے میں عزہ اپنا تمام مقام اس کی نگاہ سے گرا دیتی تھی۔ اس روز اگر وہ جلدی آفس سے نہ آتا اسے ذرا سی دیر ہوجاتی تو...... اس سے آگے سوچ کر ہی وہ پوری جان سے لرز جاتا تھا۔ عزہ نے اس کی ہی نہیں پاپا کی بھی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی تھی جب عزہ نے نہایت دھڑلے سے اسے اعزاز کے متعلق بتا دیا تھا وہ یہی سمجھا محض اسے تاؤ دلانے کی خاطر غلط بیانی سے کام لے رہی ہے۔ اعزاز کو اپنے گھر میں اس طرح پا کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"چھوٹے صاحب بی بی صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔" ملازمہ بدحواسی میں بنا دستک کے ہی کمرے میں چلی آئی تھی۔ عبدالمعید نے سرخ نگاہوں سمیت حد درجہ ناگواریت سے اسے گھورا۔ ملازمہ کی بدحواسی میں اضافہ ہوگیا تھا۔

"میں کیا کروں...... میں ڈاکٹر ہوں جو میرے پاس بھاگی آرہی ہو؟ جا کر کسی ڈاکٹر کو فون کرو۔" اس کے انداز میں اس قدر درشتگی اور برہمی تھی کہ ملازمہ نے پہلے حیرانگی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا پھر الٹے قدموں تیزی سے پلٹ کر بھاگ گئی۔ عبدالمعید نے کوفت بھرے انداز میں سگریٹ سلگا لیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"آئی ایم ویری مس یو پاپا...... آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟" عزہ یوں بے تابانہ فائق حسن سے لپٹ کر روئی کہ فائق حسن کو اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ انہوں نے عزہ کے الجھے ہوئے بال سہلاتے ہوئے شاکی نگاہ عبدالمعید پر ڈالی جو پشت پر ہاتھ باندھے ان سے نظریں چرائے کھڑا تھا۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی عبدالمعید۔" کچھ دیر بعد جب فائق حسن عزہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو شکوہ کر گئے۔ عبدالمعید لب بھینچے خاموش کھڑا رہا۔

"تم نے میری بیٹی کا خیال نہیں رکھا عبدالمعید۔" فائق حسن کے لہجے سے ناراضی ظاہر کی۔

"سوری پاپا مجھ سے غلطی ہوگئی۔" وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ نظر آیا تب ہی فائق حسن کے سیل کی بپ ہونے لگی۔

"او کے فائن لیکن بیٹا آئندہ احتیاط کرنا۔" انہوں نے موبائل جیب سے نکالتے ہوئے رسانیت بھرے انداز میں کہا تب ہی عزہ بھی وہیں چلی آئی۔ فائق حسن لان کی طرف چلے گئے تھے۔

"عبدالمعید اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا' میں نے کچھ نہیں کیا کہ آپ مجھے اس طرح نظر انداز کریں' کیوں کررہے ہیں آپ؟" اس کا بازو پکڑے بے بولتی ہوئی وہ گھٹ گھٹ کے رونے لگی' عبدالمعید حسن نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے سرد آواز میں بولا۔

"میں نے کیا کہا ہے آپ کو، ہاں آپ جو کرتی رہی ہیں وہ غلط نہیں تھا' جب ہی تو آپ کو کچھ نہیں کہا' اب مجھے اجازت۔" وہ ہر انداز میں بیگانگی سرد مہری سموئے ہوئے تھا۔ جب ہی وہ سن سی کھڑی رہ گئی نہ اسے یہ ...ی کہ وہ اس ایک لمحے کی زد پر آ گئی ہے۔ وہ ایک لمحہ ...ٹھہرنے اور چھانے کے لیے آیا کرتا ہے' جب محبت فتح کر لیا کرتی ہے' نہ یہ انکشاف کر پائی کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے' سب چھن گیا تھا۔ سکون' محبت' ...ی' عزت اور ایسا اس کی غلطی اور کم فہمی کی وجہ سے ہوا تھا جس کا اسے بے حد رنج تھا۔

❁......❁......❁......❁

عبدالمعید حسن نے اس کی پریگننسی رپورٹ دیکھی تو ...ل پوری قوت سے پھیل کے سکڑا تھا۔ اپنے احساسات ...کھنے سے وہ خود بھی قاصر تھا' ابھی اسی انجانی کیفیت کا ...کار تھا جب بازو پر نرم ہاتھ کا گداز لمس پا کے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ عزہ آنکھوں میں آنسوؤں کی ...ی لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی' لبوں کے گوشوں میں مچلتی ...سکیاں چہرے سے چھلکتا اضطراب و بے بسی عبدالمعید کا دل گداز کرنے لگا تھا۔

"مجھے معاف کردیں عبدالمعید...... فار گاڈ سیک مجھے معاف کردیں' میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ ......" وہ خاموش بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ پوری ...ئی سے اس روز کے واقعہ کو دہرا گئی تھی۔ "اس روز اس نے مجھ سے بدتمیزی ضرور کی تھی مگر عبدالمعید اس کے ...وہ میں نے کبھی اسے اپنا آپ چھونے کی بھی اجازت ...ہیں دی تب میں نے پوری شدتوں سے اللہ سے مدد مانگی تھی اور اللہ نے میری حفاظت کے لیے آپ کو بھیج دیا تھا۔ مجھے نہیں پتا عبدالمعید مجھے کب آپ سے محبت ہوئی لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں اگر آپ نے اب مجھے خود سے الگ کیا یا یوں ہی خفا رہے تو میں مر جاؤں گی۔" عبدالمعید کے دل پر جیسے کسی نے خنجر پھیر دیا تھا۔

"ایسا مت کہو عزہ تمہارے بغیر بھلا عبدالمعید کہاں جی پائے گا...... میری تکمیل تو تم سے ہے۔" وہ مسکرایا تو عزہ متحیر سی یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔

"آؤ مل کر پاپا کو خوش خبری سنائیں جو مجھ سے بھی زیادہ بے چین تھے اس خوشی کے لیے...... پتا ہے لنڈن جانے سے قبل کیا کہہ رہے تھے' میں واپس آؤں تو مجھے گرینڈ پا بننے کی نوید دینا۔" اس کی آنکھیں لو دینے لگیں تو عزہ کا چہرہ حیا سے دہک اٹھا اس سے نگاہ اٹھا کر عبدالمعید کو دیکھا نہ گیا۔

"آؤ پاپا کو اپنی خوشی میں شریک کریں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبا کر بولا تو عزہ نے گھبرا کر تیزی سے ہاتھ چھڑا لیا۔

"نہیں مجھے شرم آئے گی آپ ہی بتا دیں۔" اسے دروازے کی سمت دھکیل کر وہ آہستگی سے منمنائی تو عبدالمعید حسن کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔ عزہ نے طمانیت بھرے انداز میں آنکھیں موند لیں' وہ جان گئی تھی اللہ نے اب یہی طمانیت ہمیشہ کے لیے اس کا نصیب بنا دی ہے۔

❁

www.naeyufaq.com

حصہ 11

دل کو کسی کا ملال رہا

نادیہ احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عائشہ اپنے چھوٹے بھائی نومی اور بیوہ ماں فضیلت کے ساتھ رہتی ہے۔ فضیلت کو کینسر ہوتا ہے، گھر میں کمانے والا کوئی نہیں اور آمدنی محدود ہونے کے سبب عائشہ کو ہی مجبوراً ملازمت کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ وہ ایک خوددار لڑکی ہوتی ہے۔ شرجیل اسے اپنے آفس میں نوکری دیتا ہے لیکن عائشہ کو یہ نوکری دینے کے پیچھے اس کے مکروہ عزائم ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس کے اپنی سیکرٹری یمعنیٰ کے علاوہ بہت سی لڑکیوں سے تعلقات رہتے ہیں جن کے متعلق اس کی بیوی سامعیہ یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کو کچھ معلوم نہیں ہیں سوائے اذان کے جو اس کے ماموں کا بیٹا اور اس کا دوست بھی ہوتا ہے۔ اذان اپنے ماضی کی وجہ سے ایک ابنارمل اور بے سکون زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ بچپن میں برسوں اپنے گھریلو ملازم کی درندگی کا شکار رہنے اور پھر صابر کے ہاتھوں اپنے والد کی موت نے اذان کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ وہ اپنی والدہ سے نفرت کرتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ اس کے قریب ترین فقط ہاجرہ بیگم ہی ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دل کی بات کہتا ہے اور ان ہی کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر راہینہ سے منگنی بھی کر لیتا ہے البتہ دل سے اب تک اس بات پہ راضی نہیں ہوتا۔ اذان سے عائشہ کا سامنا دو بار شرجیل کی بدولت ہوتا ہے اور اذان عائشہ کو بھی انہی لڑکیوں میں سے ایک سمجھتا ہے جن سے شرجیل کے تعلقات استوار رہتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ اذان کی نگاہوں اور رویے میں عائشہ کے لیے حد درجہ ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ دوسری طرف عائشہ اپنی ماں اور بھائی کی وجہ سے شدید پریشان ہوتی ہے اور شرجیل کے انداز اسے ہراساں کرتے رہتے ہیں۔ آشیانہ میں فضیلہ اور علی کی شادی جلد متوقع ہے جس کے ساتھ راہینہ اور اذان کی منگنی بھی کرنے کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے البتہ اریبہ، سنبل سے کہتی ہے کہ پورے خاندان کی موجودگی میں منگنی کی رسم کی جگہ اذان کے نکاح کا اعلان کر دیں گے اس طرح وہ ایک بار پھر دباؤ میں آ جائے گا اور انکار نہیں کر پائے گا۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀......❀

اس کے اندر شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہاتھ آیا شکار چھوٹنے کا ملال تھا جو دو دن گزرنے کے بعد ہی اب تک اسی طرح چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عائشہ آخری پل اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی، اسے اذان پہ بھی بہت غصہ تھا لیکن فی الوقت تو عائشہ کو اپنے سامنے گھٹنوں پہ دیکھنے کی تمنا تھی۔ وہ اس کی کمزوری و ضرورت سے اچھی طرح آگاہ تھا اور جانتا تھا اسی طرح اسے بلیک میلنگ کر کے واپس لایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر شیرازی کو اس نے اگلی صبح فون کر کے عائشہ کی والدہ کے علاج روکنے سے متعلق اپنا عندیہ دے دیا تھا۔ ڈاکٹر شیرزای کی اس سب میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا اس نے جس طرح شرجیل کے کہنے پہ علاج شروع کیا تھا بالکل اسی طرح بناء دلچسپی اور حقائق جانے علاج روکنے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا۔ شرجیل گو مطمئن نہیں ہوا تھا مگر اب اسے انتظار تھا عائشہ کی طرف سے کیے جانے والے رابطے کا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا عائشہ ضرور اس کے آگے گڑگڑائے گی اور اپنی ماں کی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے اسے کال کرے گی۔ پورا دن وہ عائشہ کے فون کا انتظار کرتا رہا تھا، اس دوران وہ گھر پہ ہی تھا اور اپنا کمرا بند کیے گھر اور سامعیہ کیا پوری دنیا سے بے خبر ہو کر رہ گیا تھا۔ ذہن فقط آگے کی منصوبہ بندی

میں الجھا ہوا تھا مگر جب سارا دن گزرنے کے بعد بھی عائشہ نے اس سے رابطہ نہ کیا تو اسے شدید حیرت ہوئی، ایک طرف یہ بھی خیال آیا کہ کہیں فضیلت کی موت تو نہیں ہوگئی کیونکہ اس کا آپریشن بہت جلد کرنے کے پیچھے یہی وجہ تھی کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

اس صورت میں تو عائشہ کبھی اس سے رابطہ نہ کرتی۔ بہرحال اس کو اپنے ذہن میں اٹھتے ان تمام سوالوں کا جواب اگلی صبح ڈاکٹر شیرازی سے رابطہ کے بعد مل گیا تھا۔ فضیلت نہ صرف ٹھیک تھی بلکہ اس کا آپریشن بھی ہونے والا تھا۔ اسپتال میں ڈاکٹر شیرازی ایک فرد تھا جبکہ بورڈ ممبران اذان کے حکم کے پابند تھے۔ اذان کی بات کو نظر انداز کیا جا ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس طرح وہ ہر سال ملنے والی ایک بہت بڑی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ فضیلت کو نہ صرف واپس اسپتال میں داخل کرلیا گیا تھا بلکہ ان کے آپریشن کی بھی تیاری ہوچکی تھی۔ یہ سب انکشاف شرجیل کے لیے کسی زلزلے سے کم نہ تھا جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اذان کب اور کیسے اسپتال پہنچا یہ بات جاننے میں شرجیل کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، مسئلہ اس کا عائشہ سے ہوئے رابطے کو لے کر تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اذان اس سے کس حد تک رابطہ میں ہے اور کہاں تک عائشہ کی حمایت و مدد کررہا ہے مگر اس کی ماں کے علاج میں اتنی سب سہولت دینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ عائشہ کے مسائل جان گیا ہے تب ہی اس کی مدد کررہا ہے۔ اس کو اذان پہ بہت غصہ آرہا تھا۔ پہلے تو وہ اذان کو نظر انداز کیے فقط عائشہ کے متعلق فکر مند تھا مگر اپنے اندر پک رہے لاوے نے اسے آتش فشاں بنادیا تھا اور وہ اس پل باہر آنے جانے کے لیے کھول رہا تھا۔ اس نے فوراً اذان سے ملنے کا فیصلہ کیا اور کپڑے بدل کر وہ باہر نکلا، سامیعہ لاؤنج کے صوفہ پہ سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔ دو دن سے شرجیل کمرے میں بند تھا، اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اور سامیعہ کے حلق سے بھی ایک نوالہ نہیں اترا تھا لیکن شرجیل کو اس کی کوئی پرواہ کہاں تھی۔ اب بھی اسے مکمل نظر انداز کیے وہ سیدھا پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"شرجیل رکیں۔" سامیعہ جو دروازہ کھلنے کی آواز متوجہ ہوئی تھی، شرجیل کو باہر جاتے دیکھ کر صوفہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ شرجیل بے اختیار تھم گیا تھا البتہ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"کیا سوچ کر آپ نے مجھ سے اتنی بڑی بات کہی۔ آپ جانتے ہیں اس کا مطلب؟" سامیعہ نے سامنے آکر سوال کیا۔

"ممی پلیز...... جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں۔" اس نے کوفت سے کہتے ہوئے اس کی دائیں طرف سے نکلنا چاہا۔

"آپ ایسے نہیں جاسکتے۔ کتنے دنوں سے آپ مستقل مجھے تکلیف دے رہے ہیں اور کل تو آپ نے حد ہی کردی تھی۔" سامیعہ نے شرجیل کا بازو تھاما۔

"آپ کو بتانا ہوگا آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ کیوں میرے ساتھ آپ کا رویہ اجنبی ہوتا جارہا ہے...... کون ہے جو ہم دونوں کے درمیان آگیا ہے۔" سامیعہ سوال در سوال کرتی رہی، وہ خود دو دن سے اذیت میں مبتلا تھی اور اس سے پہلے بھی کون سا پل سکون میں گزرا تھا اسے تو یاد ہی نہیں تھا۔ شرجیل کا رویہ ہر گزرتے دن اسے توڑ رہا تھا اور اب تو جیسے اس کا صبر جواب دے گیا تھا۔

"میرے پاس تمہاری یہ فالتو اور جذباتی باتیں سننے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے بہت ضروری کام ہے میں بعد میں بات کرتا ہوں۔" شرجیل نے جان چھڑاتے ہوئے کہا اور اپنا بازو سامیعہ کے ہاتھ سے چھڑاتے قدم ایک بار پھر پورچ کی طرف بڑھائے۔

"بات ابھی اور اسی وقت ہوگی۔ اگر آپ چلے گئے تو...... تو میں بھی چلی جاؤں گی۔ یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر......" وہ دوٹوک اور حتمی انداز میں بولی۔ غالباً اب اس کے پاس ایک یہی آخری حل بچا تھا شرجیل کو روکنے کا اور وہ رک بھی گیا تھا۔ پلٹ کر سامیعہ کو سنجیدگی سے دیکھا

وہ اس کے قریب آیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ڈیئر کس بات کی ہے۔ گو آہیڈ...... جو کہہ رہی ہو اس پہ عمل کرو۔" اس کی دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے وہ رکھائی سے کہتا گھر سے نکل گیا۔

سامیعہ حیران کھڑی اب تک بے یقین سی کھڑی رہی تھی۔ کانوں میں شرجیل کی سپاٹ اور بے رحم آواز گونج رہی تھی۔ یک دم آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور وہ چکرا کر فرش پہ گر پڑی تھی۔

❁......❁......❁......❁

وقت و حالات ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ انسان وہ سب بھی کرنے پہ مجبور ہوجاتا ہے جس کا کبھی اس نے تصور نہیں کیا ہوتا کیونکہ تقدیر بے بس کردیتی ہے۔ عائشہ نے بھی کہاں سوچا تھا زندگی اس کے لیے اتنی سفاک ہوجائے گی۔ پہلے شرجیل کا بے رحم شکنجہ اور اذان کا تلخ رویہ۔ ندامت بھرا وہ لمحہ یادداشت سے محو ہونے میں شاید عمر گزر جاتی، اس پہ اس کا فضیلت کے علاج کے لیے کیا گیا احسان، پہاڑ جیسا وزنی تھا۔ وہ بوجھ بھی سہہ گئی تھی کیونکہ ماں کے لیے خود کو سر بازار بیچنے تک کو تیار ہوگئی تھی پھر یہ تو فقط بھیک تھی جو اس کی ضرورت کے پیش نظر اسے دی گئی تھی۔ عزت بچ گئی تھی، عزت نفس بچا کر کیا کرتی لیکن اذان کے آفس میں نوکری؟ عائشہ حیرت میں ڈوبی پتا نہیں کتنی دیر تک اپنے کیبن میں کھڑی رہی۔ یقین تھا جو آ ہی نہیں رہا تھا۔ یعنی بات فقط اس احسان تک آکر نہیں رکی تھی، اسے اب ہر روز اذان کا سامنا کرتے ہوئے ندامت کا یہ پل صراط بھی پار کرنا تھا۔ اذان کا جب کبھی بھی اس سے سامنا ہوا تھا وہ تجربہ کبھی اچھا نہیں رہا تھا۔ اس کے لہجے میں چبھن اور نظروں میں ناپسندیدگی تو وہ پہلے سے دیکھتی آئی تھی مگر اب جو کچھ وہ جانتا تھا اور اتفاق سے ہوا تھا وہ بے حد راز دار تھا جو شرجیل اور عائشہ کے درمیان ہوئے اس ناقابل فراموش تصادم سے باخبر تھا، ان حالات میں وہ عائشہ سے کیسا سلوک اختیار کرے گا، اسے کن لفظوں میں مخاطب کرے گا اور کس کس طرح ذہنی اذیت دے گا۔ وہ اگر اس کے دفتر میں کام کرے گی تو تقریباً روزانہ کی بنیاد پہ ہی عائشہ کو اذان کے اس تضحیک آمیز سلوک سے گزرنا ہوگا جس کا تازہ ترین مظاہرہ اذان ابھی کچھ دیر پہلے اس کے کیبن کے دروازے پہ کھڑے ہوکر دیکھا چکا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کچھ نہ سوچے اور بس فوراً یہاں سے بھاگ جائے۔ زندگی میں اتنا کچھ ہوچکا تھا کہ اب وہ مزید کسی تکلیف کا بوجھ اٹھا نہیں سکتی تھی۔ خیرات کے طور پہ ماں کا علاج ہورہا تھا، وہ نوکری کہیں اور بھی کرسکتی تھی۔ اس نے کھڑے کھڑے فیصلہ کن انداز میں سوچا اور پھر فوراً ہی اپنا بیگ اٹھائے کمرے سے باہر جانے لگی۔

اسی وقت فون کی بیل بجی اور عائشہ کے قدم رک گئے۔ کچھ سوچ کر اس نے کال ریسیو کی، دوسری طرف اذان تھا جو اسے ڈاکومنٹس جلد از جلد اپنے کمرے میں لانے کا کہہ رہا تھا۔ اپنی بات کہہ کر اس نے عائشہ کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور کال بند کردی تھی۔ اس کا لہجہ اب بھی قدرے سنجیدہ و سپاٹ تھا۔ عائشہ تھکے ہوئے انداز میں کرسی پہ بیٹھ گئی، بیگ اس نے میز پہ رکھی اور فائل کی طرف دیکھا اور لب بھینچے اس میں رکھے کاغذات کو ترتیب دیتی فائل اٹھا کر اذان کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے خلاف اسے سپورٹ کرنے کی؟" وہ بوا نہیں پھنکار رہا تھا۔ بناء دعا سلام اور اجازت اس کے کمرے میں داخل ہوتے شرجیل نے قدرے غصے سے اذان سے سوال کیا۔

"میں نے صرف تمہیں غلطی کرنے سے روکا ہے۔" اذان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ شرجیل کے برعکس وہ مشتعل تھا نہ حیران بلکہ خاصہ متحمل تھا۔

"اذان وہ لڑکی تمہاری کچھ نہیں لگتی۔" وہ جتاتے ہوئے انداز میں کہتا آگے بڑھا۔

''لگتی تو تمہاری بھی کچھ نہیں۔'' مصروف سے انداز میں کہتے اذان کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جمی ہوئی تھیں۔

''میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔'' وہ شدید جھنجلاہٹ کا شکار نظر آیا۔

''اتنا کم عقل نہیں ہوں میں کہ تمہاری بات نہ سمجھ سکوں۔'' اس نے بامعنی انداز میں کہتے پہلی بار شرجیل کی طرف دیکھا۔

''جھگڑا کرنے آئے ہو تو یہ جگہ مناسب نہیں...... ویسے ہم اطمینان سے بیٹھ کر بھی بات کرسکتے ہیں۔'' کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے وہ اب بھی سنجیدہ مگر مطمئن نظر آرہا تھا۔ اس کے برعکس شرجیل خاصہ بے چین اور مضطرب تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا۔'' کرسی غصے سے کھینچتے وہ جل کر بولا۔

''کیا ہوگیا ہے تمہیں شرجیل...... کیوں کررہے ہو یہ سب تم؟'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔ شرجیل لب بھینچے خاموش رہا۔

''دیکھو آج سے پہلے میں نے تمہاری پرسنل لائف میں کبھی انٹرفیئر نہیں کیا لیکن تم نے تو اب کی بار حد ہی ختم کردی ہے۔ ایک طرف سامیہ کو اگنور کررہے ہو اور دوسری طرف عائشہ کے ساتھ زبردستی......'' وہ دھیمے اور دوستانہ انداز میں بولا۔

''وہ دونوں تمہارے مسائل نہیں ہیں پھر تم ہوتے کون ہوں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے والے۔'' شرجیل نے یک دم اس کی بات کاٹتے ناراضی اور تیز لہجے میں کہا۔

''رات کے اس پہر ایک لڑکی کے ساتھ کاریڈور میں جو تم کررہے تھے وہ پرسنل نہیں پبلک تھا شرجیل۔ وہاں میرا گھر ہے اور میرے علاوہ کوئی دوسرا رہائشی بھی ہوتا تو اس وقت وہی کرتا جو میں نے کیا۔'' اس بار اذان کا انداز بھی شرجیل سے کم نہیں تھا البتہ آواز دھیمی ہی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا بات اس کے کمرے سے نکل کر باہر جائے۔ شرجیل اگر یہاں نہ آتا تو اس کا ارادہ ہرگز اس سے جھگڑا کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے تو بس وہی کیا جو اس وقت مناسب تھا اور ان حالات میں جو اس کے ضمیر کو ٹھیک لگا وہ کیا مگر شرجیل خفا تھا کیونکہ اذان فضیلت کا علاج کروا رہا تھا جبکہ یہی وہ کمزور پہلو تھا جس سے فائدہ اٹھا کر شرجیل عائشہ کو واپس حاصل کرسکتا تھا۔ اس نے یک دم غصے سے اذان کو دیکھتے اس کی بات کا جواب دینا چاہا مگر اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا۔

''مے آئی کم ان سر۔'' دھیمے اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہتی عائشہ اذان کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پہ کشمکش و پیچ اور انداز میں بے بسی جھلک رہی تھی۔ اذان نے بے اختیار لب بھینچے عائشہ کو دیکھا۔ اسے شرجیل سے ہورہی بحث میں دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ عائشہ ابھی وہاں آجائے گی۔ دوسری طرف شرجیل نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں عائشہ کی آواز کو پہچانا اور گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ آگے بڑھتی عائشہ کے قدم شرجیل کو وہاں بیٹھا دیکھ کر زمین نے جکڑ لیے تھے اور وہ بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی جبکہ شرجیل کے چہرے پہ بے ساختہ استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اچھا...... تو میں اب سمجھا۔'' اس نے طنزیہ کہتے سر ہلایا۔

''تمہارا دل اس پہ آیا تھا یا اس نے تمہیں بھی میری طرح اپنے حسن کے جال میں الجھایا ہے۔'' اذان کو دیکھتے اس نے چوٹ کی۔

''عائشہ آپ جائیں یہاں سے۔'' اذان نے سنجیدہ و دوٹوک انداز میں کہا۔

''کیوں جائے یہ...... اس کے سامنے بتاؤ ناں سچائی کیا ہے یا پھر تمہاری نام نہاد پارسائی کا راز افشاں ہوجائے گا۔'' شرجیل ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور جتاتے ہوئے انداز میں کہا۔ عائشہ سن کھڑی تھی جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ اس وقت اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہاں

کھڑے رہ کر شرجیل کے سامنے اپنا دفاع کرے یا پھر اذان کی بات مان کر چلی جائے۔

''ایک منٹ...... کہیں اس نے تمہیں بھی اپنی ماں کے علاج اور اپنی مجبوریوں کا نوحہ تو نہیں سنایا؟'' ایک دم وہ عائشہ کی طرف پلٹا اور اسے دیکھتے استہزائیہ انداز میں بولا۔

''میری آج تک جتنی لڑکیوں سے دوستی رہی...... یہ سب کا کامن ایشو تھا۔ کسی کے باپ کو کینسر تھا تو کسی کا بھائی اپاہج اور یہی نہیں چند سیکنڈ سگنل پہ رکو تو ہٹے کٹے لڑکے آکر ماں کے آپریشن کے لیے چندہ مانگتے ہیں۔ تم نے کتنا چندہ دیا؟'' وہ مسکراتے ہوئے دل جلاتے انداز میں بولا۔ اذان نے اس کی بات سن کر منہ پھیر لیا جبکہ عائشہ مزید زمین میں دھنس گئی تھی۔

''ایک بات تو ماننی پڑے گی۔ یہ بہت بڑی ایکٹریس ہے۔ تم جیسے بے دل انسان کو بھی دیوانہ کردیا اس نے...... پھر سوچو مجھ جیسے دل پھینک کا کیا حال کیا ہوگا۔'' وہ اب سر سے پیر تک عائشہ کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں خوف اور نمی ہچکولے لے رہی تھی۔

''آئی تھنک شرجیل تمہیں اب یہاں سے چلے جانا چاہیے۔'' اذان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''آف کورس...... بھلا میرا تم دونوں کے درمیان کیا کام۔ مجھے تو اب جانا ہی چاہیے۔'' وہ کندھے اچکائے بامعنی انداز میں بولا اور یک دم دروازے کی طرف بڑھا۔

''پچھتاؤ گی تم عائشہ...... بہت پچھتاؤ گی۔'' عائشہ کے پاس سے گزرتے اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا اور عائشہ کا جسم زرد پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں لیکن اس کے لفظوں کی چبھن، اس کا دھمکی آمیز لہجہ کمرے میں گونج رہا تھا۔

اذان خاموشی سے عائشہ کو دیکھ رہا تھا جو کسی بت کی مانند اب تک اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی اور پھر اس بت نے حرکت کی تھی، پلکوں کو جھکاتے آنکھوں کی نمی کو روک کر عائشہ سر جھکائے دھیمے قدموں سے چلتی آگے بڑھی اور ہاتھ میں پکڑی فائل اذان کے سامنے میز پہ رکھ دی۔ اذان نے ایک نگاہ میز پہ رکھی فائل اور پھر عائشہ کو دیکھا جو اب بھی وہاں سر جھکائے کھڑی تھی۔ ایک گہرا سانس لیتے اس نے فائل اٹھائی اور پڑھنا شروع کیا۔ اس نے کاغذات کو دیکھتے فائل پہ دستخط کیے اور فائل واپس عائشہ کو دے دی۔ بناء کچھ کہے سنے وہ اسی وقت واپس پلٹ گئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اذان اسے دیکھتا رہا۔ نگاہ اس پل عائشہ کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ پہ تھی۔ وہ چلتے ہوئے جیسے اپنے ایک پیر پہ زیادہ دباؤ ڈال رہی تھی۔ اذان الجھن کا شکار ہوا اور ایک پل کے لیے تو چاہا روک کر اس سے اس طرح چلنے کی وجہ پوچھے مگر پھر سر جھٹکتے اپنے ارادے کی نفی کرتے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ عائشہ دروازہ بند کرکے چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اگلے چند قدرے ہیجان انگیز تھے۔ فضیلت کا آپریشن اور بحالی صحت کے ساتھ عائشہ آفس کے کام سمجھنے اور اپنی ذمہ داریوں میں الجھی رہی۔ اسپتال کی انتظامیہ مکمل تعاون کا مظاہرہ کررہی تھی اس لیے عائشہ مطمئن تھی۔ گو اذان کے پاس ملازمت کرنے پہ دل راضی نہیں تھا لیکن اس کے پاس دوسرا کوئی راستا بھی نہیں تھا، جب تک اسے کوئی دوسری نوکری نہ مل جائے اور وہ ان دنوں اس کے لیے مسلسل کوشش کررہی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ کسی دوسری جگہ حالات کیسے ہوں گے۔ شرجیل نے اس دن کے بعد عائشہ سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ ان دنوں کیا کررہا ہے اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی، وہ جتنا اس کے حق میں برا کرچکا تھا اس کے بعد مزید کسی برائی کی گنجائش یقیناً نہیں تھی۔ وہ لمحہ جب انسان اپنی ہی نظروں سے گر جائے، ایسے میں بھلا آپ کو اس بات کی کہاں پروا رہتی ہے کہ دوسرے آپ کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ عائشہ اپنا ہی سامنا کرنے سے کترا رہی تھی پھر بھی نجانے کیوں اذان کا

سامنا کرتے ہوئے اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگتا تھا، ہر بار نگاہیں شرم سے جھک جاتی تھیں۔ ان تمام دنوں میں عائشہ نے ایک بار بھی اذان سے خود کوئی بات نہیں کی تھی، وہ بس اس کا مختصر لفظوں میں دیا ہدایت نامہ سن کر کسی ربوٹ کی طرح اپنا کام کر کے اس کے آگے رکھ دیا کرتی اور جواب میں اذان کی طرف سے ستائش تو دور کی بات وہ ہاں یا نہیں کے سوا دوسری بات ہی نہیں کرتا تھا۔ عائشہ کو یقین تھا اذان اس سے اور اس کے کردار سے نفرت کرتا ہے۔ وہ اسے ایک بری لڑکی سمجھتا ہے اسی لیے وہ اپنی تضحیک کا اظہار اسے نظر انداز کر کے کر رہا ہے جبکہ اذان کا مسئلہ دوسرا تھا۔ وہ نہایت کم گو اور محدود قسم کا انسان تھا، اکثر جن معاملات میں لوگ لمبی چوڑی تفاصیل و بحث کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ وہاں چند لفظوں سے بات ختم کرنے والوں میں تھا۔ اس سے جڑے سب لوگ اس بات سے آگاہ تھے اسی لیے وہ اس سے بدگمان نہیں تھے مگر عائشہ تو اس کے انداز سے ناواقف تھی۔ اسے تو کچھ بھی نہیں پتا تھا اور شاید اسی لیے وہ اذان کے نپے تلے اور سنجیدہ انداز کو اس کی ناپسندیدگی سے تعبیر کر رہی تھی۔ وہ فضیلت کے پاس بیٹھی غائب دماغی سے ان ہی سب باتوں کو سوچ رہی تھی۔

”اتنی خاموش کیوں ہو۔ اب تک جاب نہیں ملی کیا؟“ آج تین دن بعد وہ کمرے میں منتقل ہوئی تھیں۔ وہ بہت زیادہ کمزور ہوگئی تھیں۔ اس دوران عائشہ سے ان کی بات چیت نہ ہونے کے برابر ہوئی تھی۔ اکثر وہ دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں ہوتیں یا پھر جب ہوش آتا تو اس دوران کبھی نرس یا ڈاکٹر کمرے میں موجود ہوتے۔ وہاں بات چیت نہیں ہوسکتی تھی۔

”نہیں..... جاب تو مل گئی ہے۔“ اس نے چونک کر ماں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے آفس سے آئی تھی، فضیلت بہت دیر سے اسے یوں کھوئی ہوئی حالت میں بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ وہ وہاں موجود تو تھی مگر دل و دماغ جیسے کہیں اور تھا اور یہ بات فضیلت سے چھپ نہیں سکی تھی۔

”بس شاید عزت نہ مل پائے۔“ اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

”کچھ کہا تم نے؟“ فضیلت نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ سو کیوں نہیں رہیں امی؟ نیند بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔“ اس نے کتاب بند کر کے میز پہ رکھی اور فضیلت کے پاس آئی۔

”نومی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہنچ کر اطلاع بھی نہیں دی اس نے۔“ وہ تفکر سے بولیں۔

”کر دے گا اطلاع وہ..... آپ خود کو ہلکان نہ کریں۔ یہ ٹائم آپ کو زیادہ سے زیادہ ریلیکس رہنا ہے۔ پہلے ہی آپ بہت کمزور ہوگئی ہیں۔“ پاس بیٹھ کر ہاتھ پکڑتے عائشہ نے تسلی دی۔

”یہ اسپتال تو مہنگا ہے ناں عائشہ..... خرچا بھی بہت ہوگیا ہوگا؟“ وہ جیسے خاموش رہ کر تھک گئی تھیں اس لیے ایک کے بعد ایک سوال کر رہی تھیں۔ یہ فکر بھی تھی کہ آخر تنہا عائشہ اتنا سب کیسے کر رہی ہوگی اور دل کو یہ دھڑکا بھی تھا کہ کہیں پھر سے اسی راہ کا انتخاب تو نہیں کر لیا۔

”اذان صاحب کی دادی کے نام سے ایک ٹرسٹ بنا ہوا ہے۔ اس اسپتال کو ان کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پہ فنڈ دیے جاتے ہیں جو ہم جیسے ضرورت مندوں کے لیے ہوتے ہیں۔“

”کچھ لوگوں کو اللہ نے اتنا عطا کیا ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں اور کچھ کی قسمت ہماری طرح ہوتی ہے۔ جو سفید پوشی کو قائم رکھتے زندگی گزار دیتے ہیں۔ خیر..... اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ شاید ہماری کوئی نیکی ہے جس کا صلہ مل گیا ہے۔“ یک دم ہی دعائیہ انداز میں کہتے مسکرا کر انہوں نے عائشہ کو دیکھا۔ وہ چاہ کر بھی ماں کا ساتھ دینے کو ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہیں لاسکی تھی۔ اپنی نیکیاں تو بہر حال یاد نہیں تھیں البتہ اذان کا احسان کندھے ضرور جھکا دے رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

جو کچھ شرجیل نے کہا اس کے بعد سامیعہ ایک منٹ بھی اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ کچھ بھی تھا محبت کے رشتے عزت سے قائم رکھے جاتے ہیں، عزت نفس اور انا پیروں تلے روند دی جائے تو رشتے زندان کا روپ دھار لیتے ہیں اور انہیں نبھاتے دم گھٹنے لگتا ہے۔ شرجیل کی بے توجہی ہی کیا کم تھی جو وہ چپ چاپ سہہ رہی تھی۔ ایک بار اس نے طلاق کی دھمکی دی اور اگلی بار گھر سے چلے جانے کا عندیہ دیا۔ اب اس سے آگے اور کیا بچا تھا جو سامیعہ اس رشتے کو بچانے کے لیے قربان کرتی جب اس کا مان ہی کچلا جاچکا تھا۔ وہ روتے ہوئے اپنا سامان سمیٹ رہی تھی جب اس کا فون بجنے لگا، آنسو پونچھتے اس نے بناء دیکھے کال اٹینڈ کی دوسری طرف اذان تھا۔

”اذان بھائی سب خیریت ہے ناں؟“ اس نے ڈرتے ہوئے سوال کیا۔

”بھابی آپ مجھ سے شرجیل کے رویے کی وجہ پوچھ رہی تھیں۔“ اذان خاصا دباؤ کا شکار لگ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے شرجیل اس کے آفس میں جو باتیں اذان اور عائشہ کو سنا کر گیا تھا ان سے اذان اچھا خاصا پریشان ہوگیا تھا۔

”عائشہ..... عائشہ نام ہے اس کا۔ شرجیل کے آفس میں کام کرتی ہے وہ اور.....“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سامیعہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دوسری طرف سامیعہ سے سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ آنسو بے اختیار آنکھوں کے بند توڑ کر بہنے لگے اور وہ فون ہاتھ میں تھامے سن کھڑی رہی۔

”ہیلو.....“ یک دم اذان نے گھبرا کر تصدیق کی مبادا لائن ڈراپ تو نہیں ہوگئی۔

”جی..... جی میں سن رہی ہوں۔“ سامیعہ نے آنسو صاف کرتے دھیمے لہجے میں کہا۔

”بھابی میں آپ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں چاہتا لیکن شرجیل حد سے زیادہ بڑھ رہا ہے اور اس کا رویہ دیکھنے کے بعد ہی میں آپ کو یہ سب بتا رہا ہوں۔“ شرجیل کچھ بھی کر سکتا تھا اور اپنی مایوسی اور ناکامی میں اذان کی کردار کشی پر بھی اتر سکتا تھا۔ کم از کم سامیعہ کو سچائی بتا کر وہ اس کی مدد حاصل کر سکتا تھا اور کچھ نہیں تو وہ اس کی توجہ اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔

”بات شاید اب جھگڑے کی حد سے نکل چکی ہے اذان بھائی۔ میں شرجیل اور یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جارہی ہوں۔“ سامیعہ نے رکھائی سے کہتے اسے اپنا فیصلہ سنایا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابی؟ یہ وقت جذبات سے نہیں بلکہ عقل سے فیصلہ کرنے کا ہے۔“ اذان اس انکشاف پہ بے قرار ہوا۔

”دل و جذبات کے آسرے ہی شرجیل کے ساتھ اتنے سال گزار دیئے۔ دل کو یہ بھرم تھا کہ شرجیل کے دل میں فقط میں ہوں، میری محبت ہے۔ اس مان پہ دراڑ تو بہت پہلے ہی پڑنے لگی تھی، آج آپ کی تصدیق نے اس بھرم کو بھی چکنا چور کر دیا۔“ اس نے بمشکل اپنے آنسو روکے تکلیف سے کہا۔

”بھابی میں نے یہ سب بات آپ کو اس لیے نہیں بتا رہا ہوں کہ آپ کوئی حتمی فیصلہ کر لیں۔ شرجیل آپ کا شوہر ہے اور وہ لڑکی تو ویسے بھی اس کی زندگی سے نکل چکی ہے۔“ اذان نے شروع سے آخر تک اسے ساری بات تفصیل سے سنائی۔ اس رات سے لے کر صبح تک ہوئی ساری تفصیل۔ سامیعہ سن کر صدمہ کا شکار ہوئی تو شرجیل کے طنز و طعنے اور اس کے غصے کی وجہ جان کر پریشان ہوئی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شرجیل جیسا انسان اتنا منفی کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ بھی ایک لڑکی کی خاطر۔ یہ ہوس تھی یا محبت، اس کا بھی تعین ناممکن تھا کیونکہ وہ اذان کی طرح شرجیل کے کردار سے ناواقف تھی اور اذان نے بھی محتاط انداز میں سامیعہ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ سامیعہ اپنا گھر خراب

کرے بلکہ یہی وہ وقت تھا جب اپنی توجہ ومحبت سے وہ شرجیل کو راہ راست پہ لا سکتی تھی۔

اذان کی التجاء تھی کہ وہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کردے، سامیعہ کا اپنا دل بھی کہاں راضی تھا لیکن پچھلے تین چار دن میں وہ ایک پل بھی پُرسکون نہیں رہ سکی تھی۔ پھر اذان کی بات مان کر اس نے جانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

اس کی نیند ایک بار پھر اسی بھیانک خواب سے ٹوٹی تھی۔ اس کی سسکیاں و بے بسی باپ کی خون میں نہائی لاش بی بی جان کا اسے سنبھالنا اور پھر ماں کا خوف سے چیخیں مار کر بے ہوش ہوجانا۔ سب کچھ آج پھر دہرایا گیا تھا اور اذان کی بے چینی لوٹ آئی تھی۔ اپنے مجرم سے بدلہ نہ لے سکنے کی خواہش ایک بار پھر بیدار ہوئی تھی تو اپنا خاتمہ کرنے کی جستجو نے دل میں سر اٹھایا تھا۔ افسوس وہ یہ دونوں کام نہیں کرسکتا تھا کیونکہ صابر اپنی موت مرچکا تھا، اسے سزا دینے کا فیصلہ قدرت کا تھا۔ اذان کے دل میں خودکشی کا خیال کئی بار آیا لیکن ہر بار بی بی جان اپنی ماں اور بہن کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آجاتا اور وہ بس سوچ کر ہی رہ سکتا۔ کبھی عملی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ وہ بزدل تھا یہ سوچ اور بھی تکلیف دیتی مگر اس وقت تو اذیت وہ درد دے رہی تھی جو ہمیشہ کی طرح ذہنی دباؤ اور نیند نہ پوری ہونے کے سبب اس کی گردن میں ہورہا تھا اور کندھے کی طرف جارہا تھا۔ گردن کے پٹھے بری طرح کھنچے ہوئے تھے اور اس کے سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

خود کو کام میں الجھا کر وہ ہمیشہ ہی اپنا دھیان بدلنے کی کوشش کرتا تھا اسی لیے اس وقت بھی اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا تاکہ اس تکلیف کو برداشت کرپائے۔ اگلے چند دن بہت اہم تھے کیونکہ وہ ایک بڑی بزنس ڈیل کرنے جارہا تھا۔ اسی لیے ان دنوں اس کا سارا دھیان اپنے کام پہ تھا اور جس کا نتیجہ یہ رہتا کہ اس کی نیند بری طرح متاثر ہورہی تھی۔ پھر جب ایک نارمل انسان مسلسل نیند سے دور رہتا ہے تو نتیجہ وہی نکلتا ہے جو اس وقت اذان کے ساتھ ہورہا تھا۔ وہ شدید مضطرب و بے چین تھا مگر ہر ممکن کوشش کررہا تھا کہ درد کو اگنور کرکے کام پہ توجہ دے مگر یہ ناممکن لگ رہا تھا۔ مجبوراً اس نے دوا لی اور لیٹ گیا۔ ان حالات میں اسے کچھ دیر آرام ضرور کرنا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ کی طرح گھر نہیں بیٹھ سکتا تھا مگر بدقسمتی سے نیند آئی نہ درد کم ہوا۔ ذہن لاحاصل سوچوں میں گھرا رہا اور صبح ہونے تک اذان نہ صرف شدید جھنجلایا ہوا تھا فکرمند بھی ہوگیا تھا کیونکہ ذہنی دباؤ کی وجہ سے وہ آفس نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے جاسم کو فون کیا تاکہ اسے یہ بتا سکے کہ وہ آج گھر پہ رہ کر کام کرے گا اور اس کی معاونت کے لیے کمپیوٹر آپریٹر کو بھیج دے مگر جاسم نے یہ بتا کر اسے مایوس کیا کہ کمپیوٹر آپریٹر تین دن کی چھٹی پر ہے البتہ وہ کسی دوسرے کلرک کو اس کے پاس بھیج دے گا۔ اذان مطمئن نہیں ہوا کیونکہ وہ ہر ایک کے ساتھ کام نہیں کرسکتا تھا۔ یہ کمپیوٹر آپریٹر اچھا ہوشیار لڑکا تھا اور بڑے اچھے انداز میں اذان کی بات سمجھ جاتا تھا نیز اس کے موڈ کے مطابق رویہ رکھتا تھا۔ بہرحال کام بھی بہت ضروری تھے اور وقت کا تقاضا تھا کہ اسے ہی ایڈجسٹ کرنا تھا۔

❀......❀......❀......❀

''کیا بات ہے شرجیل بھائی، آج اچانک آپ کو ہماری یاد کیسے آگئی؟'' راہینہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے شرجیل کو دیکھ کر قدرے حیرانی کا اظہار کیا۔ وہ اس وقت وہاں راحیلہ کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

''میں تو اکثر آنٹی سے ملنے آتا رہتا ہوں، یہ تو تم لوگ ہو جو کبھی بھولے سے بھی چکر نہیں لگاتے۔'' اس نے خوشگوار لہجے میں راہینہ کو جواب دیا۔ وہ مسکرا کر مزید کچھ کہے بغیر وہیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔ انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق سا تھا شرجیل راحیلہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا وہ ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا۔

''ایکچولی پچھلے کچھ عرصے سے میں بہت زیادہ بزی تھا۔ سچ پوچھیں تو کام کے علاوہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں

تھا۔ خیر آپ سنائیں فضیلہ کی تو شادی ہوگئی۔ اب راہینہ کے لیے کیا پلان ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے راہینہ کو دیکھتے سوال کیا۔

''آئی مین کوئی لڑکا دیکھا آپ نے؟'' نگہت کا جواب سننے سے پہلے معنی خیز لہجے میں پوچھا تو راحیلہ کے ساتھ ساتھ راہینہ نے بھی حیرت سے شرجیل کو دیکھا۔

''کیا ہوگیا ہے شرجیل؟ بھول گئے کیا راہینہ اور اذان کی منگنی ہوئی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو فنکشن ہوا تھا۔'' راحیلہ نے ہلکے پھلکے انداز میں ٹوکا۔ راہینہ نے بے اختیار اپنی انگلی میں پہنی منگنی کی انگوٹھی کو دیکھا جس پہ آج بھی اسے اذان کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوتا تھا۔

''اچھا اچھا...... اس کا مطلب رشتہ چل رہا ہے ابھی تک۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب رشتہ چل رہا ہے' آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' راہینہ تلملا کر بولی جبکہ راحیلہ بھی پریشان ہوئیں۔

''آپ کو تو پتا ہے اذان کا۔ وہ سالوں سے بی بی جان اور ممانی کو ٹالتا آرہا ہے۔ اب بھی اگر ممانی اسے بتائے بغیر رشتے کا اعلان نہ کرتیں تو وہ کہاں راضی ہوتا۔'' وہ یک دم ہی مکاری سے وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

''کیا......! سنبل نے اذان کو بتائے بغیر رشتہ طے کردیا تھا؟'' یہ شاید اب تک کا سب سے بڑا شاک تھا جو راحیلہ کو ہلا گیا۔

''ہاں اسی لیے تو وہ نکاح پہ بھی نہیں مانا۔'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

''لیکن شرجیل بھائی اب ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اذان دل سے راضی ہے اور بہت جلد ہماری شادی بھی ہوجائے گی۔'' راہینہ نے کہا۔ ویسے بھی وہ سب جانتی تھی اور خود نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات ماں باپ تک پہنچے۔ اس کی غرض اذان سے شادی تھی۔ اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اذان کو راضی کس نے اور کیسے کیا گیا ہے۔ ایک بار وہ شادی کے بندھن میں بندھ جاتا ہے تو راہینہ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

''گڈ...... میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جلد از جلد اذان شادی کرلے۔ وہ میرا سب سے اچھا دوست ہے اور میری بہت بڑی خواہش ہے کہ وہ اپنی لائف میں سیٹ ہوجائے۔'' اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''راہینہ تم اس کا خیال رکھا کرو۔ اس سے ملتی جلتی رہو۔ اس سے تم دونوں میں انڈراسٹینڈنگ بڑھے گی اور کسی تیسرے کو مداخلت کا موقع نہیں ملے گا۔'' راہینہ کو دیکھتے جتاتے سے انداز میں کہتے وہ ہلکا سا مسکرایا لیکن اس کی یہ مسکراہٹ راہینہ کا سکون چھین گئی تھی۔

''دیر ہوگئی ہے مجھے، یہاں سے آفس بھی پہنچنا ہے۔ ٹھیک ہے تو پھر میں چلتا ہوں آنٹی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔'' ایک دم ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

''تم بھی اپنا خیال رکھنا اور سامیعہ کو بہت پیار دینا بلکہ اگلی بار اسے بھی اپنے ساتھ لے کر آنا۔'' راحیلہ نے اپنے پریشان چہرے پہ مسکراہٹ کا ملمع چڑھایا اور پیار سے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''شیور'' اس نے بے ساختہ جواب دیا اور کمرے سے تیزی سے باہر نکل گیا۔ راہینہ ایک دم ہی تیز قدموں سے اس کے پیچھے آئی۔

''شرجیل بھائی......'' لاؤنج سے باہر آکر اس نے شرجیل کو پکارا۔ شرجیل کے چہرے پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بے اختیار اس نے راہینہ کو پلٹ کر دیکھا۔

''آپ نے یہ سب کیوں کہا؟'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''رشتہ ختم ہونا، تیسرے کی مداخلت...... آپ کیا کوٹ کرنا چاہ رہے تھے؟''

''تم ایک انتہائی سمجھدار لڑکی ہو اور مجھے خوشی ہے کہ تم اذان کی زندگی کا حصہ بننے جارہی ہو۔ لیکن اگر وہ تمہاری جگہ کسی اور کو دے دے تو بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ۔ سو بی کیئر فل۔'' ابرو اٹھائے جتاتے سے انداز میں کہہ کر وہ

ایک دم ہی پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ پیچھے راہینہ کے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔ شرجیل بناء شعلہ دکھائے آگ لگا گیا تھا۔ وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اذان کا دھیان عائشہ سے ہٹانے کا اس وقت یہ بہترین طریقہ تھا کہ وہ راہینہ کو اذان کے پیچھے لگا دے۔ کیونکہ اس کا ذہن یہ تسلیم کرنے پہ آمادہ نہ تھا کہ اذان نے فقط عائشہ کی مدد کی ہے۔ ہر انسان دوسرے کو اپنے ظرف اور سوچ کے مطابق پرکھتا ہے اور اسی حساب سے فیصلہ بھی کرتا ہے۔ شرجیل کو بھی ایک ہی خوف تھا۔ عائشہ کے لیے اس کی دیوانگی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ بظاہر وہ خاموش ہوا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اسے ہر صورت عائشہ کو اذان سے دور کرنا تھا پھر اگر راہینہ مہرہ بن جائے تو کیا برا تھا اور یہ سب سے آسان بھی تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

”مس عائشہ آپ ابھی ڈرائیور کے ساتھ اذان صاحب کے گھر چلی جائیں۔“

”لیکن کس لیے؟“

”اذان صاحب آج آفس نہیں آرہے اور جب وہ آفس نہیں آتے تو ضروری کام گھر پہ بیٹھ کر کرتے ہیں۔ آج کام زیادہ ہے اور انہیں ایک اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔“

”لیکن سر...... میں ان کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

”وہاں جا کر پتا چل جائے گا۔ ابھی آپ جائیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے اور ہاں یہ ضروری ڈاکومنٹس ہیں، میں انہیں ڈرائیور یا کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ یہ اذان صاحب تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے کیونکہ راز امانت ہوتے ہیں۔“

❁......❁......❁......❁

ڈرائیور نے اسے اسی اپارٹمنٹ بلاک کے باہر ڈراپ کیا تھا جہاں اس رات شرجیل اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ فرق صرف دن اور رات کا ہی نہیں عائشہ کی سوچ کا بھی تھا۔ اس رات وہ شرجیل کے ساتھ یہاں اپنی مرضی سے آئی تھی۔ اپنی غرض کو مجبوری کا لبادہ پہنا کر اس نے شرجیل کی آفر مان لی تھی مگر آج وہ آفس کے کام سے یہاں آئی تھی۔

”تمہارا دل اس پہ آیا تھا یا اس نے تمہیں بھی میری طرح اپنے حسن کے جال میں الجھایا ہے۔“ کھڑے کھڑے اسے شرجیل کے زہریلے لفظوں کی گونج سنائی دی جو چند دن پہلے وہ اذان کے دفتر میں کھڑا پھنکار رہا تھا اور عائشہ کا وجود ان الفاظ میں جلنے لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے اسے ٹریپ کیا جارہا ہے۔ اذان بھی شرجیل جیسا ہی مرد ہے اور یقیناً اسے اپنے اپارٹمنٹ میں بلا کر اب اس سے پوشیدہ انداز میں وہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے جو شرجیل بناء ڈرے اور کھلم کھلا چاہتا تھا۔ عائشہ نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے گاڑی میں بیٹھا ڈرائیور اب تک وہیں کھڑا تھا۔ حالانکہ وہ اسے فلور اور پینٹ ہاؤس کے متعلق تفصیل سے بتا چکا تھا پھر بھی شاید منتظر تھا کہ عائشہ اندر چلی جائے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی فائلز کو مضبوطی سے تھاما اور اپنی حالت پہ قابو پاتے اندر چلی گئی۔

”نہیں پلیز میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے جانے دو۔ میں وہ سب نہیں کر سکتی۔“ لفٹ کی طرف بڑھتے وہ چونکی۔ اپنی التجاؤں کی بازگشت آج بھی اس عمارت میں گونجتی محسوس ہوئی۔

”پلیز مجھے گھر جانا ہے...... میری......“ لفٹ کا دروازہ کھلا اور عائشہ اندر چلی گئی۔

”تم شاید بھول رہی ہو کل تمہاری ماں کا آپریشن ہے۔“ اس کی نگاہیں اس فلور نمبر پہ جمی تھیں جہاں شرجیل کا اپارٹمنٹ تھا۔

”اگر میں نے آپ کی بات مان لی تو میری امی ویسے ہی مر جائیں گی۔ ان کا بھروسا نہیں توڑ سکتی۔“ لفٹ تیزی سے آخری منزل پہ بنے پینٹ ہاؤس تک تھی، عائشہ اپنی سوچوں کے مدار سے باہر نکلی تھی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا

اور وہ باہر نکل آئی۔ کاریڈور وسیع اور شاندار انداز میں سجا گیا تھا۔ سامنے صرف ایک دروازہ تھا جو یقیناً اذان کا گھر تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بیل بجائی۔

”یہ مت سمجھنا مجھے تم سے کوئی ہمدردی ہے۔“ دور کہیں سے اذان کی آواز آئی تھی۔ دروازہ کھلا اور سامنے اذان کھڑا تھا۔ عائشہ نے گھبرا کر اذان کو دیکھا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ آنکھیں سکیڑے بولا۔ اس پل اذان کے چہرے کی بے یقینی، عائشہ کی پریشانی سے کم نہ تھی۔

”آپ نے بلایا تھا مجھے...... جاسم صاحب نے......“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”یہ جاسم بھی ناں۔“ اذان زیرلب کہتا پلٹا اور اندر چلا گیا۔ عائشہ ہونقوں کی طرح باہر کھڑی رہی۔ اندر سے اذان کے قدرے غصے میں بولنے کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً وہ جاسم کو کال پہ ڈانٹ رہا تھا۔ عائشہ سہمی ہوئی چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اذان نے اندر بلایا تھا نہ اس کا خود سے جانے کا رادہ تھا۔ واپس جانا چاہیے یا نہیں اس کا فیصلہ بھی نہیں کر پارہی تھی۔ وہ بس لب کاٹتے سوچ رہی تھی کہ اس نے خود ہی جاسم کو انکار کیوں نہیں کیا۔ وہ اسے صاف منع کر دیتی تو کیا ہو جاتا۔ اندر سے اذان کی آواز آنا بند ہوگئی اور پھر کچھ لمحوں بعد وہ دروازے سے سر نکالے قدرے رکھائی سے بولا۔

”اندر آجاؤ۔“ کہتے ہی وہ ایک بار پھر سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ عائشہ نے ایک ہاتھ سے اپنی چادر درست کی اور پھر خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتی اندر چلی آئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

وہ وسیع و عریض مگر محدود اور قیمتی فرنیچر سے سجا بہت بڑا کمرہ تھا، شاید عائشہ کا پورا گھر اس ہال سے چھوٹا تھا۔ کمرہ غیر ضروری اور مصنوعی سجاوٹ سے مبرا ہونے کے باوجود بھی نہایت شاندار تاثر دے رہا تھا مگر اس کا سب سے شاندار حصہ وہ نیلا آسمان تھا جو سامنے لگی دیوار گیر شیشے کی ونڈو سے نظر آرہا تھا اور ایک پل کو یقین کرنا مشکل تھا کہ منظر کھڑکی کے پار کا ہے یا کوئی پینٹنگ۔ عائشہ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ اپنے گھر کے چھوٹے سے صحن میں بیٹھ کر وہ اکثر آسمان کو دیکھتی تھی مگر وہ کتنا دور تھا اسے یہاں سب کتنا قریب محسوس ہو رہا تھا۔ یقیناً یہ اس اونچائی کا کمال تھا۔ ہال سے منسلک کئی کمرے تھے اور بڑے فنکارانہ انداز میں لکڑی کی سیڑھیاں بھی تھیں۔ اپنے خوف اور ہچکچاہٹ کے باوجود عائشہ متاثر ہوئے بناء نہیں رہ سکی تھی۔

”تم بیٹھ سکتی ہو۔“ اذان کی آواز پہ عائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے اوپن کچن میں کھڑا کافی بنا رہا تھا۔ عائشہ الجھن سے دیکھتی رہی مگر بیٹھی نہیں۔ اذان دو کپ لیے آیا اور صوفہ کی طرف بڑھ گیا۔ ہاتھ میں لیے دونوں کپ میز پہ رکھ کر وہ خود تھکے ہوئے سے انداز میں صوفہ پہ بیٹھ گیا تھا۔ عائشہ سہمی سی اپنی جگہ کھڑی رہی۔

”یہ فائلز دو مجھے۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر سنجیدہ و سپاٹ لہجے میں کہا۔ عائشہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ میں پکڑی فائلیں اذان کو دیں۔ فائل پکڑتے اذان نے ایک جتاتی نگاہ عائشہ پہ ڈالی جو بت بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ یقیناً وہ اس کی بوکھلاہٹ سے بیزار ہو رہا تھا۔ عائشہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اسی لیے کچھ فاصلے پہ رکھے دوسرے صوفہ پہ جا کر بیٹھ گئی۔

اذان محو سے انداز میں سر جھکائے فائل کا مطالعہ کرتا رہا۔ وہ اس دوران اپنے ایک ہاتھ سے عادتاً اپنی گردن کے نچلے حصے کو دبا رہا تھا۔ ایک پاؤں مسلسل ہل رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ سیاہ ٹی شرٹ اور ہم رنگ ٹریک پینٹ میں ملبوس تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ تو نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بیمار کیونکہ اسے اپنی تکلیف کو کسی پہ ظاہر نہ کرنے کا بڑا زبردست تجربہ تھا پھر بھی اس کا تھکا تھکا انداز عائشہ کو ہمیشہ سے الگ لگا تھا۔

”کافی ٹھنڈی ہو جائے تو بدمزہ ہو جاتی ہے۔“ یک

دم میز سے اپنی کافی کا کپ اٹھاتے اس نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''میں کافی نہیں پیتی۔'' عائشہ دھیمی آواز میں بولی۔

''چائے میں نہیں پیتا اور بنانی بھی نہیں آتی۔'' اس نے بناء دیکھے جواب دیا۔

''آپ اکیلے رہتے ہیں یہاں؟'' عائشہ نے بے ساختہ پوچھا اور پھر اپنی غلطی پہ پچھتائی۔ اذان نے اس کو دیکھا اور عائشہ کے چہرے پہ پھیلی گھبراہٹ وشرمندگی کو محسوس کرتے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میں شرجیل ہوں نہ شرجیل جیسا بننے کی خواہش ہے۔ اس لیے مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے جاسم کو تمہیں بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔'' عائشہ نے بے اختیار لب کاٹا۔ اس کا مطلب وہ اس کی پریشانی بخوبی سمجھ گیا تھا۔

''آپ مجھے کام بتا دیں کیا کرنا ہے۔'' اس نے نظریں جھکائے شرمندگی سے پوچھا۔

''اندر میرا لیپ ٹاپ رکھا ہے، اس کے ساتھ کچھ پیپر بھی ہیں۔ وہ لے کر آئیں۔'' اذان نے ہاتھ سے اشارہ کرتے سنجیدگی سے کہا۔

عائشہ سر ہلاتی اٹھ کر تیزی سے کمرے میں چلی گی اور بے اختیار ایک گہرا سانس لیتے اپنے حواس بحال کیے جو اتنی دیر سے اذان کے سامنے بیٹھے بری طرح منجمند ہوگئے تھے۔ چند لمحے خود کو نارمل کرنے کے بعد اس نے کمرے میں لیپ ٹاپ کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ وہ سامنے اس کے بیڈ پہ ہی رکھا تھا، پاس ہی بہت سے کاغذ بے ترتیبی سے رکھے ہوئے تھے جن پہ اذان کے لکھے نوٹس تھے۔ پاس ہی ایک کتاب بھی کھول کر الٹی رکھی ہوئی تھی جیسے وہ اسے پڑھتے پڑھتے کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگیا ہو۔ کمرہ یہ بھی وسیع وشاندار تھا مگر لاؤنج کے مقابلے میں بکھرا اور پھیلا ہوا سا تھا۔ بیڈ پہ کچھ دوائیاں اور فرش پہ کافی کے تین خالی مگ رکھے ہوئے تھے۔ عائشہ نے حیرت سے دوائیوں کو اٹھا کر دیکھا۔ یہ مختلف طرح کے پین کلرز اور اعصابی تناؤ کم کرنے والی ادویات تھیں۔ اچانک اسے اذان کا بار بار اپنی گردن کے پچھلے حصے کو بے اختیاری سے دباتا یاد آیا۔ اس کی یہ روٹین تو عائشہ متعدد بار آفس میں بھی نوٹ کرچکی تھی لیکن وہ اس کے بارے میں کم ہی سوچتی تھی۔ عائشہ نے کچھ سوچ کر وہ سب دوائیں بیڈ سے اٹھا کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ ترتیب سے رکھ دیں۔ فرش پہ پڑے کافی کے تینوں مگ بھی اس نے وہیں میز پہ رکھ دیے تاکہ ٹھوکر لگنے سے ٹوٹ نہ جائیں۔ کتاب بند کرکے اسے بھی اس نے ایک سائیڈ پہ رکھا، جس کے بعد اس نے وہ سب جلدی جلدی کاغذ سمیٹے اور لیپ ٹاپ اٹھا کر اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اذان اپنی کافی تقریباً ختم کرچکا تھا۔ اپنا لیپ ٹاپ آن کرکے اس نے عائشہ کے حوالے کیا اور پھر چند منٹ ان پیپرز میں لکھی چیزیں اور ان کی ترتیب اسے سمجھاتا رہا۔ عائشہ، شرجیل کے آفس میں کمپیوٹر ہینڈلنگ بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی، فنانس میں رہ کر بھی اسے کئی باتیں معلوم تھیں اسی لیے اسے کیا کرنا تھا وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

''ایسا کرو یہ سب پوائنٹ ایک پیپر پہ نوٹ کرلو تاکہ تمہیں ڈرافٹ کرنے میں کوئی پرابلم نہ ہو۔'' اس نے مصروف سے انداز میں کاغذات پہ نگاہ ڈال کر عائشہ سے کہا۔ عائشہ نے سر ہلاتے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس میں سے پین نکال سکے لیکن بیگ وہاں نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے نگاہ ادھر ادھر دوڑائی لیکن بیگ کہیں نظر نہیں آیا۔ اذان نے سوالیہ نظروں سے عائشہ کو دیکھا جو پریشان سی بیٹھی اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''سر وہ پین میرے بیگ میں ہے لیکن بیگ مل نہیں رہا۔ حالانکہ یہیں رکھا تھا میں نے۔ آپ نے تو نہیں دیکھا؟'' اس نے وضاحتی انداز میں کہتے بے ساختہ اذان کو دیکھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے میں آپ پہ اور آپ کے پرسنل

سامان پہ نظر رکھتا ہوں۔'' اس نے ماتھے پہ بل ڈالے کہا۔ عائشہ شرمندہ ہوئی۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا لیکن اذان کو وضاحت کرنے کا حوصلہ بھی کب تھا۔ اذان فائل میز پہ پٹختا، اپنی نشست سے اٹھا اور ہال میں رکھے کنسول تک گیا، دراز سے ایک پین نکال کر اس نے میز پہ رکھا اور نارمل سے انداز میں ایک بار پھر سامنے بیٹھ کر اپنی باتیں دہرانے لگا۔ عائشہ پین اٹھا کر جلدی جلدی وہ تمام ہدایات لکھتی رہی۔ اسے کام سمجھا کر چند منٹ بعد اذان اپنے کمرے میں چلا گیا جبکہ عائشہ سر جھٹکتی لیپ ٹاپ پہ کام کرنے میں مصروف ہوگی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

وہ کمرے میں داخل ہوا تو بے ساختہ نگاہ اپنے بیڈ پہ پڑی، عائشہ کا ہینڈ بیگ وہاں رکھا تھا۔ وہی بیگ جسے وہ لاؤنج میں تلاش کر رہی تھی، اذان کے کمرے سے لیپ ٹاپ اٹھاتے وقت وہ اسے وہاں بھول آئی تھی۔ اذان نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھایا اور عائشہ کو دینے کو پلٹا جب نگاہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پڑی۔ میز پہ رکھی سب چیزوں کی ترتیب اس کے ہاتھوں کی نہیں تھی۔ وہ اتنی ترتیب کا عادی نہیں تھا کم از کم اپنے بیڈ روم کی حد تک۔ گھر میں کم ہی ہوتا اور جب ہوتا تو زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتا تھا اور کمرہ ٹھیک ٹھاک پھیلا رہتا تھا۔ ہاں اس کی ملازمہ اس کی غیر موجودگی میں سب کچھ ترتیب سے رکھ دیتی تھی۔ یہ شاید ہر عورت کی نفسیات ہوتی ہے۔ وہ یونہی ہر چیز میں احتیاط برتتی ہے، رشتوں کو بھی اسی طرح سنبھال لیتی ہے۔ انہیں سینت سینت کر رکھتی ہے۔ عائشہ میں بھی وہی عیب تھا جو ایک عورت کا ہوتا ہے۔ سب کچھ سمیٹ کر رکھنے کا...... اس نے سر جھٹکا اور کمرے سے باہر جاکر عائشہ کا بیگ اس کے سامنے میز پہ رکھ کر بغیر کچھ کہے واپس اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ عائشہ حیرت سے اذان کو دیکھتی رہی اور پھر واپس کام میں مشغول ہوگئی۔

لگ بھگ پونا گھنٹہ گزر گیا تھا اور عائشہ کا کام بھی تقریباً آخری مراحل میں تھا۔ اذان دوبارہ لاؤنج میں نہیں آیا تھا اور اس بات کے لیے عائشہ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ سامنے رہتا تو اس کے ہاتھ پاؤں اسی طرح پھولے رہتے اور اس دوران گھبراہٹ میں غلطیوں کا قوی امکان تھا اور عائشہ اس کے سامنے غلطی کرکے خود کو مزید شرمندہ نہیں کرسکتی تھی۔

دروازے پہ بیل ہوئی تھی۔ عائشہ لاپروائی سے سر جھکائے اپنا کام کرتی رہی تھی۔ بیل دوبارہ ہوئی تھی۔ اس بار عائشہ نے سر اٹھا کر پہلے دروازے کی طرف اور بعد میں اذان کے کمرے کو دیکھا۔ وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ عائشہ نے کندھے اچکائے واپس لیپ ٹاپ پہ ٹائپنگ شروع کردی۔ بیل ایک بار پھر ہوئی تھی اور قدرے طویل تھی۔ باہر جو کوئی بھی تھا یقیناً انتظار سے تھک چکا تھا۔ عائشہ نے ایک دفعہ پھر کمرے کی طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ داخلی دروازے کی طرف آئی۔ جھجکتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے راہینہ کھڑی تھی۔ عائشہ ظاہر ہے اسے نہیں پہچانتی تھی اسی لیے اجنبیت سے دیکھتی رہی، دوسری طرف عائشہ کو وہاں دیکھ کر راہینہ کے دل میں شک کی وہ چنگاری شعلہ بن گئی تھی جسے آج صبح شرجیل نے سلگایا تھا۔

''تو تم ہو وہ جس کی وجہ سے اذان مجھے اگنور کر رہا ہے۔'' اس نے سلگتے لہجے میں عائشہ کو دیکھ کر کہا۔

''جی......؟'' وہ سمجھ نہیں پائی اور حیرانی سے کھڑی اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''اتنی بھولی کیا بن رہی ہو۔ جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کی ہے؟'' راہینہ کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس وقت عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال دے۔

''آپ کون ہیں اور کیا کہہ رہی ہیں؟ میں تو آپ کو جانتی بھی نہیں ہوں۔'' عائشہ نے پریشانی سے پوچھا اور ایک بار پلٹ کر پیچھے دیکھا جیسے امید کر رہی ہو کہ اذان وہاں آجائے۔

”لیکن میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں۔ تم وہی ہوناں جس کی وجہ سے اذان شادی سے انکار کررہا ہے۔“ وہ چبھتے ہوئے لہجے میں کہتی آگے بڑھی اور عائشہ پریشانی سے پیچھے ہٹتی۔ راہینہ کی باتیں اسے شدید حیران کررہی ہیں جو یقیناً اس کے مطابق کسی غلط فہمی کا شکار تھی۔

”مجھ سے منگنی کرکے.....“ وہ غصے میں کہتی، عائشہ کو گھورتی آگے بڑھ رہی تھی جب کمرے سے نکلتے اذان کو دیکھ کر ٹھٹکی۔

”واٹس گوئنگ آن ہیئر؟“ وہ آنکھیں سکیڑے راہینہ کو دیکھتے حیرت سے بولا۔ بال بکھرے اور لہجے میں بیزاری تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ سوکر اٹھا ہو۔

”یہ لڑکی کون ہے اور تمہارے گھر میں اس وقت کیا کررہی ہے؟“

”پہلے یہ بتاؤ تم اس وقت یہاں کیا کررہی ہو؟“ وہ اذان تھا سیدھی بات کرہی نہیں سکتا تھا راہینہ کے ساتھ۔ ایک تو طبیعت کل رات سے شدید خراب تھی اس پہ کام کا دباؤ اور کوفت۔ اس حالت میں وہ ہمیشہ ہی چڑچڑا ہوجاتا تھا۔ اسے جواب دینے کے بجائے الٹا اسی سے سوال کر گیا۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔“ وہ جتاتے ہوئے آگے بڑھی اور اذان کے قریب ہوئی۔

”تم ہوتی کون ہو مجھ سے سوال جواب کرنے والی؟“ عائشہ خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی۔ اذان کے رویے سے عائشہ ہمیشہ تذلیل محسوس کرتی تھی۔ اس کے لفظوں کی چبھن اسے تکلیف دیتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اذان کا یہ لہجہ فقط اسی کے لیے ہے مگر اس وقت وہ جس طرح راہینہ سے ہم کلام تھا، وہ اس تلخی سے کہیں زیادہ تھا۔ البتہ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر راہینہ ہے کون اور کیوں وہ عائشہ کو اپنے اور اذان کے جھگڑے میں گھسیٹ رہی ہے۔

”میں منگیتر ہوں تمہاری اور اس رشتے کے ناطے مجھے پورا حق حاصل ہے یہ بات جاننے کا کہ یہ لڑکی تمہارے اپارٹمنٹ میں کس حیثیت سے ہے؟“ راہینہ نے استحقاق سے کہتے انگلی اٹھا کر عائشہ کی طرف اشارہ کیا۔ عائشہ نے بے یقینی سے اذان کی طرف دیکھا۔

”نہیں...... میں نے ایسا کوئی حق کسی کو نہیں دیا کہ میری پرسنلز میں انٹرفیئر کرے اور تمہیں تو بالکل بھی نہیں ہے۔“ وہ جیسے ضد پہ اڑ گیا تھا۔ سچائی بتا کر جان چھڑوانے کی بجائے الٹا رکھائی سے جواب دیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور تلخ، ابرو اٹھائے اس نے جیسے دوٹوک انداز میں راہینہ کو اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔ عائشہ کو اس کا یہ انداز نہایت ناگوار گزرا تھا۔ وہ اپنی اور عائشہ کی جان چھڑا سکتا تھا مگر وہ ایسا نہیں کررہا تھا کیونکہ وضاحتیں دینا اس کی طبیعت کا حصہ نہیں تھا۔

”کیوں نہیں ہے یہ حق مجھے۔ شادی ہونے والی ہے ہماری اور میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتی کہ میرا ہونے والا شوہر کسی دوسری لڑکی کے ساتھ گلچھرے اڑائے۔“ اذان کا رویہ راہینہ کو مزید مشتعل کرگیا۔ شرجیل کے اشارے نے تو ویسے ہی اس کے اندر شدید عدم تحفظ کی فضا پیدا کردی تھی اور اذان نے یوں بھی کبھی اس کے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ جب دل جانتا ہو کہ تعلق زور زبردستی اور یک طرفہ بنایا گیا ہے تو انسان اسی طرح بناء سوچے سمجھے حقائق جانے بغیر شور مچانے لگتا ہے۔ وہ دماغ میں شک کا فتور بھر کر وہاں آئی تھی، اسی لیے بناء تصدیق آتے ساتھ پہلے عائشہ اور پھر اذان پہ الزامات لگانے لگی تھی۔

”راہینہ......!“ اذان کا ہاتھ اٹھا لیکن اس نے خود کو روک لیا۔ عائشہ منہ پہ ہاتھ رکھے، حیران آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

”تم ایک انتہائی گھٹیا اور نیچ سوچ کی مالک ہو جو بولنے سے پہلے سوچنے کی زحمت تک نہیں کرتی۔ ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ ورنہ......“ ان حالات میں کوئی بھی نارمل انسان اذان سے مختلف ردعمل نہیں

دے سکتا تھا اور اذان تو تھا ہی اسپیشل کیس۔ وہ جن سے محبت کرتا تھا ان کی نہیں سنتا تھا، راہینہ سے تو اسے کوئی دلی ہمدردی بھی نہیں تھی۔ تلخی سے کہتے اس نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کیا۔ اس پل اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا اور آنکھیں جل رہی تھیں۔ گردن سے اٹھتی ٹیسوں نے اسے پہلے ہی نڈھال کررکھا تھا۔ وہ بڑے حوصلے سے وہاں کھڑا رہا مگر راہینہ کے الزام پہ اپنا ضبط کھو بیٹھا تھا۔

”شرجیل بھائی نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ غلطی میری ہی تھی جو میں نے تم جیسے انسان پہ اعتبار کیا۔ میری محبت کا جواب تم نے جس انداز سے دیا ہے اذان اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ عائشہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا تو لب بھینچے اذان نے بھی نگاہ اٹھا کر عائشہ کو دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا راہینہ بلاارادہ یہاں آئی ہے۔ شرجیل یہ حرکت کرسکتا تھا یہ اذان نے نہیں سوچا تھا کیونکہ اس کے خیال میں اس طرح شرجیل کی اپنی پول کھل جاتی۔ وہ نہیں جانتا تھا شرجیل جس فیز میں پہنچ چکا ہے وہاں انسان دشمن بن جاتا ہے۔ اچھے اور برے کا فرق تو پہلے بھی اس کے نزدیک معنی نہیں رکھتا تھا البتہ منافقت کا پردہ تھا جو اس نے اپنے اور دنیا کے درمیان حائل کررکھا تھا مگر اب وہ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ اسے اگر یہ خوف ہوتا ہے کہ اذان اپنی وضاحت میں اس کا پول کھول سکتا ہے تو وہ ایسی حماقت نہ کرتا لیکن وہ خوف زدہ تھا ہی نہیں۔ اسے تو بس یہ جنون تھا کہ کسی طرح دباؤ میں آکر عائشہ اذان کی حمایت سے محروم ہوجائے۔ اس طرح وہ اس کے لیے ایک بار پھر انتہائی آسان ہدف ہوگی۔

”جسٹ گو تو ہیل۔ آئی ڈونٹ کیئر۔“ غصے سے کہہ کر اس نے راہینہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو باہر نکالا اور زوردار دھماکے سے دروازہ بند کردیا تھا۔ عائشہ سہمی ہوئی وہاں کھڑی بے تحاشہ حیرت اور بے یقینی سے اذان کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ سے عائشہ کو دیکھا اور پھر پیر پٹختا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ عائشہ سر جھکائے اپنی شرمندگی اور آنکھوں سے بہنے کو مچلتے آنسوؤں پہ قابو پاتی دھیمے قدموں سے چلتی صوفہ تک آئی۔ وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی کیونکہ ان حالت میں یہی درست تھا کہ وہ خاموشی سے چلی جائے۔ عائشہ نے جھک کر میز پہ رکھا اپنا بیگ اٹھایا، سامنے اذان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ عائشہ نے ایک نگاہ اذان پہ ڈالی اور پھر واپس جانے کو پلٹی مگر ایک دم چونک کر رک گئی۔ سفید ٹائلڈ فلور پہ خون کے بے شمار قطرے گررہے تھے۔ عائشہ نے حیرت سے اذان کو دیکھا۔ خون اس کی ناک سے بہہ رہا تھا جو فرش پہ قطروں کی صورت گر رہے تھے۔ جبکہ اذان اسی طرح نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں میں سر دیئے بیٹھا تھا جیسے اسے اس بات کی فکر ہی نہ ہو حالانکہ وہ خود بھی دیکھ رہا تھا۔

”آپ ٹھیک ہیں ناں سر؟“ عائشہ نے تشویش سے سوال کیا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں، مرا نہیں زندہ ہوں لیکن تم یہاں کیا کررہی ہو۔ گئی کیوں نہیں اب تک؟“ وہ دھاڑا تھا۔ غصے سے بھرا وہ ایک دم صوفہ سے اٹھا جیسے ابھی کے ابھی ہاتھ پکڑ کر عائشہ کو بھی اسی طرح گھر سے باہر نکال دے گا جیسے اس نے کچھ دیر پہلے راہینہ کو باہر نکالا تھا اور وہ یقیناً یہی کرتا مگر ایک دم سر بری طرح چکرایا تھا۔ آنکھوں کے آگے سیاہی بڑھنے لگی اور اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ عائشہ جو اذان کے اس طرح چلانے سے بری طرح ڈر گئی تھی ایک دم بیگ چھوڑ کر اسے سنبھالنے کو آگے بڑھی اور بروقت اسے گرنے سے بچالیا تھا لیکن وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔

❁......❁......❁......❁

بے وفائی کا کرب بڑا تھا یا یہ انکشاف کہ وہ ایک ایسے انسان کی محبت میں مبتلا ہے جس پہ حاوی نفس اسے بھیڑیا بنا چکا ہے۔ ایک ایسے شخص کی زندگی کا حصہ ہے جو ہوس وجنونیت کی حدوں کو پار کررہا ہے۔ وہ اس کی عزت کرتی تھی اور وہ خود دوسری لڑکیوں کی عزت کو پامال کررہا

تھا۔ اذان کے فون سے پہلے وہ گھر چھوڑ کر جانا چاہتی تھی اور پھر کبھی شرجیل کی شکل بھی نہیں دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجبور تھی کہ اذان نے اس سے گھر نہ چھوڑنے کی التجاء کی تھی۔ وہ رک گئی تھی لیکن پچھلے کئی دن سے اس کی شرجیل سے بات چیت بالکل بند تھی۔ وہ خود بھی اس سے بات کہاں کرتا تھا لیکن پچھلے دنوں جو سامیعہ یہ کوشش کررہی تھی کہ کسی طرح شرجیل سے اس کے رویے کی وجہ دریافت کرے اور وجہ جاننے کے بعد وہ بری طرح ٹوٹ گئی تھی۔ جب مان اور بھرم ٹوٹتے ہیں تو انسان کچھ ایسا ہی محسوس کرتا ہے۔ ایسا ہی لاتعلق ہوجاتا ہے جیسے سامیعہ ہوگئی تھی۔

یہ گھر جو کبھی اس کی دنیا تھی، شرجیل جو کبھی اس کی ذات کا حصہ تھا۔ اس کو اب ان سب میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ حالانکہ اذان کی خواہش تھی کہ سامیعہ، شرجیل کو روکے، اسے اپنی طرف متوجہ کرے تاکہ شرجیل کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ بدل جائے۔ اذان نے اسے صرف عائشہ والی بات بتائی تھی اور پچھلی کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ سامیعہ کو بدگمان کرنا چاہتا تھا نہ ہی شرجیل کو بے نقاب، وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ شرجیل حد سے آگے نہ بڑھے اور اپنی جنونیت میں کوئی بڑا نقصان نہ کر بیٹھے۔

سامیعہ نہیں جانتی تھی وہ یہ سب کیسے کرے گی، کبھی شرجیل اور اس کے درمیان سب کچھ نارمل ہو پائے گا یا نہیں۔ اب بھی وہ لاؤنج میں کھڑی تھی کہ جب اچانک گھر کی ملازمہ نے آکر اس کے ہاتھ میں سیاہ مخمل کی ڈبیا پکڑائی جو اسے صفائی کے دوران بیڈ کے پاس گری ملی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ سامیعہ کی ہے اسی لیے ایمان داری سے لاکر اسے دے دی تھی۔ وہ حیران ہوئی تھی کیونکہ یہ باکس اور اس میں موجود ہیرے کی انگوٹھی سامیعہ کی نہیں تھی مگر سوال یہ تھا کہ انگوٹھی اس کے کمرے میں کیسے پہنچی؟ کمرے میں اس کے سوا فقط شرجیل اور ملازمہ کی رسائی تھی۔ اس کا مطلب وہ انگوٹھی یقیناً شرجیل لے کر آیا تھا مگر کس کے لیے؟ وہ سامیعہ کو بے شمار تحفے دیتا تھا جن کے لیے کبھی کوئی مخصوص دن یا وقت طے نہیں تھا لیکن کچھ عرصے سے یہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا تھا۔ وہ اس کی توجہ کو ترس رہی تھی، تحفے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی پھر اگر وہ سامیعہ کے لیے ہوتی تو شرجیل یقیناً اسے دے دیتا۔ وہ کمرے میں گری تھی، کھوگئی تھی تو اسے ڈھونڈا جاسکتا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سامیعہ یقیناً اسے خود سے منسوب کر بھی لیتی لیکن شرجیل کی اس کے لیے بے پروائی اور لاتعلقی ظاہر کرتی تھی کہ یہ زیور سامیعہ کے لیے نہیں خریدا گیا۔ انگوٹھی کو دیکھتے وہ اپنے ذہن میں اٹھتے ایک ایک سوال کا جواب سوچتی رہی اور پھر جیسے کڑی سے کڑی ملاتے وہ یہ الجھن بھی سلجھا گی تھی اور اس کے بعد دل ہزار ٹکڑوں میں ٹوٹا تھا۔ شرجیل نے وہ انگوٹھی عائشہ کو دینے کے لیے خریدی تھی اس بات پہ سامیعہ کو یقین کامل تھا اور اس کا مطلب بہت واضح تھا کہ وہ عائشہ کو اپارٹمنٹ میں صرف ایک مقصد سے لے کر نہیں گیا تھا۔ وہ اسے پرپوز کرنا چاہتا تھا۔ تو کیا وہ ہوس نہیں محبت ہے جو شرجیل کو عائشہ کے لیے اس حد تک دیوانہ کرگئی ہے؟

مگر محبت کا دعویٰ تو اس نے سامیعہ سے بھی کیا تھا۔ متعدد بار سامیعہ نے دل پہ پتھر رکھ کر اسے دوسری شادی کی اجازت دی تھی جسے اس نے اسی وقت رد کردیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا کیونکہ سامیعہ کی جگہ کوئی دوسری لڑکی نہیں لے سکتی۔ کیسے یقین دلایا تھا اس نے سامیعہ کو اپنی محبت کا اور پھر سامیعہ کا یقین شرجیل کے بدلتے رویے نے ہی چکنا چور کردیا تھا۔ دن بہ دن اس سے دوری اختیار کرتے آج ان کے درمیان فقط خالی پن تھا۔ رشتہ نہیں بوجھ تھا اور اس وقت سامیعہ کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی اس بات کی واضح دلیل تھی کہ شرجیل کے دل پہ عائشہ کا بسیرا ہوگیا ہے۔

❀……❀……❀……❀

اس کا جسم تیز بخار سے تپ رہا تھا جسے عائشہ کی

ہتھیلیاں جل رہی تھیں۔ وہ بری طرح پریشان ہوئی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ اذان کو صوفے پہ لٹا کر عائشہ نے اپنی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتے جلدی سے جاسم کو کال کی۔ اس وقت وہی اذان کی مدد کرسکتا تھا کیونکہ عائشہ تو انجان تھی۔ صد شکر جاسم نے کال ریسیو کرلی تھی لیکن وہ فیکٹری نکل چکا تھا جو شہر کے مضافات میں تھی۔ وہاں سے واپس آتے اسے کئی گھنٹے لگ سکتے تھے جبکہ اذان کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ جاسم نے اسے تسلی دیتے وہیں رکنے کی تاکید کی اور خود ڈرائیور کو فون کرکے ڈاکٹر کو لے کر اذان کے اپارٹمنٹ پہنچنے کو کہا تھا۔ عائشہ کو اطمینان ہوا کہ جلد ہی ڈاکٹر وہاں آجائے گا لیکن وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اذان کو بہت تیز بخار تھا اور اس کی ناک سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ عائشہ کچھ سوچ کر جلدی سے کچن کی طرف گئی اور فریزر سے برف نکال کر ایک باؤل میں رکھے واپس پلٹی اور برف کے ٹکڑے سے اس کی ناک کے اردگرد کے حصے کی ٹکور کرنے لگی۔ اس وقت ایک یہی طریقہ تھا جس سے خون بہنا روکا جاسکتا تھا اور وہ رک بھی گیا تھا۔ البتہ اذان بے ہوش تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کیا ہوا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد ڈرائیور، ڈاکٹر کو لے کر وہاں پہنچا تو عائشہ کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے آتے ہی بخار اور بلڈ پریشر چیک کیا۔ بخار تو تیز تھا ہی، اذان کا بلڈ پریشر بھی خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا۔ ناک سے بہتا خون اور یہ بے ہوشی اسی وجہ سے تھی۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کوئی دوا بھی ری ایکٹ کرسکتی ہے۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر ڈرائیور کو دیا جو اسی وقت ادویات لینے چلا گیا جبکہ ڈاکٹر کی ہدایت پہ عائشہ، اذان کا بخار کم کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی۔ ڈرائیور اور ڈاکٹر کی مدد سے عائشہ نے اذان کو بیڈ پہ منتقل کردیا تھا۔ ڈرائیور سب دوائیاں لے آیا تو ڈاکٹر نے اسے چند انجیکشنز دیئے اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ اس کو اکیلا نہ چھوڑا جائے۔ عائشہ کا خیال تھا اسے اسپتال منتقل کردیا جائے مگر ڈاکٹر نے انکار کردیا تھا کیونکہ اسے جو فوری علاج دیا گیا تھا اس کے بعد وہ اب بہتر تھا۔ بس اس کے پاس کسی دیکھ بھال کرنے والے ضرورت تھا جو اس کا بخار اور بلڈ پریشر چیک کرتا رہے۔ وہ چونکہ اذان کا پرانا معالج تھا اس لیے اس کی بیماری کی وجہ جانتا تھا تو اس کی بے چینی سے بھی باخبر تھا۔ اس دوران جاسم کا فون بھی آتا رہا۔ وہ متفکر تھا اور عائشہ سے درخواست کررہا تھا کہ وہ وہاں رکے۔ دوسری طرف عائشہ اس بات سے فکرمند تھی کہ اسپتال میں فضیلت اس کی منتظر ہوں گیں۔

مجبوری تھی اس لیے وہ رک گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر اور ڈرائیور دونوں چلے گئے تھے۔ اسپتال فون کرکے اس نے فضیلت کو پیغام دے دیا تھا کہ آج دفتر کے کام کی وجہ سے وہ لیٹ ہوگئی ہے اور شاید رات میں ماں سے ملنے آئے۔ اس طرح ان کی خیریت بھی پتا چل گئی تھی۔ اس سب کے بعد وہ خود نہ صرف وقفے وقفے سے اذان کا بلڈ پریشر اور بخار چیک کرتی رہی بلکہ آفس کا وہ سارا کام بھی مکمل کرلیا جو وہ وہاں کرنے آئی تھی۔ اس کے بعد سب کاغذات پرنٹ کرکے اس نے انہیں فائل میں محفوظ کیے اور دوبارہ اذان کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بدستور سو رہا تھا کیونکہ ڈاکٹر نے جو انجیکشنز دیئے تھے ان میں نیند کی دوا موجود تھی۔ وہ جتنا آرام کرتا اس کے لیے اتنا بہتر تھا۔ بلڈ پریشر کم کرنے کا یہی طریقہ تھا لیکن اس دوران بخار پھر تیز ہوگیا تھا۔ عائشہ نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دوبارہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں شروع کردیں جس سے بخار کم ہوگیا تھا۔ اس ساری بھاگم دوڑ میں دن گزر چکا تھا اور اس دوران اس کی اپنی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ تھکاوٹ سے برا حال تھا تو پریشانی اور بھوک الگ ستارہی تھی۔ اسے جاسم پہ بھی رہ رہ کر غصہ آرہا تھا جس نے شام سے پلٹ کر خبر نہیں لی تھی حالانکہ وہ جانتا تھا عائشہ وہاں اکیلی ہے۔ کبھی سوچتی اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا، آئی تو رکی کیوں اور اب تک کس لیے بیٹھی ہے مگر پھر انسانیت آڑے آجاتی۔ کچھ بھی تھا

اسے اس حال میں تنہا چھوڑنے پہ دل راضی نہیں تھا۔ کاش وہ یہ جانتی کہ اذان کے گھر والے کہاں ہیں تو کم از کم انہیں ہی مطلع کردیتی۔ بہر حال جب بھوک نے بغاوت کی تو تنگ آکر اس نے خود ہی کچن کی تلاشی لی۔ درازوں میں سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ وہ کچھ بھی پکا سکتی تھی لیکن اس وقت کچھ پکانے کی ہمت نہیں تھی۔ فریج میں بھی بہت سا سامان رکھا تھا۔ کئی کھانے کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ بہر حال اس نے اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی اور ساتھ بریڈ پہ اسپریڈ لگا کر لاؤنج میں لے آئی۔ چائے پینے سے بہت حد تک اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون ملا تھا تو سینڈوچ کھانے سے معدے کو اطمینان۔ اچانک اسے اذان کا خیال آیا۔ وہ بھی تو صبح سے بھوکا ہے اور بیمار بھی۔ جب جاگے گا تو یقیناً اسے بھوک لگے گی۔ پہلے سوچا اس کے لیے سوپ بنادے مگر پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ پتا نہیں اسے اچھا لگے گا یا نہیں۔ وہ خود بھی کافی تھکی ہوئی تھی اس لیے وہیں صوفہ کی بیک پہ سر ٹکائے آنکھیں موند گئی، اس کو کچھ خبر نہ ہوئی کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

اسے اندازہ نہیں تھا وہ کتنی دیر سوئی لیکن ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ چند لمحے لگے تھے اسے اپنے حواس درست کرنے میں اور پھر جب ذرا ذہن سوچنے کے قابل ہوا تو اس نے غور کیا۔ اندر کمرے سے اذان کی آواز آرہی تھی۔ عائشہ تیزی سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی۔ اذان آنکھیں موندے بستر پہ لیٹا نیند میں بڑبڑا رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدید تناؤ کا شکار تھا اور وہ بولتے ہوئے ایک دم بے چینی وخوف سے اپنے ہاتھوں کو جھٹک رہا تھا۔ یک دم وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے مدد مانگنے لگا تھا۔ عائشہ تشویش سے آگے بڑھی اور اس کے پاس بیٹھتے ڈرتے ڈرتے اذان کے ماتھے کو چھوا۔ بخار نہیں تھا لیکن وہ بڑبڑا رہا تھا۔ عائشہ کچھ سوچ کر اس کے پاس ہی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ وہ اب بھی بے چینی سے بول رہا تھا۔

”پانی......“ عائشہ نے جلدی سے میز پہ رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور آگے بڑھ کر اذان کو سہارا دیتے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر پانی کا گھونٹ اسے پلایا۔ چند قطروں نے اس کے سوکھے حلق کو سیراب کیا تھا۔ عائشہ نے ایک بار پھر گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ اس بار اس نے خود ہی پانی پی لیا اور اس کے ساتھ ہی آنکھیں بھی کھول دی تھیں۔ عائشہ نے بے ساختہ سکون کا سانس لیا۔ چند لمحے وہ اجنبیت سے عائشہ کو دیکھتا رہا اور پھر جیسے بجلی کی تیزی سے اٹھتے اس کو خود سے پرے دھکیلا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔“ وہ بری طرح مشتعل ہوا۔

”آپ کو پانی پلانا تھا۔“ اس نے شاک اور خوف پہ قابو پاتے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔

”ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ میرے گھر سے۔ جسٹ گیٹ لاسٹ۔“ اس نے فوراً حکم دیا۔ عائشہ حیرت سے دیکھتی رہی اور پھر بناء کچھ کہے تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

اذان کا جسم اب تک لرز رہا تھا۔ سر ایک بار پھر بوجھل ہونے لگا تھا۔ وہ گرنے کے سے انداز میں دوبارہ بستر پہ لیٹ گیا اور آنکھیں موندلیں۔ چند منٹ خود کو ریلیکس کرنے میں گزرے اور پھر اس نے اپنا فون اٹھایا۔ سستی سے لیٹے فون کی اسکرین کو دیکھا، اسے جھٹکا لگا تھا۔ اسکرین پہ جگمگاتا وقت اور تاریخ دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا تھا۔ رات کا آخر پہر تھا۔ وہ ہمت کرکے بستر سے اٹھا اور کمرے سے باہر آیا۔ لاؤنج خالی تھا اور دروازہ بند سامنے میز پہ وہ فائل رکھی تھی جس پہ عائشہ اپنا سارا کام مکمل کرچکی تھی۔ البتہ وہ اب جاچکی تھی۔ اسے بے تحاشا تاسف نے گھیر لیا تھا کیونکہ اپنی وحشت میں اس نے رات کے تین بجے عائشہ کو گھر سے نکال دیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

فضا میں ایک عجیب سی خاموشی اور خوف تھا، باوجود اس کے کہ شہر میں دیر رات تک کاروبار زندگی چلتا رہتا تھا

مگر اس وقت تین بج رہے تھے۔ سڑکوں پہ اکادکا گاڑیاں گزر رہی تھیں مگر اس وقت اس پوش علاقے میں پبلک ٹرانسپورٹ بالکل نہیں نظر آرہی تھی۔ وہ شدید غصے میں اذان کے گھر سے نکل تو آئی تھی اور اب بری طرح پریشان ہورہی تھی کہ آخر گھر کس طرح پہنچے۔ ویسے بھی اس کا گھر اس علاقے سے بہت دور تھا اور وہاں تک پیدل چل کر جانا مشکل اور خطرناک ہوتا۔ اذان نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی اور اسے افسوس تھا کہ اس نے ایک ایسے انسان کی مدد کی تھی جو خلوص کے جواب میں دھتکارتا ہے۔ اس کے ذہن میں صبح کا واقع گھوم رہا تھا جب اذان نے اپنی منگیتر کو سمجھانے کے بجائے الٹا اس کے شک کو تقویت دے کر اس کے ساتھ بھی اسی انداز میں گفتگو کی تھی جیسے اس کے ساتھ کرتا تھا۔ نجانے کیوں وہ راہینہ کو حق بجانب سمجھنے لگی تھی۔ وہ اس کی غلط فہمی کو دور کرسکتا تھا بجائے اس سے جھگڑنے کے۔ اسے خود بھی غصہ آرہا تھا جس نے خوامخواہ اپنا وقت ضائع کیا۔ اسے خود بھی وہاں سے اسی وقت نکل جانا چاہیے تھا جب ڈاکٹر آگیا تھا۔ کیسے عائشہ نے کئی گھنٹے ہلکان ہوکر اس کا خیال رکھا، جو اگر وہ بروقت یہ سب نہ کرتی تو یقیناً اس کی جان کو خطرہ ہوسکتا تھا۔ اپنے ذہن میں آتی انہی تمام سوچوں سے الجھتی وہ دل ہی دل میں کبھی خود کو تو کبھی اذان کو کوستے اس علاقے سے باہر نکل کر مین روڈ تک پہنچ گئی تھی۔ پول لائٹس اور سڑکوں پہ رواں ٹریفک دیکھ کر دل کو کچھ ڈھارس بندھی تھی۔ اتفاق سے ایک رکشہ بھی مل گیا تھا، رکشے والے نے اسے قدرے مشکوک نظروں سے دیکھا اور وہ بہت خوف زدہ تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ تنہا اس وقت سڑک پہ کھڑی تھی، شاید انسان ایسے ہی تجربوں سے سیکھتا ہے۔ خوف میں ڈوب کر کبھی قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکتا جبکہ خوف پہ قابو پانے سے ہی زندگی کا ہر مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ عائشہ نے اپنے اندر کے خوف کو تھپک کر سلایا اور فضیلت کی سکھائی کفالت کی دعا پڑھ کر رکشہ میں بیٹھ گئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

اس کی طبیعت مستقل خراب تھی، اعصابی دباؤ اور سر درد کے ساتھ ہمیشہ کی طرح گردن میں شدید درد تھا جس کے سبب وہ خاصہ نڈھال ہورہا تھا۔ یہ بات عائشہ یا ڈاکٹر نہیں جانتے تھے مگر اسے معلوم تھا اس کی طبیعت اتنی شدید بگڑنے کی وجہ کیا تھی۔ وہ خالی پیٹ بے تحاشا کافی اور چند دوائیوں کے ساتھ پچھلے دو دن سے زندہ تھا۔ اس دوران جاگ بھی رہا تھا اور کام بھی کررہا تھا۔ نیند نہ پوری ہونے سے اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن در آیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کچھ دیر سو جائے مگر نیند اس کا پرانا مسئلہ تھا اور فقط چاہنے سے تو اس کی رسائی نیند تک نہیں ہوتی تھی۔ اسی چکر میں اس نے مقررہ مقدار سے زیادہ نیند کی دوائی کھا لی تھی اور اسے نیند بھی آگئی تھی لیکن پھر راہینہ کے شور پہ آنکھ کھل گئی اور اس وقت ٹینشن، اسٹریس اور اوور ڈوز نے اپنا اثر دکھایا جس سے اذان کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی تھی۔ اس میں اگر ہمت ہوتی تو کل رات عائشہ کے پیچھے چلا جاتا لیکن جسمانی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ وہ چند قدم چل کر تھک گیا تھا۔ اسی لیے پلٹ کر واپس بستر پہ لیٹ رہا اور ایک بار پھر گہری نیند سو گیا۔ صبح اس کی آنکھ جاسم کے فون سے کھلی تھی جس نے اس سے اس کی طبیعت کے متعلق استفسار کرنے کے ساتھ ساتھ عائشہ کی بروقت موجودگی اور ڈاکٹر کی اذان کے اپارٹمنٹ میں آمد کے متعلق بتادیا تھا۔ یہ سب انتہائی حیران کن تھا اور وہ مزید شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔ عائشہ آج آفس نہیں آئی تھی اور یہ بات بھی اسے جاسم کی زبانی ہی پتا چلی تھی اور اذان اس کے نہ آنے کی وجہ سے بخوبی واقف تھا۔

فون بند کرکے وہ اب عائشہ کے متعلق سوچنے لگا تھا لیکن اس وقت سوچنا بھی قدرے مشکل امر تھا کیونکہ وہ کل سے بھوکا تھا اسی لیے کچن میں آکر اپنے لیے ناشتہ بنانے لگا مگر ذہن بار بار عائشہ کی طرف جارہا تھا۔ پتا نہیں کل رات وہ کس طرح گھر پہنچی ہوگی۔ وہ اب تک

دفتر نہیں آئی تھی تو کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہوگیا مگر جس طرح اس کی مدد پہ اذان نے اسے دھتکارا تھا اس کے بعد وہ بھلا آفس کیونکر آتی۔ بہر حال اپنے لیے ناشتہ بنا کر وہ لاؤنج میں چلا آیا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر اس نے سامنے میز پہ رکھی فائل اٹھا کر پڑھنا شروع کردی جو کل عائشہ فائنل کرکے گئی تھی کہ باہر دروازے پہ بیل ہوئی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا باہر سنبل اور بی بی جان کھڑی تھیں۔

"آپ یہاں اور اس وقت؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔ سنبل تو ویسے بھی وہاں نہیں آتی تھیں اور بی بی جان اسے اطلاع کیے کبھی نہیں آئی تھیں۔

"بس تم سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اسی لیے ہم دونوں صبح ہی گھر سے نکل آئے۔" حسب عادت انہوں نے بڑی محبت سے جواب دیا۔ البتہ سنبل کے چہرے پہ سنجیدگی طاری تھی۔

"مجھے بتا دیتیں، میں ملنے آجاتا آپ سے۔" اس سے دفتر جانا محال تھا لیکن اس نے یونہی کہہ دیا تھا۔

"تو پھر یہ کیسے پتا چلتا کہ تم یہاں اکیلے رہ کر کیا کررہے ہو؟" سنبل نے صوفہ پہ بیٹھتے قدرے جتاتے ہوئے کہا۔

"تو آپ یہاں میری انکوائری کرنے آئی ہیں؟" اسے ایک دم اندازہ ہوگیا تھا کہ یقیناً یہ سب راہینہ کی کارستانی ہے۔ اسی نے سنبل کو کال کرکے یہاں بلایا ہے۔

"نہیں...... سچ جاننے آئے ہیں کہ تمہارا کیا تعلق ہے اس لڑکی سے۔" سنبل نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ اذان سچ مچ جھنجلا گیا تھا۔ بی بی جان نے یک دم سنبل کے ہاتھ پہ اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے اسے ٹوکا اور خود سوال کیا۔

"میری جان ہمارا مقصد تمہیں پریشان کرنا یا زچ کرنا نہیں اور یہ بھی مت سمجھنا کہ ہم تمہارا اعتبار نہیں کرتے۔ لیکن تم نے کل جو کچھ راہینہ کے ساتھ کیا وہ بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" انہوں نے سمجھاتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا۔

"بی بی جان راہینہ، عائشہ سے بدتمیزی کررہی تھی وہ بھی شرجیل کے بہکانے پہ، میں نے اس لیے اسے ڈانٹا۔" اس نے دھیمے انداز میں وضاحت دی۔

"لیکن وہ لڑکی یہاں کیا کررہی تھی؟ جبکہ ہم سب جانتے ہیں تم گھر پہ کسی کو نہیں بلاتے۔" سنبل نے اعتراض کرتے اسے احساس دلایا۔

"کام ہو تو بلا بھی لیتا ہوں ممی۔ وہ میرے آفس میں کام کرتی ہے، میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، کل آفس نہیں جاسکا تو میرے مینجر نے اسے یہاں بھیج دیا اور راہینہ نے اسے دیکھتے ہی مجھ پہ الزامات کی بارش کردی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مگر شرجیل نے یہ سب راہینہ سے کیوں کہا کہ تم کسی اور میں انوالو ہو۔" بی بی جان پُرسوچ انداز میں بولیں۔ انہیں شرجیل کی مداخلت عجیب لگی تھی۔

"وہ دراصل ہمارا ایک چھوٹا سا جھگڑا ہوگیا ہے۔ عائشہ پہلے اس کے پاس جاب کرتی تھی، وہاں سے ریزائن کرکے میرے پاس آگئی تو اسے لگ رہا ہے میں نے اسے نیچا دکھانے کے لیے اسے جاب دی ہے۔" اذان نے جھوٹ بولا۔ یہ تو وہ کبھی نہیں چاہتا تھا کہ شرجیل کی سچائی کم از کم وہ انہیں بتائے۔ شرجیل کے مقام تک پہنچنے کے لیے اسے بہت گرنا پڑتا اور اذان اس درجہ تک چاہ کر بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"حد ہوگئی شرجیل کی بھی۔ اتنی بچگانہ حرکت کردی۔ کاروباری معاملات میں رشتے داری خراب کرنے کیا ضرورت تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اس بات سے تمہارے اور راہینہ کے رشتے پہ اثر پڑے گا۔" سنبل کو اب رہ رہ کر شرجیل پہ غصہ آرہا تھا۔

"خیر چھوڑو یہ سب باتیں، یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ مجھے تو اب بھی تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا لگ رہا ہے۔" بی بی جان نے یک دم سوال کیا۔ انہیں اذان کی

طرف سے بھی تشویش ہوئی تھی۔ اس کی حالت تو وہ یہاں آتے ہی دیکھ چکی تھیں۔ وہ چہرے سے ہی بیمار لگ رہا تھا مگر وہی سنبل کی جلد بازی کہ ہر بات بناء سوچے کہہ دیتی تھیں۔

"نہیں اب میں ٹھیک ہوں۔ بس ہلکا سا سر درد ہے۔ ریسٹ کروں گا تو بہتر ہوجاؤں گا۔" اس نے سنجیدگی سے تسلی کرانی چاہی۔

"یہاں رہ کر کام میں بزی رہو گے تو ریسٹ بالکل نہیں کرو گے۔ ایسا کرو تم ہمارے ساتھ آشیانہ چلو۔ وہاں چند دن ہمارے پاس رہو۔ طبیعت ٹھیک ہوجائے تو واپس آجانا۔" سنبل نے ٹوکا۔

"آپ کو پتا ہے میں یہاں زیادہ کمفرٹیبل فیل کرتا ہوں۔" اس نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اکیلے رہنا کوئی حل نہیں اذان...... بس اب چھوڑ دو اپنی ضد۔ ہمارے پاس نہیں رہنا چاہتے تو کم سے کم شادی کرلو۔" اس بار بی بی جان نے بھی زور دیا۔ اذان نے لب بھینچے بی بی جان کو دیکھا۔ وہ پہلے ہی خاصہ دباؤ کا شکار تھا، عائشہ اور شرجیل کا مسئلہ اس کے گلے پڑتا جارہا تھا تو دوسری طرف عائشہ کی طرف سے بھی تشویش تھی۔ اس کو اب یہ شادی کا موضوع ویسے ہی بیزاری ہونے لگی تھی۔

"آپ لوگ سفر سے آئے ہیں تھکے ہوئے ہوں گے۔ کچھ دیر آرام کریں۔ میں بھی ذرا فریش ہوکر آتا ہوں۔" وہ دھیمے انداز میں کہتا میز پہ رکھی فائل اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سنبل نے منہ بنائے بی بی جان کو دیکھا جیسے شکایت کررہی ہوں، بی بی جان خود بھی سنجیدہ تھیں۔ ان کا یہی ارادہ تھا کہ اذان کو شادی پہ منا کر اس سے تاریخ لے کر ہی آشیانہ جائیں گی۔

❀ ❀ ❀ ❀

"کیا دفتر سے چھٹیاں لی ہیں تم نے؟" وہ دو دن عائلیت کے پاس تھی لہٰذا ان کا سوال کرنا بنتا تھا۔

"ہاں بس یہی سمجھ لیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں

naeyufaq.com
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ھے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
تیری زلف کے سر ہونے تک
خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا
اکائی
عشنا کوثر سردار کا ایک لازاول ناول جس کا ہر لفظ انمٹ نقوش چھوڑ دیگا
عشق دی ماری مین جھلی
صائمہ قریشی کی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر غم و خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی
Info@naeyufaq.com
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

جواب دیتے سیب کاٹ کر ان کے سامنے رکھی پلیٹ میں رکھا۔

''نئی نئی ملازمت ہے تمہاری بیٹا۔ کیوں میری وجہ سے اپنے کام کا حرج کر رہی ہو؟'' اسے ماں کی معصومیت اور فکر پہ پیار آیا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید عائشہ ان کی وجہ سے دفتر نہیں جا رہی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ان حالات میں اذان کا سامنا کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نہ ہی وہ اس کے ساتھ مزید کام کرنا چاہتی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے امی، میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کچھ دن آف لے لیا۔ آپ کے پاس اس لیے آجاتی ہوں کہ سارا دن گھر میں اکیلے رہتے خوف محسوس ہوگا۔ آپ کے بغیر تو رات بھی مشکل سے گزرتی ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں تسلی دی۔

''میں تو کہتی ہوں بس اب گھر چلتے ہیں۔ یہاں رہ کر تو مجھے لگ رہا ہے میں کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتی۔'' فضیلت نے بیزاری سے کہا۔

''ایسی بات مت کیا کریں۔ آپ بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔ اچھا میں ذرا باہر اسٹاف سے پوچھ کر آؤں ڈاکٹر کب آئے گا۔'' اس نے انہیں تسلی دی اور پھر کچھ سوچ کر کہتی جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔

راہداری سے نکل کر وہ استقبالیہ تک پہنچی تھی جب سامنے سے اذان آتا دکھائی دیا۔ وہ ٹھٹھکی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا اور اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوش لباس تو وہ ہمیشہ سے تھا اور اس پہ اس کی شخصیت اور سنجیدگی اسے مزید پُرکشش بناتی تھی۔ اس وقت بھی استقبالیہ میں موجود کئی لوگوں نے گردن موڑے اسے دیکھا تھا۔ یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں ایک بار دیکھ کر دوبارہ نظر ان کی طرف اٹھتی ہے۔

''میں جانتا تھا تم یہیں ملوگی اسی لیے میں اسپتال آگیا۔'' اس نے قریب آکر سنجیدگی سے کہا۔

''مجھ سے کیا کام ہے آپ کو؟'' وہ نظریں جھکائے اپنی بوکھلاہٹ چھپاتے بولی۔ سچ یہی تھا کہ وہ اس سے بری طرح خائف ہو رہی تھی۔ اسی لیے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہیں کرتی تھی۔

''کچھ دیر کہیں بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں؟'' اس نے دھیمے مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا تو عائشہ دوٹوک انکار کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس سے اتنی خفا تھی کہ اس کی کوئی بات سننے کا دل نہیں تھا، اسی لیے تو دو دن سے آفس نہیں گئی تھی مگر اپنے اندر اٹھتی چیخ و پکار اور انکار کی آوازوں کے برخلاف اس نے نظریں جھکائے سر ہلا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' اذان نے چند لمحوں بعد خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اسپتال کی پارکنگ میں کھڑی اذان کی گاڑی میں بیٹھے تھے۔ عائشہ نے سر اٹھا کر اذان کو دیکھا۔ وہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تمہارے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایکچولی میں......'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں وضاحت کرنے لگا۔

''آپ کا غصہ حق بجانب ہے۔ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں کیونکہ آپ مجھے ایک بری عورت سمجھتے ہیں۔ میں نے تو بس آپ کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی، مجھے اندازہ تھا آپ کو مجھ سے اتنی گھن آتی ہے کہ آپ میرا ہاتھ لگانا بھی برداشت نہیں کرسکتے۔'' اس کی بات کاٹتے وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں بولی۔ اذان نے حیرت سے عائشہ کو دیکھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے عائشہ، تمہیں بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے سر نفی میں ہلاتے بے ساختہ تردید کی۔

''بات بس یہی ہے اذان صاحب۔ آپ کی نظروں میں مجھے ہمیشہ اپنے لیے تضحیک نظر آئی ہے۔ ہر ایک لفظ نشتر ہوتا ہے آپ کا میرے لیے، یہ سوچے بغیر کہ اس سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی' آپ ہمیشہ میری انسلٹ کرتے ہیں۔ میں جس پوزیشن میں وہاں تھی اس کی وضاحت دینے کا کوئی فائدہ نہیں اور میں وضاحت دوں بھی کیوں؟'' یہ وہ تمام باتیں تھیں جو کئی دنوں سے عائشہ کے اندر کھول رہی تھیں۔ اذیت کا الاؤ تھا جو پھٹنے کو مچل رہا تھا اور وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس سب کا اظہار نہیں کرسکے گی مگر پھر نجانے کیسے اس نے ایک دم اذان سے یہ سب کہہ دیا۔

''مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا، میرے حالات میں کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی۔ اس کے لیے مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ ضرورت مند دیوانہ ہوتا ہے اور ضرورت اسے بہت کچھ کرنے پہ مجبور کردیتی ہے لیکن یہ بات آپ کی طرح منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والے نہیں جان سکتے۔ آپ کو کیا پتا ہماری پوری زندگی تکلیف کے سمندر میں اپنے سروائیول کے لیے ہاتھ پیر مارتے گزر رہی ہے۔ پھر اگر شرجیل جیسا کوئی مدد کے بہانے ہمیں بھٹکا دے تو کیا فقط میرا قصور ہے؟'' وہ بنا رکے بول رہی تھی اور اذان حیران بیٹھا اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ عائشہ نے حتمی انداز میں کہتے نظر اٹھا کر اذان کی طرف دیکھا۔

''میں نے کب کہا کہ قصور تمہارا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

''آپ کا ہر انداز بتاتا ہے۔ ہر بار جب آپ میری طرف دیکھتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے جیسے میری تذلیل کی جا رہی ہے۔ کاش آپ کبھی کسی پریشانی سے گزرے ہوتے اور آپ کو یہ احساس ہوتا کہ ایک عام انسان پریشانی سے بے بس ہو کے مایوسی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ جہاں سے باہر نکلنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ میں نے تو پھر کوشش کر کے خود کو اس مقام سے باہر کھینچ لیا۔'' اس نے بمشکل آنسو کو بہنے سے روکا۔

''تم سچ میں بہت بہادر ہو عائشہ جو اپنی پریشانی اور بے بسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے۔ تمہارے مقابلے میں، میں تو بہت کمزور ہوں۔ آج تک کبھی مایوسیوں سے باہر نہیں نکل سکا۔'' اس نے کھلے دل سے تسلیم کیا۔ اب کی بار حیران ہونے کی باری عائشہ کی تھی۔

''میری وجہ سے تمہاری دل آزاری ہوئی اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ میں کسی سے نفرت نہیں کرتا سوائے اپنے آپ کے۔ اس لیے میرے اس رویے سے کوئی نتیجہ نکال کر خود کو اذیت مت دو۔ میں بس اتنا کہنے آیا تھا کہ میری وجہ سے جاب مت چھوڑو۔'' اس نے مزید کہا۔

''مجھے جاب کی ضرورت ہے لیکن ایسی بھی نہیں کہ میں اس کے بغیر سروائیو نہیں کرسکتی۔ شرجیل کے ساتھ کام کرنا چھوڑ سکتی ہوں تو آپ کے پاس کام کرنا بھی میری مجبوری نہیں۔'' عائشہ نے سر جھکائے ضدی لہجے میں جواب دیا۔

''یقیناً نہیں ہے لیکن تم ایک اچھی ایمپلائی ہو۔ اپنی ذمہ داری نبھانا جانتی ہو اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ آئی ہوپ تم کل سے آفس آؤ گی۔'' اذان نے بے ساختہ و تعریفی انداز میں کہتے فیصلہ کن نظروں سے عائشہ کو دیکھا۔ وہ الجھی بیٹھی تھی اور بنا کوئی جواب دیے اذان کی گاڑی سے باہر نکل گئی۔ اذان نے اپنے سن گلاسز آنکھوں پہ لگاتے گاڑی اسٹارٹ کی۔

عائشہ الجھن سے کھڑی تھی۔ اذان کی گاڑی اب دور جاچکی تھی۔ لب کاٹتے وہ بھی فضیلت کے کمرے کی طرف چل رہی تھی۔

(باقی اگلے ماہ ان شاءاللہ)

www.naeyufaq.com

ریحانہ کی ام کلثوم

عمارہ خان

"واقعی ام کلثوم تمہارے محلے میں رہتی ہیں؟" ریحانہ نے حیرت کی آخری حد کو چھوتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا۔

"ہاں...... بھئی ہاں۔" فریحہ نے تنگ کر پانچویں بار ایک ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے ابھی بھی یقین نہیں آرہا یار۔" ریحانہ نے اس کو دونوں بازوں سے تھام کر یقین چاہا۔

"سچ بتاؤ ناں فری۔"

"انفففف۔" بالآخر فریحہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ "اتنی مشکل سے تو اجازت ملی تھی تم سے ملنے کی اور وہ تم اپنی ام کلثوم کی نظر کردو۔"

"ہائے فری...... تمہیں کیا معلوم، میں کتنا مرتی ہوں ان پر کیا لکھتی ہیں وہ۔"

"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔" فریحہ نے منہ بناتے ہوئے پاس رکھا ہینڈ بیگ اٹھایا لیکن دوسری طرف پروا کیسے تھی۔

"ام کلثوم...... میری پسندیدہ رائٹر ہیں، تمہیں کیا معلوم میرے پاس ان کا پورا کلیکشن ہے۔ ہائے دل چاہتا ہے ہر وقت ان کی کہانیاں پڑھتی رہوں بس پڑھتے ہی رہوں اور وہ کبھی ختم ہی نہ ہوں۔" ریحانہ نے فریحہ کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔

"یار تمہیں کیا معلوم مجھے جب سے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت ملی ہے میں اسی وقت سے مرنے کی حد تک ان کو پسند کرتی ہوں۔" ریحانہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح اور کون سے الفاظ کا چناؤ کیا جائے کہ فریحہ کو اس کی محبت اور عقیدت کا اندازہ ہو جو اسے ام کلثوم سے تھی۔

"دیکھو ریحانہ...... اب اگر تم نے یہ قصیدہ خوانی بند نہ کی تو میں سچ مچ چلی جاؤں گی۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ تم میرے ساتھ اس طرح کرو گی تو میں کبھی نہ آتی دو سال بعد ہم مل رہے ہیں اور تم مجھ سے بات کرنے کی بجائے اس ام کلثوم نامی رائٹر کے پیچھے پڑ گئی ہو۔"

"اچھا...... اچھا سوری، بس ایک بار، پلیز آخری بار بتادو تم ملواؤ گی ناں مجھے ان سے؟" ریحانہ نے مسکین سی شکل بنا کر کہا تو فریحہ کے چہرے کی بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کی مصنوعی ناراضی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

"میں اتنی مشکل سے تم سے ملنے آئی تھی اور تم نے سارا وقت اپنی رائٹر کے قصیدے پڑھنے میں ضائع کردیا۔ انتہائی کمینی ہو تم۔"

"اچھا ناں...... چلو کچن میں چلتے ہیں چائے بناتے ہیں اور اب میں کسی کا نام نہیں لوں گی خاص کر ام کلثوم کا۔" ریحانہ نے ام کلثوم کا نام ذرا بلند آواز میں لیا اور ساتھ ہی دونوں دوستوں کا مشترکہ قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

ریحانہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ماں باپ اور دو بڑے بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونے کے ناطے کافی آسودہ حال میں رہ رہی تھی۔ دونوں بھائیوں کے ساتھ ابو بھی ملازمت کرتے تھے سو بہت زیادہ نہ سہی پھر بھی خوشحالی گھر میں نظر آتی تھی۔ ریحانہ کی امی نہ صرف ایک سلجھی ہوئی خاتون تھیں بلکہ پڑھنے کی بھی شوقین تھیں اسی لیے ریحانہ کو کم عمری سے ہی کتب بینی کا شوق ان سے ورثے میں ملا تھا۔ گھر میں بچوں کے رسائل نہ صرف آتے تھے بلکہ ریحانہ کو پڑھنے کی تلقین بھی کرتیں۔

جہاں ایک عمر معصوم کہانیوں کو پڑھتے گزری تھی اب عمر کے تقاضے پوری کرنے کے لیے اس کے پاس دوسری دنیا موجود تھی۔ خوب صورت گھر کا احاطہ کیے کہانیاں جس میں کزن کی شرارتیں، محبت برساتی دادی نانی، پھوپو بھابی کی گھریلو سیاست، دو پیار کرنے والوں کی پیار بھری باتیں، بھرپور محبت کرنے والا خاندان، کیا کیا نہیں تھا اس لفظوں سے بنی دنیا میں اور اس دنیا کو بنانے والی ام کلثوم۔ ریحانہ کی پسندیدہ اولین خاتون مصنفہ جو اس کے دل کو چھو گئیں، اس کے بعد ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا جو کچی عمر سے کالج ختم ہونے تک دیوانگی کی حد تک جا پہنچا تھا۔

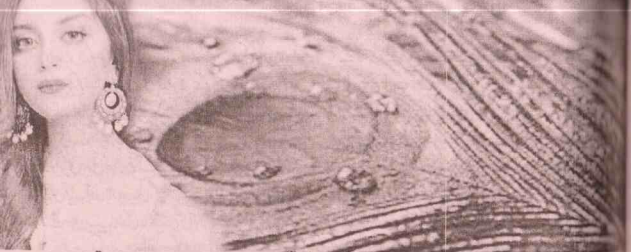

ویسے بھی ہر لڑکی اور عورت کے اندر چاہنا اور چاہے جانے کی خواہش شاید ازل سے ابد تک لکھ دی گئی ہے، سو ریحانہ ایک آئیڈیل گھرانے کی تشکیل کرنے والی مصنفہ ام کلثوم کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ بے شک یہ لکھنے والے ہماری حقیقت کی دنیا کے مسائل کچھ وقت کے لیے بھلا دینے پہ قدرت رکھتے ہیں۔ ریحانہ کو لگتا تھا ام کلثوم ایک مکمل اور آسودگی کی حامل زندگی گزارتی ہوگی اور سکون کے ساتھ کہیں اپنے میاں بچوں کے ہمراہ پیاری سی جگہ پہ رہتی ہوں گی۔ کیونکہ ام کلثوم کا مطلب تو یہی ہوا ناں کلثوم کی ماں تو ظاہر ہے یہ شادی شدہ ہوئیں۔ یقیناً ان کو یہ اعتماد گھر والوں نے دیا ہوگا اسی لیے وہ اپنے الفاظ کے ذریعے ہم پڑھنے والوں کو سکون مہیا کرتی ہیں۔

"آہ...... کیا لکھتی ہیں یہ ام کلثوم۔ خوب صورت سا آرام دہ گھر جہاں پیار، یقین، اعتماد اور بھروسا وافر مقدار میں ہوتا ہے ساتھ ہی ایک صاف ستھرا سا ماحول نہ بولڈ سین نہ ہی کمزور ساعت کی غلطیاں جنہیں پڑھتے ہوئے بھی شرم آئے، بہت ہی خوب صورت الفاظ مانو موتی پرو رکھے ہوں اور نرم گرم سے لفظ ایک خوابوں کی دنیا میں پہنچا دینے پہ قادر ہوں واہ۔" یہ وہ سوچیں تھیں جو ریحانہ کے دماغ میں چکراتی رہتی تھیں اور وہ گھنٹوں بہت خوشی سے یہ سب سوچتی بھی تھی۔

پہلے پہل تو ریحانہ کو باقاعدہ خواتین کے رسالے پڑھنے کی اجازت نہیں تھی ہاں یہ تھا کہ جو کہانیاں امی پڑھ لیتی تھیں وہ ریحانہ کو پڑھنے کے لیے دے دیتی تھیں۔ امی بے شک ایک لبرل خاتون تھیں لیکن ان کے کچھ اصول ضرور تھے جن سے وہ ایک انچ ہٹنے پہ تیار نہیں تھیں۔ ان کے خیال میں جب لڑکی کالج میں پہنچ جائے تو اس کو زمانے کی آگاہی دینا ضروری ہے لیکن میٹرک تک وہ جتنا معصوم رہے اچھا ہے لیکن میٹرک کی تین ماہ کی چھٹیوں میں ریحانہ نے ان ڈائجسٹ کی بدولت پوری نہ سہی ادھوری معلومات ضرور حاصل کرلی تھیں لیکن گھر کے ماحول اور تربیت نے اس کو قابو میں رکھا ہوا تھا بلکہ بگڑنے کی جگہ وہ کافی حد تک سدھر گئی تھی اور پڑھنے کی عادت بھی مضبوط ہوگئی تھی۔ اب جبکہ وہ بی اے کے آخری سال میں تھی تو ام کلثوم کی مزید دیوانی ہوگئی تھی۔ فرسٹ ائیر کے آؤٹ اسٹینڈنگ رزلٹ نے امی کو بھی مجبور کردیا کہ ریحانہ کو ام کلثوم کی کتابوں کا سیٹ دیں اور ریحانہ کی تو گویا چاندنی ہوگئی تھی۔ اس کے کمرے میں ابو نے بہت خوب صورت ریک بنا کے دیا جہاں سب سے نمایاں ام کلثوم کی کتابوں کا پورا سیٹ تھا۔ یہی سیٹ دیکھ کر ریحانہ کے اسکول کی دوست فریحہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"یہ تو ہمارے پڑوس میں رہتی ہیں۔" اور ریحانہ نے فریحہ کا پیچھا لے لیا کہ مجھے ملوادو کسی طرح لیکن اہم مسئلہ یہ تھا ریحانہ کی امی کو سہیلیوں کے گھر آنا جانا بالکل پسند نہیں تھا ان کا اصول تھا اسکول کالج کی دوستی بس اسی حد تک رہنی چاہیے گھروں میں آنا جانا ان کے نزدیک معیوب تھا۔ یہ تو ایک دو درس و تدریس کی محفل میں فریحہ کی امی سے ملاقات ہوگئی تو

واحد فریحہ کو اجازت تھی ریحانہ کے گھر آنے کی لیکن تاحال ریحانہ کو اجازت نہیں ملی کہ فریحہ کے گھر جائے۔ علاوہ اس کے ریحانہ یا دونوں لڑکے (جب تک کالج لائف میں تھے) کسی کے گھر نہ جاتے باقی ہر قسم کی آزادی تھی۔ جو دل چاہے جو مرضی ہوئی کھانے کے لیے منگوالیا جاتا۔ ہوٹلنگ بھی مہینے میں ایک آدھ بار ہوجاتی تھی اب جبکہ دونوں لڑکے نوکری پیشہ تھے سوان پہ یہ پابندی عائد نہیں تھی لیکن ہنوز ریحانہ اس اصول کے تحت زندگی بہت خوشی سے گزار رہی تھی۔

ابو اور دونوں بڑے بھائی الگ الگ پاکٹ منی بھی دیتے تھے ہر بک فیئر سے ڈھیروں کتابیں لانا ریحانہ پر فرض تھا جیسے سفرنامے، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں اور ناول اور تمام قسم کی کتابیں لانا اور پڑھنا ریحانہ کا مرغوب مشغلہ تھا لیکن اب وہ اپنے اندر کی لڑکی کا کیا کرتی جو ہلکا پھلکا رومانس پڑھ کے زیادہ خوش ہوتی تھی یا شاید یہ ہر لڑکی کا ہی خواب ہوتا ہے چھوٹا مگر پیار بھرا پُر سکون سا گھر چھوٹی سی فیملی اور وہ خود۔

ریحانہ کو ام کلثوم کی ہر کہانی میں ان خوابوں کی تعبیر ملتی تھی تو کیا حیرت تھی وہ ام کلثوم کے عشق میں گرفتار ہوئی تھی اور جب ام کلثوم سے ملنے کا سدباب ممکن تھا تو ریحانہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

اب یہ الگ داستان ہے کہ ریحانہ نے مسلسل ایک ہفتے کی کوششوں اور تگڑی سی ابو کی سفارش لگائی تو بھائیوں نے بھی ہر ممکن کوشش کی کہ ریحانہ کو فریحہ اور ام کلثوم کے گھر جانے دیں سو الطاف بھائی کو لے جانے اور لانے کی ذمہ داری دے کر امی نے بلآخر اجازت دے ہی دی تھی۔

❀........❀........❀........❀

تو اب صورت حال یہ تھی کہ آنے والا جمعہ ریحانہ کے لیے یادگار بننے والا تھا۔ اسے اجازت مل گئی تھی اپنی فیورٹ مصنفہ سے ملنے کی۔ پورا ہفتہ ریحانہ نے کیسے گزارا یہ وہی جانتی تھی۔ کتابوں کا ایک سیٹ لیا، اسے بے حد محبت سے پیک کیا اسی کے ساتھ ایک عدد قیمتی پین بھی لیا کہ کبھی جو ام کلثوم اس پین سے اپنے لفظوں کا جادو چلائیں گی تو کتنا مزہ آئے گا اسی کے ساتھ اپنے لیے سوٹ منتخب کرنا سب سے مشکل کام ثابت ہوا تھا اور بلآخر ان سب کاموں سے فراغت حاصل کر کے گھڑیاں گننا بھی اذیت ناک تھا۔ جمعہ ابھی بھی دو دن بعد تھا۔ اس دن کیونکہ الطاف بھائی کا ہاف ڈے ہوتا تھا اور وہ پک اینڈ ڈراپ دے سکتے تھے اسی لیے جمعہ کا دن مجبوراً رکھنا پڑا تھا۔ ورنہ ریحانہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فریحہ کے ساتھ اسی دن جا کر اپنی پسندیدہ مصنفہ سے مل کے اپنے دل کی باتیں کہہ دے۔

اللہ اللہ کر کے جمعہ کا دن آیا تو ریحانہ کے دل کی دھڑکن گویا اس کے کانوں میں دھک دھک کر رہی تھی، صبح سے بے یقینی کی کیفیت میں بوکھلائی بوکھلائی پھرتی ریحانہ امی کو بار بار ہنسنے پہ مجبور کر رہی تھی۔ بلآخر الطاف بھائی جمعہ پڑھ کر گھر آئے تو ریحانہ گیٹ سے لاؤنج تک کے کم و بیش پچاس چکر لگا چکی تھی۔

”ریحانہ...... اللہ کا نام لو کوئی یقین کرے گا کہ تم کالج میں ہو، حرکتیں دیکھو ذرا۔“ امی نے خفگی سے کہا۔

”اف امی...... ! آپ کو اندازہ ہی نہیں کیا کیفیت ہے میری اور میں بتا بھی نہیں سکتی۔“ ریحانہ بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

ابھی امی مزید ڈانٹنے کے لیے منہ کھولنے ہی لگی تھیں کہ باہر سے الطاف بھائی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ریحانہ کے گویا پر لگ گئے اور وہ اڑتی ہوئی مین گیٹ تک جا پہنچی۔

”ارے اپنے تحائف تو لے جاؤ۔“ اچانک امی کی آواز آئی اور ریحانہ نے فوراً سے بیشتر اپنے پیروں کو بریک لگائے ساتھ ہی بھائی کو دو منٹ کا اشارہ کرتی واپس اندر بھاگی امی کے ہاتھ سے تحائف کے شاپرز لے کے اسی رفتار سے بھاگتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

”کہاں چلنا ہے؟“ الطاف بھائی نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔ اس نے علاقے کا نام بتایا۔

”ارے یار...... یہ تو بہت دور کا علاقہ ہے۔“ الطاف بھائی منہ بسور کے بولے۔

”بھائی......“ ریحانہ نے ماتھے پہ تیوریاں ڈال کے

انہیں گھورا۔ ”مجھے معلوم ہے آج کل آپ سب لوگ مجھے چھیڑنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن بس کریں اب۔“

”اچھا...... اچھا میں تو مذاق کر رہا تھا چلو یہ بھی کوئی دور ہے بس یہ ایک گھنٹہ کی ڈرائیو ہے۔“ الطاف بھائی نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی۔

”کیا خالی ہاتھ جاؤ گی اپنی چہیتی اور پیاری رائٹر کے گھر؟“

”خالی ہاتھ کیوں یہ کتابیں اور پین لیا ہے ناں۔“

”میرا کہنے کا مطلب تھا کوئی مٹھائی کیک وغیرہ۔“

”اوہو...... اچھا ہوا یاد دلایا بھائی آپ نے کیک لوں یا مٹھائی؟“

”دونوں لے لو۔“

”اچھا، کچھ عجیب سا نہیں لگے گا۔“ اور جب بھائی کا جوابی قہقہہ گاڑی میں گونجا تو ریحانہ کو ایک بار پھر بیوقوف بننے کا احساس ہوا۔

”ارے ناراض نہ ہو ایسا کرو بڑا سا کیک لے لو مٹھائی تو اب آؤٹ آف فیشن ہوگئی ہے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ کچھ ہی دیر بعد الطاف بھائی نے مشہور بیکری کے سامنے گاڑی پارک کی اور کیک لے کر ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد فریحہ کا گھر آیا تو ریحانہ ایک بار پھر گھبراہٹ کا شکار ہونے لگی کچھ عجیب سے احساسات تھے۔

”وہ آج بذات خود سامنے ہوں گی اور میں ان کو چھو بھی سکوں گی، ساتھ باتیں کروں گی شاید وہ چائے بھی پلا دیں؟ ارے وہ لسٹ کہاں گئی سوالوں کی جو میں نے کل رات تیار کی تھی۔“ ایک دم ریحانہ جیسے خواب سے جاگی۔ جلدی جلدی اپنا ہینڈ بیگ کھنگالا تو سامنے ہی ایک کاغذ لپٹا ہوا نظر آیا تو شکر کی سانس لی۔

الطاف بھائی نے گاڑی فریحہ کے گھر کے پاس والی گلی میں پارک کی اور ریحانہ کے ساتھ فریحہ کے گھر میں داخل ہوگئے فریحہ پہلے سے ان کی منتظر تھی۔

”اُف فریحہ اتنا تکلف کرنے کیا ضرورت تھی یار۔“ سامنے میز پہ نمکو اور بسکٹ دیکھ کے ریحانہ نے کوفت سے کہا۔

”کیا ہوگیا ریحانہ...... ایک تو تم پہلی بار میرے گھر آئی ہو اور اب تم نخرے دکھا رہی ہو۔“ فریحہ نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”میں نے کب سے چائے نہیں پی کہ تمہارے ساتھ پیوں گی، اب تمہارے نخرے نہیں ختم ہو رہے۔“

”ارے میرا مطلب تھا، مجھے واپس بھی جانا ہے تو ان سب سے انصاف کرتے کرتے کافی وقت گزر جائے گا پھر ام کلثوم کی طرف کم وقت ملے گا، سمجھو ناں بات کو۔“

”ریحانہ...... تم تو باولی ہی ہوگئی ہو یار۔“

”ہاں سب میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جسے دیکھو میرا مذاق اڑا رہا ہے۔“

”تم اپنا مذاق خود اڑوا رہی ہو۔“ فریحہ نے ریحانہ کے دونوں ہاتھوں کو پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”دیکھو وہ لوگ جو لکھتے ہیں یا پینٹنگ کرتے ہیں یا کوئی بھی کام کرتے ہیں وہ بھی ہم لوگوں کی طرح عام انسان ہوتے ہیں، تم نے کیوں ہوا بنا لیا ہے ایک رائٹر کو۔“

”اچھا اگر بنا لیا ہے تو سب کو کیا مسئلہ ہے؟ اب صاف صاف بتاؤ ام کلثوم کے گھر جا رہی ہو یا نہیں یا میں واپس چلی جاتی ہوں۔ صبح سے یہ وقت ہوگیا ہے جسے دیکھو مجھے سمجھا رہا ہے اور مذاق اڑا رہا ہے۔“ ریحانہ نے ایک دم تنک کر کہا۔ فریحہ اس کے انداز پہ بوکھلا گئی۔

”ارے...... ارے کیا ہوگیا ہے ریحانہ، اچھا چھوڑو سب کچھ تم حلیہ درست کرو میں امی کو بتا کے آتی ہوں۔“

”کیا مطلب کیا پیدل جائیں گے؟“ ریحانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”ہاں یہ دو گلی چھوڑ کے تو ان کا گھر ہے۔“ فریحہ نے پلٹ کے کہا اور اپنی امی کو بتا کر آ گئی۔

”ہم جا رہے ہیں تو ثوبیہ اور فیصل کو بھی لے آؤں گی۔“ نکلتے نکلتے فریحہ نے بلند آواز سے امی کو بتایا۔

”دیکھو ریحانہ...... خدارا اپنی شکل کو درست کر لو۔“

"کیا مطلب؟"

"کاش میں اس وقت تمہیں آئینہ دکھا سکتی کہ تم اس قدر ہونق لگ رہی ہو کہ بس۔" ریحانہ کو اندازہ تھا فریحہ صحیح بول رہی ہے کیونکہ اپنے چہرے کی تپش تو وہ بھی محسوس کر سکتی تھی۔

"ثوبیہ اور فیصل کو کہاں سے لوگی؟ کیا مجھے چھوڑ کے تم کہیں اور بھی جاؤ گی؟" ریحانہ نے موضوع بدلتے ہوئے رسان سے پوچھا۔

"ثوبی اور فیصل ان کے ہی تو گھر ٹیوشن پڑھتے ہیں اگر تم نے الٹی سیدھی حرکت کی تو وہ لوگ مذاق اڑائیں گے، اسی لیے ذرا کنٹرول میں رہنا تم سمجھی کہ نہیں؟" فریحہ نے جیسے دھمکی دی تھی وہ خاموش رہی۔

"فریحہ...... تم نے پہلے کبھی بتایا بھی نہیں ام کلثوم تمہارے بھائی کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہیں؟"

"اس میں بتانے والی کیا بات تھی۔" فریحہ نے مزید حیرانی سے الٹا سوال کیا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری ام کلثوم نے میتھ میں ماسٹر کر رکھا ہے اور ہمارے علاقے کی ہر دلعزیز ٹیوشن والی باجی وہی ہیں ایک باران کی بیٹی کی میڈیسن لینے اندر کمرے میں گئی تو شاید ان کا کوئی ادھورا ناول لکھا ہوا تھا۔ مجھے لگا یہ رائٹر ہوں گی تو میں نے ایویں ہی پوچھ لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ام کلثوم کے نام سے لکھتی ہیں، تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمارے گھر کسی کو ڈائجسٹ پڑھنا پسند نہیں، یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا تم دیوانی ہو ان کی۔ یہ دیکھو یہ ہے ان کا گھر۔" باتوں باتوں میں ہم ام کلثوم کے گھر بھی پہنچ گئے اور معلوم بھی نہیں ہوا۔ ریحانہ فریحہ کی بات سن کہاں رہی تھی اس کا تو سارا دھیان اس دو منزلہ عمارت پر تھا جس کی انٹرنس پہ لائن سے خوب صورت پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

"واہ...... یہ ہے گھر ام کلثوم کا بالکل اپنی کہانیوں کی طرح۔" ریحانہ نے دل میں زبردست داد دی اور فریحہ کے پیچھے قدم بڑھا دیئے لیکن جب فریحہ نے ڈور بیل کی بجائے مین ڈور سے منسلک چھوٹا گیٹ کھول کے اندر کی طرف بنی سیڑھیوں پہ چڑھنا شروع کیا تو وہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"ایسے کیسے منہ اٹھا کے اندر گھسی جا رہی ہو؟" ریحانہ کو فوراً اپنی پڑ گئی۔ کیا سوچیں گی ام کلثوم کیسی لڑکیاں ہیں منہ اٹھا کے اندر آ گئیں۔

"تو کیسے جائیں اندر؟ ان کے کمرے میں ڈور بیل کا کنکشن تھوڑی ہے یہ سیڑھیاں ان کے ہی لیے تو ہیں سیدھا چھت تک۔" فریحہ نے کہا۔

"چھت......؟" ریحانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"یار...... چھت پہ رہتی ہیں ناں ام کلثوم کرائے پہ جلدی چلو۔" اور ریحانہ جیسے اگلی بات کرنا بھول گئی اور فریحہ کے پیچھے چلتی گئی۔ پہلی منزل تک صاف اور کشادہ سیڑھیاں تھیں پھر بتدریج پتلی اور عجیب سی ہوتی چلی گئی صاف لگ رہا تھا بعد میں خانہ پوری کے لیے بلاک لگا کر سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں۔ کافی بڑی اور کشادہ چھت تھی جس کے ایک طرف پانی کا ٹینک جو یقیناً پورے گھر کو پانی سپلائی کرنے کے لیے تھا اور پھر اسی کے ساتھ دو کمرے ٹین کی چھتوں کے بنے ہوئے تھے۔ دونوں کمروں کے برابر ایک بہت چھوٹا اور بغیر رنگ کے دیواروں والا کیبن سا بنا ہوا تھا۔ جو بعد میں کچن ثابت ہوا، چھت کی دوسری طرف زنگ کھائی واشنگ مشین کے ساتھ ایک اور کمرہ تھا جو یقیناً باتھ روم تھا۔ چھت کے بیچوں بیچ ایک تخت اور ایک چارپائی رکھی تھی جہاں ٹیوشن والے بچے بیٹھے ہوئے تھے وہیں ایک چھوٹی سی بچی لکڑی کی کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھی لیکن وہ بچی صرف قد کے حساب سے تھی یقیناً دس سال کی تو ہو گی اور اس کے پاؤں عجیب طرح سے لکڑی کی کرسی سے لٹکے ہوئے تھے غور کرنے پہ ریحانہ پہ انکشاف ہوا وہ تو پولیو زدہ پیر تھے۔

پے در پے صدمات سے سنبھلتی ہوئی ریحانہ ابھی لائن سے گملے اور ان میں رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ بھی نہیں پائی تھی کہ ایک نازک سا وجود نماز پڑھنے کی انداز سے دوپٹا لیے کچن سے باہر آیا تو گویا اس کے ٹوٹے خواب بکھر گئے۔

"ارے فریحہ...... آؤ آؤ بڑے دنوں بعد آئی ہو۔" نرمی

سے گھلی ہوئی آواز بھی ریحانہ کا صدمہ کم نہیں کر پائی۔

جیسے ہی وہ نازک سا وجود کچن سے نکل کر چھت کی تیز روشنی میں آیا ریحانہ کی باقی ماندہ ملنے کی خواہش بھی جڑ سے ختم ہو گئی۔ سانولا رنگ، بوٹا سا قد اور نظر کے موٹے چشموں کے ساتھ یہ تھیں ام کلثوم۔ ریحانہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"نہیں...... نہیں یہ ام کلثوم نہیں ہو سکتیں۔ وہ تو رنگوں کی پھولوں کی باتیں کرتی تھیں، یہ تو اداسیوں میں لپٹا وجود ہے یہ کیسے رنگین خواب بن سکتی ہیں، ہماری آنکھوں میں جبکہ خود کی آنکھیں کتنی بے رنگ اور خالی ہیں، یہ کیسے اتنے خوب صورت نقشوں کے گھر اور بڑے بڑے صحنوں والے گھروں میں گھوماتی تھیں جبکہ خود یہ ٹین کی چھت والے کمروں میں رہ رہی ہیں۔"

"اچھا یہ ہے میری وہ فین جن کا تم نے ذکر کیا تھا کیا بھلا سا نام تھا؟ ہاں یاد آیا ریحانہ شاید۔" نہایت ہی نرمی اور ملائمت سے ام کلثوم نے جب ریحانہ کو مخاطب کیا تو اسے سمجھ نہ آئی اب بولوں تو کیا بولوں الفاظ سب گم ہو گئے تھے۔

"جی...... جی وہ...... وہ......" ریحانہ نے بڑی مشکل سے زبان کو حرکت دی اور ام کلثوم ریحانہ کے چہرے پہ برستی حیرت صدمے اور بے یقینی سے نظریں چراتے ہوئے ان دونوں کو کمرے میں لے آئیں۔

"آپ بیٹھیں باجی میں چائے بنا لیتی ہوں۔" فریحہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں ضرور ضرور مجھے تم سے فیصل کے بارے میں بات کرنا تھی پڑھائی میں بالکل دھیان نہیں ہے اس کا اور پیپرز قریب ہیں ذرا سمجھاؤ اسے اور اپنے بھائی سے بولو کچھ سختی کیا کرے ورنہ آگے جا کے مشکل ہو جائے گی۔"

"باجی...... بول دوں گی بھائی جان سے۔" فریحہ نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

ریحانہ کا یک دم ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا فوراً سے بیشتر اس جگہ سے غائب ہو جائے کس بری طرح اس کے خواب ٹوٹے تھے ساری خوشی ملیامیٹ ہو گئی تھی۔

"اے کاش میں نے کبھی اپنی فیورٹ لکھاری سے ملنے کی دعا نہ کی ہوتی کم از کم خوابوں میں ہی خوش رہتی تصور تو قائم رہتا۔ ام کلثوم کوئی حسین اور خوب صورت خاتون ہیں، ایک مکمل خاندان میں رہتی ہیں۔" ریحانہ ایک بار پھر سوچوں میں گم بت سی بنی بیٹھی تھی۔

ریحانہ نے یوں ہی سرسری سی نظر کمرے پہ ڈالی۔ سادہ سا کمرہ جس کے بدرنگ ناہموار فرش کو پلاسٹک بچھا کے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی ساتھ ہی بید کے بنے صوفے رکھے ہوئے تھے جس کے برابر بید سے بنی ہی الماری تھی جس پہ نفاست سے بہت ساری کتابیں سجی ہوئی تھیں اور شاید یہ پورے کمرے کی قابل ذکر چیز تھی اس کے ساتھ ہی ایک اڑتے ہوئے کلر کی لکڑی کی میز اور پلاسٹک کی کرسی رکھی ہوئی تھی جو یقیناً ام کلثوم کے لکھنے کی جگہ تھی میز کے اوپر ایک طرف ایمرجنسی لائٹ اور چار پانچ قلم کے ساتھ موٹی فائلوں کا پلندہ رکھا ہوا تھا اور چند صفحات کھلے ہوئے تھے جس پہ پیپر ویٹ رکھا تھا۔ ریحانہ کے دل میں ایک دم سے زہریلی سی سوچ ابھری۔

"اچھا تو ایک اور کہانی لکھی جا رہی تھی ہم لوگوں کو خواب دکھانے یا شاید مزید بیوقوف بنانے کے لیے۔"

"یہ شاپر رکھ کر ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ ریحانہ۔" ام کلثوم نے کہا۔

ریحانہ کو یاد آیا ان شاپرز میں رکھے تحائف اس نے کس دل سے لیے تھے لیکن یہ تو اس ہستی کے لیے تھے جو اس نے اپنے دل و دماغ میں بسا رکھی تھی اور اب جو سامنے تھی وہ ہرگز ایسی نہ تھی کہ اس کے ساتھ وقت بتایا جاتا یا تحائف دیئے جاتے۔ ریحانہ بے حسی کی سب سے بلندی پہ کھڑی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ کو کچھ زیادہ ہی مایوسی ہوئی ہے مجھے دیکھ کر۔" ام کلثوم نے ایک زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بالآخر وہ بات کہہ ہی دی جو کب سے ریحانہ کے دماغ میں

ہلچل مچائے ہوئے تھی۔ ریحانہ کو جھٹکا لگا بے شک اس کی تربیت ایسی نہیں تھی، نہ ہی وہ اتنی کم ظرف تھی کہ کسی انسان کو اس کی ظاہری شکل وصورت کی بنیاد پر مسترد کرتی، وقتی افسوس لازم تھا لیکن ام کلثوم کے منہ سے نکلے الفاظ گویا برچھی بن کے دل پر لگے تھے۔

"ارے نہیں نہیں...... بالکل نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ آپ کے سامنے ہوں۔" آخر کار ریحانہ نے اپنی تربیت کا بھرم رکھ ہی لیا اور اب ہر ممکن کوشش تھی کہ ام کلثوم کسی بھی حال میں یہ نہ جان پائیں کہ اسے کس قدر مایوسی ہوئی ہے لیکن وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ لکھنے والے ایک نظر میں انسان کے اندر تک دیکھ لیتے ہیں تب ہی تو اتنے کردار لکھتے ہیں اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کو الفاظ کا پیراہن دے کر دنیا کے سامنے لاتے ہیں۔

"کچھ اپنے بارے میں بتائے ریحانہ...... کیا کرتی ہو؟" ام کلثوم نے بھی مزید اپنا بھرم کھوٹا نہ کیا اور بات کو پلٹ کے ماحول کا رخ بدلا۔

"پہلے آپ یہ لیں، یہ میں آپ کے لیے لائی تھی۔" ریحانہ نے ساری مایوسی اور تلخ سوچوں کو پرے دھکیلتے ہوئے ایک دم کھلی سی مسکراہٹ کے ساتھ، شاپرز میں سے کتابوں کا سیٹ نکال کے ام کلثوم کو دیتے ہوئے کہا۔

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" ام کلثوم نے شرمندہ ہوتے ہوئے تحفہ لیا۔

"اور یہ قلم بھی پلیز...... آپ اپنا اگلا ناول اس سے لکھیے گا میں سمجھوں گی ناول لکھتے ہوئے میں آپ کے آس پاس تھی اور ہاں یہ کیک آپ کے لیے ہے۔" بالآخر ریحانہ کے اندر کے فین نے ساری بدگمانیوں کو پیچھے چھوڑ کے باہر نکلنا مناسب جانا تھا۔

"دراصل یہ آپ کی ننھی پری کے لیے ہے مجھے معلوم ہی نہیں تھا وہ کتنی بڑی ہے تو بس یہی لے آئی امید ہے اس کو اچھا لگے گا۔"

"آپ نے تو بہت تکلف کردیا ریحانہ۔ میں شرمندہ ہو رہی ہوں۔" ام کلثوم نے دھیرے سے کہا۔

"آپ مجھے یہ بتائیں۔ آپ نے شہر محبت میں رستم کو کیوں مار دیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے میں پورے دو دن روتی رہی تھی۔" ریحانہ نے ایک دم تیز لہجے میں کہا۔ ام کلثوم گھبرا گئیں۔

ام کلثوم جو ریحانہ کے بدلتے موڈ کو دیکھ کر پہلے حیران پریشان اور اب تحائف کو لے کر شرمندہ سی بیٹھی تھیں ایک دم بے ساختہ کھلکھلا کے ہنس دیں۔ کیا معصومیت سے شکوہ کیا تھا ایک قاری نے اپنی لکھاری سے۔

"لیکن سسرال مقدس میں آپ نے بہو کو باہر بھیج کے اتنا خوش کیا کہ بس...... وہ ساس اسی قابل تھی۔ سچ مجھے اتنا مزہ آیا تھا جب وہ باہر جارہی تھی۔" ریحانہ نے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنی پسندیدہ لکھاری کو گویا داد دی۔

"مگر وہ......" ایک دم ریحانہ نے ہونٹ بھینچ کے ان کو دیکھا۔ اسے شاید اپنے نان اسٹاپ بولنے کا احساس ہوگیا تھا۔

"کوئی بات نہیں، میں جواب بالکل دوں گی۔ ایسا کرو تم پہلے ساری شکایتیں کرلو پھر میں سکون سے ایک ایک کر کے تمہارے شکوے دور کرنے کی کوشش کروں گی۔" ام کلثوم نے بہت ہی روشن مسکراہٹ کے ساتھ ریحانہ کو دیکھتے ہوئے شگفتگی کے ساتھ مشورہ دیا اور ریحانہ کو یاد آیا وہ تو ساری شکایتیں اور سوالات لکھ کے لائی تھی کہ نجانے وہ اپنے حواس برقرار رکھ بھی پائے گی کہ نہیں۔ ریحانہ نے فوراً بیگ سے وہ سوالوں والا پرچا نکال کے بڑے فخر سے ام کلثوم کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں تو لکھ کے بھی لائی ہوں یہ دیکھیں۔"

"ہاہاہاہاہا۔" ام کلثوم نے عرصے بعد دل کی گہرائیوں سے قہقہہ لگایا تھا۔

"اچھا...... اچھا تم سکون سے سوال کرو مجھے اگر یاد آیا کہ میں نے کب اور کیوں کسی کو مارا یا ملنے نہ دیا تو لازمی تمہیں مطمئن کردوں گی۔" اور چھوٹے سے کمرے کی بے رونق اور بے رنگ دیواروں نے دیکھا کیسے ایک قاری اور لکھاری کا ان دیکھا رشتہ دنیا کے سارے رشتوں سے انمول اور صاف شفاف ہوتا ہے۔ لفظوں کی طاقت سے کیسے دو لوگ آپس میں جڑ جاتے ہیں کہ تمام ظاہر و باطن ثانوی چیزیں بن جاتی ہیں۔

میز پہ رکھی ام کلثوم کی کتاب کا تازہ ایڈیشن خوشی اور مسرت سے اس قاری کو تک رہا تھا غالباً کتاب کو یقین تھا جاتے ہوئے وہ ریحانہ کے ہاتھوں میں ہوں گی وہ یقیناً اسے اسی محبت واحترام سے رکھے گی جیسے صاحب کتاب نے لکھا تھا۔ کمرے کے دروازے کے باہر فریحہ چائے کی ٹرے لیے دوسری بار واپس جانے کے لیے پلٹی وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ ایک قاری اور لکھاری کے درمیان آئے جبکہ وہ ریحانہ کی سوچ اور جو جھٹکا اسے ام کلثوم کو دیکھ کے لگا تھا اسے بھی جانتی تھی۔ اسے اب یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے بعد اب جب بھی ریحانہ کسی کتاب کو پڑھے گی اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا کہ یہ لکھنے والے بھی ہم جیسے عام لوگ ہی ہوتے ہیں ان کو بھی وہی مسائل درپیش ہوتے ہیں جو ہمیں ہیں۔ یہ لوگ نہ آسمانی مخلوق ہوتے ہیں نہ ہی خلائی اور نہ ہی ماورائی حسن کی مالک ہوتے ہیں بلکہ ہم جیسے آنکھ کان اور ناک کے مالک ہوتے ہیں۔ ہاں اللہ نے انہیں ضرور لفظوں سے کھیلنے کی صلاحیت عطا کی ہوتی ہے اور وہ ان سے ایک حسین دنیا تخلیق کرتے ہیں جن میں وہ خود بھی گھومتے ہیں اور ہم قارئین کو بھی گھماتے ہیں اور ہم قارئین اس دنیا میں گھومتے گھومتے اس دنیا کو تخلیق کرنے والے کا بھی ایک خاکہ بنا لیتے ہیں اور اگر وہ لکھنے والا اس خاکے سے ایک انچ بھی آگے پیچھے ہوتا ہے تو ہم اس تصور کے ٹوٹ جانے کا قصور بھی اسی لکھاری کے ذمے لگا دیتے ہیں۔ فریحہ کو امید تھی اب آئندہ ریحانہ کسی کی بھی ظاہر شکل صورت کو لے کر پریشان نہیں ہوگی۔

ننھی کلثوم سے کھیلتے کھیلتے فریحہ نے یہ بھی تہیہ کرلیا تھا کہ وہ ریحانہ کو ضرور بتائے گی، یہ گھر جس کی چھت پہ ام کلثوم دو کچے پکے کمرے بنا کے رہ رہی ہے یہ دراصل گھر ان کا ہی ہے۔ بیوہ ہونے کے بعد جب وہ واپس اپنے والدین کے گھر آئیں تو ان کو معلوم ہوا شادی کے بعد لڑکی سونے کی بن کے آجائے تو اپنے آبائی گھر سے بھی اس کا حق ختم ہوجاتا ہے۔ سونے پہ سہاگہ اگر بھائیوں کی شادیاں ہوجائیں تو ماں باپ مجبور ہوجاتے ہیں کھل کے بیٹی کے حق کے لیے نہ بولنے کے لیے۔ ستم یہ ہوا تھا ان کی بیٹی پہ جب پولیو کا حملہ ہوا تو کم پڑھی لکھی بھابیوں نے اسے اچھوت سمجھ کر گھر کے اوپر والے حصے میں رہنے پر مجبور کردیا کہ ان کے بچوں کو بھی پولیو نہ ہوجائے۔ فریحہ یہ بھی ریحانہ کو بتانا چاہتی تھی کہ اس باہمت لکھاری نے کس طرح اپنا ماسٹر پورا کیا ساتھ ہی ساتھ تعلیم کو اپنی مشکلات کو دور کرنے میں استعمال کیا کہ اب وہ پورے محلے کی پسندیدہ ٹیوشن والی باجی ہیں اور ٹیوشن پڑھا پڑھا کے ہی وہ اپنا گزر بسر کرنے لگی ہیں انہوں نے اپنی پہچان اپنی پولیو شدہ بیٹی کو بنالیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا ام کلثوم کا اصلی نام کیا ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی آزمائشیں تھیں اور ام کلثوم ثابت قدمی سے اس کا سامنا کررہی تھیں۔

فریحہ کو قوی امید تھی آج ریحانہ نے اپنی زندگی کا وہ سبق سیکھ لیا ہوگا جو اسے رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔

❀......❀......❀......❀

اور میں عمارہ خان آپ لوگوں سے التماس کرتی ہوں خدارا ہم لکھنے والوں کو بھی عام سا انسان سمجھیں نہ ہی ہم سے بہت سی توقعات باندھیں نہ ہمارے لیے کسی دوسرے سے بدگمانی پالیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کو جو لکھاری پسند ہے تو وہی سب کو پسند ہو۔ ہر ایک کی پسند ناپسند دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔ ہمارا کام پڑھنا ہے اور دوسرے کی رائے کا احترام کرنا ہے...... شکریہ۔

www.naeyufaq.com

قسط نمبر 28

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زرشمعون شنائیہ کو حویلی واپس جانے کی نوید سناتا ہے، شنائیہ اس کو بے تاثر چہرے کے ساتھ دیکھتی ہے۔ شاہ زرشمعون کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوتا ہے۔ چودھری جہانگیر ایشان جاہ کو حویلی جانے کا کہتے ہیں۔ اچانک حویلی جانے کا سن کر ایشان حیران ہوجاتا ہے۔ چودھری جہانگیر زرمین اور سمہان کا نکاح فوراً کرنا چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایشان اور ماورا کو بھی پہنچنے کا کہتے ہیں۔ عیشال جہانگیر حویلی جاتے ہوئے اداس ہوتی ہے۔ وہ سمہان سے بھاگ چلنے کا کہتی ہے جس پر سمہان اس کو سمجھاتا ہے۔ ایشان جاہ ماورا کو حویلی جانے کا بتاتا ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے۔ چودھری حشمت منزہ کی بیٹی سے ایشان کے نکاح کی خبر زمرد بیگم کو سناتے ہیں۔ زمرد بیگم طیش میں آتی ہیں اور بددعائیں دیتی ہیں۔ ساتھ ہی چودھری جہانگیر کو برا بھلا کہتی ہیں اسفند اور فریال بھی فکرمند ہوتے ہیں کہ کس طرح سمہان اور عیشال کی نکاح کی خبر چودھری حشمت کو بتائیں اور چوہدری جہانگیر کے ساتھ ہی سب حویلی کو لوٹ آتے ہیں۔ شنائیہ کا رویہ ان کے ساتھ کھنچا کھنچا سا ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف سے فکرمند ہوجاتی ہے۔ فریال سمہان کو عیشال کے ساتھ بھاگ جانے کا کہتی ہے۔ پر سمہان انکار کردیتا ہے چودھری جہانگیر کو سمہان اور عیشال پر شک ہوتا ہے تب ہی وہ عیشال پر پستول تان دیتے ہیں سامنے سمہان آفندی آ کھڑا ہوتا ہے اور چوہدری جہانگیر اس پر گولی چلادیتے ہیں۔ سمہان کو زمین پر گرتا دیکھ کر شاہ زرشمعون چودھری جہانگیر پر پستول تان لیتا ہے پر اس سے پہلے چودھری جہانگیر عیشال کو بھی گولی ماردیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁......❁

"اوہو...... چوری کا ڈبا لیے بھرجائی جی آئی ہیں۔" فریال ریوڑیاں ٹونگتے صائقہ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے خوشی سے نعرہ لگایا تو گندم صاف کرتی فائزہ اور دیا بھی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"السلام علیکم!" فریال کو مسکراہٹ بخشتے اس کے گندمی رنگت میں بھرجائی سن کر شرم کی سرخی دوڑ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو صائقہ؟" سب نے خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا تھا۔

"اچھی ہوں بھابی۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ اس کے چہرے کی ملاحت اور معصومیت میں عجیب سی کشش تھی، جتنی سادہ تھی اتنی ہی سب کے دلوں میں اس کی اہمیت تھی۔

"تو بھنک پڑگئی آپ کو، اس لیے چوری کا بہانہ بنا کر چلی آئیں۔" فریال نے ڈبا جھپٹ کے جھٹ کھولتے چوری کی خوشبو سونگھنے کے ساتھ چکھنے کا فریضہ بھی انجام دیتے صائقہ کی کھینچائی کی، وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ابھی ہم تمہیں بلوانے ہی والے تھے، فریال بھی آئی ہوئی تھی، بس تمہاری کمی تھی۔" فائزہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

"بلوانے کی کیا ضرورت ہے، دیکھا نہیں خوشبو سونگتے کیسے چوری بنا لائیں۔" فریال نے ایک بار پھر چھیڑا تو دونوں

مسکرادی تھیں۔

"میں تو خالہ کے لیے لے کر آئی تھی، انہیں چوری بہت پسند ہے ناں۔"

"بس...... بس رہنے دیں یہ صفائیاں، کیا ہم سب نہیں جانتے کہ چوری جہانگیر بھائی کو بھی کتنی پسند ہے۔ خبر ملنے کی دیر تھی کہ وہ چھٹی پہ آئے ہوئے ہیں، بنالائیں نمبر بڑھانے کو۔" اب کے صائقہ کو فریال کا مفہوم سمجھ میں آیا تو وہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔

"قسم سے، یہ میں خالہ کے لیے لائی ہوں۔"

"اسے چھوڑو، اس کی تو عادت ہے چڑانے کی۔ خود اسفند کا سنتے ہی آدھمکتی ہے، تب تو ہم کچھ نہیں بولتیں، آتے ہی نعرہ لگاتی ہے، بی جان اور آپ سب کی یاد آرہی تھی۔ یہ کہتے منہ سوکھتا ہے کہ اسفند کی خوشبو کھینچ لاتی ہے۔" اس سے تو دوبدو جواب بنتا ہی نہیں تھا تب ہی فائزہ نے فریال پہ چڑھائی کی تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

"سچ کہتے مجھے حیا آتی ہے، خود ہی سمجھ جایا کرو ناں آپ سب۔" فریال کب باز آنے والی تھی۔

"جب سے آئی ہے، کچھ نہ کچھ ٹونگ رہی ہے وزن کیسے کم کروں بھابی کی دہائی دیتے میڈیسن کے بارے میں پوچھتی رہتی ہے۔" دیا نے اس کے ہاتھ سے ریوڑیاں لیں۔

"توبہ...... توبہ ابھی رخصت ہوکر آئی نہیں کہ دونوں جٹھانیوں نے میرے خلاف کمر کس لی۔" چوری کا ڈبا رکھ کے ہاتھ جھاڑتے اونچی آواز میں بولی تھی۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں، ان دونوں نے تو دیورانیوں کو بسنے دینا ہے نہیں کیوں نہیں ہم دونوں ایک ہوکے ان دونوں کے خلاف سازش رچیں۔"

"مجھے معاف رکھو۔" صائقہ نے ہری جھنڈی دکھائی تو فریال منہ بسور کر رہ گئی تھی۔

"سازش رچنے کے لیے تم اکیلی کافی ہو، بے چاری معصوم سی صائقہ کو مت گھسیٹو۔ اٹھو اور جٹھانیوں کے لیے چائے لاؤ، سچی تھک گئی ہیں ہم۔" فائزہ نے سستی سے بیٹھتے فریال کے دھمو کا جڑا تو وہ بڑبڑاتی اٹھ گئی تھی۔

"دیورانی بن کے آئی نہیں ہوں ابھی لیکن میرا آرام کرنا ابھی سے کھلتا ہے جھٹانیوں کو۔"

"ہاں تو کھلے گا۔" دیا نے بھی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی۔

"ویسے اسفند کہاں ہیں؟" جاتے ہوئے وہ پلٹی تھی۔

"کیوں...... ہمارے دیور کے متعلق تفتیش کیوں؟" فائزہ نے مصنوعی تیوری چڑھائی تھیں۔

"پوچھ آؤں کہیں انہیں بھی چائے کی طلب نہ ہو رہی ہو۔" اس نے شرارتی انداز میں کمر پر ہاتھ ٹکا کر ایک ادا سے کہا تھا۔ اتفاق سے اسفند اسی وقت وہاں سے گزر رہا تھا، ان کی باتیں سن کر اس طرف چلا آیا تھا۔

"کس کو میری چائے کی طلب الہام بن کر اترنے لگی ہے؟" اس کا انداز شرارتی تھا۔ فریال سٹپٹا گئی تھی۔ باقی سب کے چہرے پر محظوظ کن مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"ان پر ہی جو بن رخصتی کے ہمارے سروں پہ ہر دم سوار ہیں ہماری دیورانی انہیں ہی تمہارے متعلق الہام ہوتے رہتے ہیں۔" دیا نے کھینچائی کی تو فریال کو بھاگتے ہی بنی۔ سب محظوظ ہوئے تھے۔ صائقہ نے بغور ان کے چہروں پر پھیلی محبت کو دیکھا تھا۔

فریال اور اسفند کا نکاح کچھ ماہ پہلے ہی ہوا تھا، رخصتی اسفند کی تعلیم کے بعد ہونا تھی۔ چودھری حشمت اور زمرد بیگم کی بھی دلی خواہش تھی کہ صائقہ اور جہانگیر کا نکاح بھی ساتھ کردیا جائے لیکن جہانگیر نے ٹریننگ کا بہانہ بنا کر اس نکاح کو

ملتوی کردیا تھا۔ دو قدم کے فاصلے پر تو فریال کا گھر تھا۔ وہ ہر دم ہی حویلی میں پائی جاتی تھی، دونوں جٹھانی اسے شرم دلاتی رہتی تھیں لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، مجال ہے جو کبھی شرمندہ ہوئی ہو۔ صائقہ بھی قریب ہی رہتی تھی لیکن اس کی آمد ضروری کام یا پھر ایک نظر کے لیے ہی ہوتی تھی اور اس وقت تو اسے خبر بھی نہیں تھی کہ جہانگیر چھٹیوں پر آیا ہوا ہے۔ زمرد بیگم ان کے مسکراتے چہروں کو دور سے دیکھتے قریب آگئی تھیں۔ محبت سے صائقہ کو گلے لگاتے، کئی کئی دن بعد چکر لگانے پر گلہ کررہی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

"میں چلتی ہوں اب۔" اسے بیٹھے کافی دیر ہوگئی تھی۔

"کھانا ہمارے ساتھ کھا کے جانا آج۔ سب ہوں گے، تم نہیں ہوگی تو تمہاری کمی محسوس ہوگی پھر آج تو جہانگیر بھی حویلی میں ہے۔" دیا نے روکنے کی خاطر کہا۔ سب جانتے تھے کہ صائقہ اور جہانگیر بچپن سے ایک دوسرے سے منسوب ہیں اور وہ بھی جب سے آئی تھی ایک جھلک کے لیے بیٹھی تھی لیکن جانے جہانگیر کہاں تھے کہ اس کی خواہش اب تک پوری نہ ہوسکی تھی۔ فریال سے اس کی بے چینی چھپی نہیں رہ سکی تھی تب ہی آتے ہی چائے کا کپ اسے پکڑا دیا تھا۔

"کھانے میں تو ابھی بڑا ٹائم ہے، تب تک چائے پیئں اور اس سے پہلے یہ چائے اور اسنیکس جہانگیر بھائی کو دے آئیں، وہ کب سے بھوک کا رونا رو رہے ہیں۔" اس کا کپ واپس لے کر ٹرے تھمائی تو صائقہ ہکابکا ہوکر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں جاؤں؟"

"تو کیا میں جاؤں؟" فریال نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھا نہیں لگتا، جہانگیر کیا سوچیں گے اور باقی سب، میں نہیں جارہی ان کے کمرے میں۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"سب کون؟ ہم سب تو یہیں ہیں، بی جان یا کسی کو بھی چائے دینے پہ کیا اعتراض۔ آخر مستقبل میں بھی تو آپ نے ہی ان کے سارے کام کرنے ہیں۔"

"مجھ سے نہیں ہوگا۔" اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے تھے۔

"ایسے ہی نہیں ہوگا۔" دیا نے فائزہ کے ساتھ اسے دھکیلا تو وہ تھکے تھکے قدم سے آگے بڑھنے لگی لیکن بار بار انہیں پلٹ کے دیکھتی رہی تھی۔

"اتنی سادہ ہے یہ جانے کیسے نبھے گی دونوں کی۔" فائزہ کو تشویش ہوئی تھی۔

"جھجک تو رہے گی، جہانگیر نے کبھی بچپن کے رشتے کا احساس ہی نہیں رکھا، پگلی اکیلے ہی محبت کیے جارہی ہے، جہانگیر کا انداز تو ہمیشہ سے اوکھا رہا ہے۔" دیا کو بھی تشویش ہوئی تھی۔

"جہانگیر بھائی شادی تو کریں گے ناں صائقہ بھابی سے، جانے کیوں ہمارے نکاح کے وقت انکاری ہوگئے تھے تو تب سے میرے ذہن میں یہ بات ہے۔" فریال نے پریشانی کو زبان دی۔

"شادی تو کرنا ہی پڑے گی۔ بچپن سے اس کے نام پر بیٹھی ہے، ہمارے ہاں تو جس کا نام ایک بار لڑکی کے ساتھ جڑ گیا سو جڑ گیا، دوسرے کے ساتھ اس کا نام لینا بھی گناہ ہے۔"

"ایسا صرف صائقہ یا ہم لڑکیاں ہی سوچتی ہیں، جانے جہانگیر کیا سوچتا ہے، سچی مجھے بڑا عجیب لگتا ہے اس کا رویہ صائقہ کے ساتھ، ڈھونڈے سے بھی کوئی احساس نہیں ملتا اس کے اندر۔" تینوں آپس میں باتیں کررہی تھیں لیکن جہانگیر کے رویے کی سمجھ کسی کو نہیں آرہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

چائے اگر ٹھنڈی بھی ہو جاتی تو بھی اس میں دستک دینے کی ہمت نہیں تھی، کب سے دروازے پہ کھڑی وہ واپس پلٹنے کے بارے میں سوچ رہی تھی، کتنی ہی بار دستک کے لیے ہاتھ اٹھا تھا لیکن پھر انگلیاں غیر محسوس طریقے سے خود ہی بھینچ لی تھیں۔ قریب تھا کہ وہ کم ہمتی کے ہاتھوں پلٹ ہی جاتی لیکن شاید قسمت کو اس پہ رحم آ گیا تھا۔ تب ہی کھٹاک سے دروازہ کھلا، جہانگیر کا چہرہ نمودار ہونے کے ساتھ ان کی تیز آواز بھی سنائی دی تھی۔

''بی جان...... یہی کوئی گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا پہلے چائے اور اسنیکس مانگے تھے۔''

''وہ...... وہ یہ رہی چائے اور آپ کی اسنیکس۔'' اتنے قریب کھڑے جہانگیر کو دیکھتے ان کی اچانک پڑنے والی دھاڑ پہ صائقہ کے ہاتھوں میں ٹرے کپکپانے لگی۔ جہانگیر بھی اسے عین دروازے پہ دیکھ کر ایک پل کو چونکے تھے اگلے ہی پل ان کے چہرے پر ناگواری پھیلنے کے ساتھ ٹرے پر نظر پڑی۔ چائے پہ موجود تہہ اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ چائے کافی دیر کی ہے۔

''اتنا انتظار کرنے کے بعد میں یہ ٹھنڈی چائے پیوں گا؟'' سخت تیوروں سے گھورتے سوال کیا تھا۔

''میں جلدی سے دوسری چائے بنا لاتی ہوں۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''دیکھ لی تمہاری جلدی تمہیں یہ کرنے کو کہا کس نے ہے، جب کوئی کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تو وہ کام اپنے ذمہ لیتی کیوں ہو؟ جاؤ جا کے اپنا کام کرو، نہیں پینی مجھے چائے وائے۔'' وہ کہہ کر دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔ صائقہ ایک دم سے ڈر کے پیچھے ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک آج کچھ نیا نہیں تھا لیکن وہ نم آنکھوں سے پلٹتے یہی سوچ رہی تھی کہ باقی سب کو کیسے مطمئن کرے گی۔

❁......❁......❁......❁

''بس بی جان...... مجھے نہیں رہنا حویلی میں۔ میرا سامان پیک کروا دیں میرے سارے دوست گھروں میں چھٹیاں منانے گئے ہیں، میں اکیلا رہ لوں گا، یہاں آ کے کیا فائدہ۔ ایک کپ چائے تو یہاں وقت پر ملتی نہیں۔'' وہ شکایت لے کر زمرد بیگم کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت اپنے جانے کا بتانے کے لیے آتی صائقہ کو سب سن کر ایک بار پھر سب کی احساس ہوا تھا۔

''لے کے تو گئی تھی صائقہ، دی نہیں تمہیں۔ دی بھی ہو گی تو تم نے واپس بھجوا دی ہو گی، ذرا صبر نہیں ہے تم میں۔'' زمرد بیگم گھر کنے لگی تھیں۔

''جب حویلی میں اتنے ملازم ہیں تو دیر کیوں ہوئی ذرا سے کام میں اور یہ صائقہ کے ہاتھ چائے بھیجنے کو کس نے کہا تھا؟''

''اتنی سی بات کو حاوی نہ کیا کرو، صائقہ چائے لے آئی تو کیا گناہ ہو گیا۔ ہماری بہو ہے، بچپن کی منگ ہے تمہاری۔ آگے چل کے اس نے ہی تمہارے سارے کام کرنے ہیں۔'' ان کا ناصحانہ انداز تھا۔

''آگے چل کے...... ہونہہ۔''

''صائقہ وہاں کیوں کھڑی ہو آؤ بیٹا۔'' اسی دم زمرد بیگم کی نگاہ صائقہ پہ گئی اور وہ اسے مخاطب کر گئیں، جہانگیر بھی چونک گیا تھا۔ اس پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ صائقہ سست قدموں سے آگے بڑھ آئی تھی۔

''میں گھر جا رہی تھی بی جان، آپ کو بتانے آئی تھی۔'' جھجکتے ہوئے سرسری نظر جہانگیر پہ ڈالی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کیے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''کھانا کھا کر جاتی ناں۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''اماں کے سر میں درد تھا بی جان، میں پھر آ جاؤں گی۔'' اس نے جلدی سے کہہ کر اجازت چاہی۔

''چلو ٹھیک ہے لیکن ٹھہرو، اندھیرا پھیل گیا ہے، اکیلی نہ جاؤ، اٹھو جہانگیر صائقہ کو اس کے دروازے تک چھوڑ آؤ، خالہ کو بھی سلام کر آنا۔ پوچھتی رہتی ہے تیرا، تم یہاں ہوتے نہیں ہو۔'' زمرد بیگم کے حکم پر جہانگیر کا منہ بن گیا تھا۔

''اٹھو شاباش۔'' زمرد بیگم خاطر میں لائے بنا زور دینے لگیں۔

''میں چلی جاؤں گی بی جان، انہیں زحمت نہ دیں۔'' اس کے تاثرات سے جان گئی تھی کہ کتنا گراں گزر رہا ہے۔

''زحمت کیسی، ذمہ داری ہو تم اس کی۔ اٹھو جہانگیر۔'' تحکم بھرے انداز پر ناچار جہانگیر اٹھ گئے تھے لیکن انداز سے جھنجلاہٹ صاف ظاہر تھی۔

❁......❁......❁......❁

عشاء کا وقت ہونے والا تھا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا، زمرد بیگم نے ٹھیک ہی جہانگیر کو ساتھ کر دیا تھا۔ دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ چادر سے اچھی طرح خود کو چھپائے وہ سر جھکائے چل رہی تھی۔

''یوں لگ رہا ہے کسی انسان کے ساتھ نہیں، گائے، بھینس کے ساتھ چل رہا ہوں، کیا موت پڑی تھی اسے پہننے کی۔'' وہ بری طرح اس کے پیروں کو گھور رہا تھا۔

''آپ کو پسند نہیں تو اب سے نہیں پہنوں گی۔'' وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے چوڑیوں اور پازیب کی آواز کتنی پسند ہے، اس کے باوجود ناگواری کا اظہار اس انداز میں کر گیا کہ وہ بجائے برا ماننے کے، اپنی پسند بتانے کے، اس کی پسند کو اولیت دے کر آئندہ کا لائحہ عمل بھی بتا گئی تھی۔

''میری بلا سے پہنو یا نہ پہنو۔''

''جب اندھیرے میں اکیلے واپس جانا مشکل ہے تو کس نے کہا ہے کہ حویلی میں جم کے بیٹھی رہو، روشنی میں واپس نہیں جا سکتی تھیں؟'' جلے بھنے لہجے میں وہ استفسار کر رہا تھا۔ صائقہ چپ ہی رہی تھی۔

''اور جب تک میں ہوں کوئی ضرورت نہیں ہے حویلی میں آنے کی، بلاوجہ بی جان تمہارا باڈی گارڈ بنا دیتی ہیں، کوئی تمہیں زبردستی چائے کی ٹرے تھما دیتا ہے اور تم ننھی پری اسے اٹھا کر دروازے کے باہر پہرہ دینے لگتی ہو۔ اس طرح کی حرکت کر کے آئندہ میرے سامنے آنے کی کوشش کی تو دیکھنا، کیسا سلوک کرتا ہوں تمہارے ساتھ۔'' چند قدموں کا سفر تھا جس میں اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا اور چادر کے پیچھے صائقہ تاثرات چھپائے چل رہی تھی۔ اس کا گھر آ گیا تھا۔ دونوں دروازے پہ رک گئے تھے۔

''اندر نہیں آئیں گے؟'' اس کو پلٹتے دیکھ کر ساری ترش باتیں پیتے وہ دل کے ہاتھوں مجبور سوال کر گئی تھی۔

''خالہ کو سلام کہہ دینا۔'' جواب کے قابل جانے بنا وہ اپنی کہہ کر پلٹ گیا تھا، صائقہ تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ مڑ نہیں گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

''ہاں بھئی، گھر آئے دو دن نہیں ہوئے اور تمہاری بی جان بتا رہی ہیں کہ تم جانے کی کر رہے ہو۔'' چودھری حشمت تک شکایت پہنچی تو انہوں نے زمرد بیگم کے ساتھ جہانگیر کو بھی بلوا لیا تھا اور اب دونوں ان کے سامنے تھے۔

''میرا دل نہیں لگتا بابا جان یہاں۔'' ان کی طرف سے صاف جواب آیا تھا۔

''کیوں نہیں لگتا بھئی، یہاں تمہارے اپنے ہیں۔ یہاں نہیں لگتا دل تو پھر کہاں لگتا ہے؟'' چودھری حشمت داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے سوال کر رہے تھے اور اس سوال میں کتنی نرمی اور محبت تھی یہ ہر کوئی محسوس کر سکتا تھا کہ جہانگیر سے بات کرتے

اکثر ان کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں بھی اسی محبت سے ذکر رہتا تھا۔

"میرے لیے شہر ہی ٹھیک ہے بابا جان۔"

"تمہاری ضد پہ ہم نے تمہاری مرضی سے پولیس کی نوکری کرنے کی اجازت دے دی اور اب تم ٹریننگ پہ ہو۔ کل کو کسی پوسٹ پر بھی پہنچ جاؤ گے، تعلیم بھی ساتھ جاری ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو؟" وہ اس کے خیالات جاننا چاہ رہے تھے۔

"میں اس چھوٹی موٹی پوسٹ کے لیے نہیں بنا ہوں بابا جان، پولیس کی فیلڈ میں ہی مجھے بہت آگے جانا ہے۔ اپنا نام بنانا ہے، میرا نام سن کر ہی لوگ مجھے پہچان لیں ورنہ پولیس مین تو روز بنتے اور شہید ہوتے ہیں، میں نے کچھ الگ کرنا ہے چھوٹے موٹے تھانے میں بیٹھ کر عمر نہیں گنوانی۔" اپنے عزائم بتاتے ان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"خیالات تو اچھے ہیں، ہمیں بھی خوشی ہوگی کہ ہمارا بیٹا کسی قابل بن گیا ہے۔ ٹریننگ کے بعد پوسٹنگ تو تمہاری یہیں ہوگی، اچھا ہے ہماری آنکھوں کے سامنے رہو گے۔"

"ان باتوں سے فرصت ہو تو میری بھی سن لیں۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھی زمرد بیگم نے لب کشائی کی تو چودھری حشمت ذرا سا مسکرائے۔

"کہیے آپ بھی۔"

"رابعہ (فریال کی ماں، چودھری حشمت کی دور کی رشتے دار) مجھے یہ بات بتا گئی ہے کہ وہ فریال کی رخصتی جلد چاہ رہی ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے، اسی ماہ کروا لیتے ہیں رخصتی، اسفند کے امتحان بھی ہو گئے ہیں اب تو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں چاہ رہی ہوں کہ صائقہ کو بھی ساتھ ہی بیاہ لاؤں۔ جہانگیر، اسفند سے بڑا ہے، پہلے اس کی ہونی چاہیے۔" چودھری حشمت سوچنے لگے اور جہانگیر کا منہ بن گیا تھا۔

"ایسا کہاں لکھا ہے بی جان کہ پہلے بڑے کی شادی ہونا فرض ہے۔ آپ کر دیں اسفند کی شادی، ابھی مجھے ٹریننگ مکمل کرنی ہے، شادی وادی کا کوئی پلان نہیں ہے فی الحال میرے پاس۔" وہ تھوڑا بگڑا تھا۔

"کیوں..... صائقہ آ کے کیا ٹریننگ سے روک دے گی تجھے؟ شادی سے بھاگنے کے بہانے ہیں بس۔" زمرد بیگم غصہ ہوئیں۔

"جو بھی ہے بی جان میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ ضروری تھوڑی ہے حویلی میں ہر سال دو شادیاں ساتھ ہوں۔ پچھلے سال ہی فیروز اور بخت بھائی کی شادی ساتھ کر کے دل نہیں بھرا آپ کا جواب میری اور اسفند کی شادی ساتھ کروانے کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔"

"چلو نہیں کرواتے ساتھ شادی لیکن یہ بھی تو پتا چلے، آخر کب کرو گے؟" اسے ٹھنڈا کرنے کو چودھری حشمت ہاتھ اٹھا کر زمرد بیگم کو چپ رہنے کا اشارہ کر گئے تھے۔

"جب کرنا ہوا بتا دوں گا بابا جان، میں کوئی بھاگا جا رہا ہوں۔"

"بخت ڈاکٹری کر رہا ہے، اسفند آرکیٹکٹ کا امتحان دے رہا ہے کسی کو پڑھائی کے ساتھ شادی کا مسئلہ نہیں ہوا، ایک تم ہی انوکھے ہو، جو پولیس کی معمولی سی نوکری کے لیے شادی کو ٹال رہے ہو۔" زمرد بیگم مزید چپ نہ رہ سکیں اور معمولی نوکری کا طعنہ دینا جہانگیر کو گالی کی طرح لگا تھا۔

"اسی معمولی نوکری میں جب آپ کو اپنی پاور دکھاؤں گا تو آپ خود تعریف کریں گی۔ جس کسی کو بتائیں گی چودھری

جہانگیر کی ماں ہیں وہ آگے سے راستہ خود دے گا۔"

"خواب دیکھنا اچھا ضرور ہے لیکن اس کے پیچھے یوں پاگلوں کی طرح بھاگنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ مجھے تو تمہارے پیشے سے ہی اختلاف ہے، جس میں جائز، ناجائز اور حرام حلال میں تمیز کرنا مشکل ہے، رشوت عام ہے، خیر سے پولیس والے بن رہے ہو تو مظلوموں کی آہ مت لینا۔ ہماری دعا تمہارے ساتھ ہے، بیٹے ہو تم میرے اتنے ہی عزیز ہو جتنے باقی کے تین بیٹے عزیز ہیں لیکن صائقہ کے معاملے میں تمہاری غیر ذمہ داری مجھے قطعاً پسند نہیں ہے، کتنی ہی بار میں نے تمہیں اسے جھڑکتے دیکھا ہے اور اب شادی سے مسلسل انکار، تم چاہتے کیا ہو؟ کھل کے کہو گے۔" جہانگیر کے جی میں تو یہی آیا کہ کھل کے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دے لیکن اس سے پہلے ہی چودھری حشمت بول پڑے۔

"کیا مسئلہ ہوگا، بچہ ابھی شادی کی ذمہ داری میں نہیں پڑنا چاہتا تو تم کیوں زبردستی کر رہی ہو۔"

"کیسی ذمہ داری چودھری جی؟ کیا اس نے پولیس کی معمولی تنخواہ میں صائقہ اور اپنے بچوں کو پالنا ہے؟ یا اسے چونے، مٹی سے گھر بنانے کی فکر ستا رہی ہے جو یہ ٹال مٹول کر رہا ہے۔ حمیدہ (صائقہ کی ماں) کم عمری سے بیوگی کی زندگی جی رہی ہے۔ آئے دن اس کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ وہ کب تک جوان بیٹی کو لیے بیٹھی رہے گی۔ ہر بار میرا منہ تکتی ہے اور میں کوئی جواب نہیں دے پاتی، اسفند کے نکاح میں دکھی بیٹھی تھی۔ کیا تھا جو جہانگیر بھی نکاح کروا کے اسے خوشی دے جاتا، ابھی بھی دیر نہیں ہوئی اسفند کے ساتھ اس کی بھی شادی ہو جائے گی تو حمیدہ کو بھی سکون آ جائے گا کہ بیٹی اپنے گھر کی ہو گئی ہے۔"

"بات تو ٹھیک کہہ رہی ہیں تمہاری بی جان۔ کیا کہتے ہو پھر تم؟" زمرد بیگم کی بات سے متفق ہوتے چودھری حشمت نے جہانگیر کی طرف دیکھا تو وہ جھنجلا گیا۔

"اسی لیے میرا حویلی آنے کو دل نہیں چاہتا، کرواتے رہیں آپ لوگ شادی، جا رہا ہوں میں واپس ٹریننگ سینٹر۔" وہ غصے سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

"جہانگیر....." پیچھے چودھری حشمت آواز دیتے رہ گئے تھے۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں بیگم، مہینوں بعد شکل دکھاتا ہے اور آپ اسے ہر بار ناراض کر کے بھیجتی ہیں۔ کہہ دیجیے حمیدہ سے صائقہ ہماری ہی بہو بنے گی، بھلے دیر سے ہی سہی، وہ تسلی رکھے اور رابعہ کو بھی پیغام بھجوا دیجیے کہ اگلے ہفتے رخصتی کی تیاری کرے، ہم جہانگیر کو منا لیں ذرا، چھوٹے بھائی کی شادی میں نہیں ہوگا تو خاک ہمارا دل لگے گا۔" چودھری حشمت ایک ساتھ ساری باتیں کرتے جہانگیر کو منانے کے لیے اپنے کمرے سے نکل گئے تھے۔

"سر چڑھتا جا رہا ہے یہ لڑکا، جانے کیا سمائی ہوئی ہے اس کے دل میں، کتنا بڑا ہوگا صائقہ اور حمیدہ کا دل جب فریال اور اسفند کی رخصتی کا سنیں گی۔ یہ لڑکا جانے کیا چاہتا ہے۔ ہر بات میں اپنی مرضی، جانے کن ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔" زمرد بیگم جھلا کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ابھی انہیں رابعہ سے بھی رابطہ کرنا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

"بھابی ڈال اور تھوڑی نیچے کرنا۔" فریال کا دل کیریوں پہ آیا ہوا تھا، صائقہ کو زمرد بیگم نے اپنے کام سے بلوا لیا تھا، کام سے فارغ ہوئی تو فریال کو کیریاں توڑ کر کھانے کا خیال آیا تو صائقہ کو شاخ پکڑوا کے جھٹ درخت کے نیچے کرسی رکھ کر توڑنے کھڑی ہو گئی لیکن کیریاں پہنچ سے دور تھیں۔ وہ اچک اچک کے توڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"اور نہیں ہو رہی فریال۔" صائقہ نے معذوری ظاہر کی تو فریال جوش میں مزید اچکنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اسفند کے بولنے کی دیر تھی فریال کرسی سمیت زمین بوس ہو گئی تھی۔ صائقہ نے تو منہ پہ ہاتھ رکھ

کے ہنسی چھپائی تھی، دور سے آتی دیا اور فائزہ بھی یہ منظر دیکھ کے ہنس پڑی تھیں۔
''آپ کا بولنا ضروری تھا کیا؟'' کہنی سہلاتی فریال تیکھی نظروں سے اسفند کو گھورنے لگی تھی۔
''جب اللہ نے اتنے لمبے ہاتھ نہیں دیے تو کوشش ہی کیوں کرتی ہو؟'' وہ شریر نظروں سے چڑا رہا تھا۔
''بھابی تم ہی اسے کوئی عقل سکھا دو، اتنی سمجھ بوجھ والی ہو۔'' اسفند، صائقہ کو مخاطب کر گیا تو وہ ہولے سے مسکرا دی، گو کہ ابھی جہانگیر کے ساتھ کوئی قانونی رشتہ نہیں بنا تھا لیکن حویلی کے تمام لوگ اسے بہو اور بھابی کا درجہ ہی دیتے تھے۔
''بھابی کو مشورہ دینے کی بجائے یہ کیریاں توڑ کے دیں مجھے۔ نمک اور مرچ میں پہلے ہی لے آئی تھی، بس کیریاں ہاتھ نہیں آ رہیں۔''
''کمال ہے، کیریوں کا پتا نہیں اور نمک، مرچ تیار ہے۔'' اسفند ہنس پڑے تھے۔ صائقہ بھی دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔
''توڑتے ہیں یا نہیں؟'' فریال نے اب کے آنکھیں دکھائیں تو اسفند سعادت مندی سے ڈنڈا اٹھا کر کیریاں توڑنے لگا تھا۔
''واہ...... واہ ابھی سے حکم چلاؤ، ہمارے دیور پر۔'' فائزہ نے آتے ہی کھینچائی کی۔
''دو تین دن میں رخصتی ہونے والی ہے، لڑکی اب تو ٹک کے گھر بیٹھ جاؤ۔'' دیا نے بھی فریال کو شرمندہ کرنا چاہا۔ اسفند مسکراتے ہوئے اس کی درگت بنتی انجوائے کرنے لگا تھا۔
''ہاں میں گھر بیٹھ جاؤں تاکہ میری جٹھانیاں، میری ساس کو ورغلا کر بری میں الٹے سیدھے کپڑے، جوتے رکھ دیں۔ نہ جی، سب کچھ خود دیکھ کے رکھواؤں گی۔ بی جان نے آج ہی دو جوڑے ناپ لے کر بھیجے ہیں میرے۔''
''تمہیں ہم ایسی لگتی ہیں۔ دیکھ رہی ہو صائقہ، بے چاری کب سے بی جان کے پاس بیٹھی تمہارے جوڑوں پر ہی گوٹے ٹانکتی رہی اور تم ہو کہ جٹھانیوں پہ شک کر رہی ہو۔''
''ہاں تو میں نے صائقہ بھابی کو کب کچھ کہا ہے، مجھے تو پتا ہے، یہ کتنی معصوم ہیں، چالاکی کی امید تو مجھے آپ دونوں سے ہے۔'' وہ چڑانے لگی تھی۔
''دیکھ رہے ہو اسفند، کیسی لڑاکا دیورانی آ رہی ہے ہماری۔'' فائزہ نے کھینچائی کرتے صائقہ کا کام یاد دلا کے اسفند کو بھی گھسیٹ لیا۔
''آپ کی دیورانی کو ہی دیکھ رہا ہوں بھابی۔'' اسفند کا شوخ جواب سب کو ہنسنے پہ مجبور کر کے فریال کو سرخی بخش گیا تھا۔
''بس بہت ہو گئیں کیریاں اب آپ چلتے بنیں خواتین کی محفل سے۔'' کیریاں دوپٹے میں سمیٹے فریال نے حکم صادر کیا تو اسفند مسکراتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔
''میں چلتی ہوں بھابی۔'' صائقہ کو جہانگیر کی بات یاد تھی تب ہی اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی جانا چاہ رہی تھی۔ آج بلاوے پر آئی تو جہانگیر نے گزرتے ہوئے ایک نظر ڈالی تھی اور اس ایک نظر میں ہی یہ بات درج تھی کہ پھر آ گئی۔
''اتنی جلدی کیا ہے، ابھی رکو تو۔''
''کیا ہی اچھا ہوتا جو جہانگیر اور صائقہ کی بھی ساتھ شادی ہو جاتی۔'' دیا کو افسوس ہوا۔ صائقہ سر جھکا گئی تھی۔ اس نے اور حمیدہ نے جب یہ خبر سنی تھی تو اسے بھی عجیب لگا تھا۔ زمرد بیگم نے سبھاؤ سے جہانگیر کی ٹریننگ کا حوالہ دے کے بات سنبھال لی تھی لیکن بات دل کو تو لگ ہی گئی تھی۔
''تم کیوں چپ چپ رہتی ہو اتنی، جا کے جہانگیر سے پوچھتی کیوں نہیں کہ بچپن سے اپنے نام پہ بٹھا رکھا ہے تو شادی

کیوں نہیں کرتے، دیکھتی نہیں یہ فریال کیسے لڑتی ہے اسفند سے، حق جتاتی ہے۔ تم بھی جہانگیر کو اپنے ہونے کا احساس کیوں نہیں دلاتیں۔" فائزہ کو جانے کیوں وہ کچھ اداس لگی تھی۔ اس لیے صلاح دینے لگی، کیریاں چھیلتی فریال نے بھی اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو محبت سے دیکھا تھا۔

"حق تو وہاں ہوتا ہے بھابی جہاں محبت ہو۔ جہانگیر کو تو شاید محبت ہی نہیں ہے۔" اس کا لہجہ عجیب ٹوٹا ہوا تھا۔

"لیکن تمہیں تو جہانگیر سے محبت ہے ناں۔" دیا کو وہ بہت دلگرفتہ لگی۔ صائقہ کے لبوں پر دلسوز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ لو، یہ کیوں آگئی، کیا بی جان نے شادی کا بلاوا بھیج دیا سب کو؟" فائزہ نے دبی آواز میں کہا تو سب اس کے اشارہ کرنے پر آنے والی عورتوں کو دیکھنے لگیں۔

نصیبن بڑا سا برقعہ سنبھالے چھوٹا سا بیگ گھسیٹتے آرہی تھی اور اس کے پیچھے ریشمی کالی چادر جو تقریباً جسم سے ڈھلک کے پیروں پر آرہی تھی۔ اس پر نیلا دوپٹا سر پہ کچھ اس طرح جمایا گیا تھا کہ بالوں کی لٹیں دوپٹے سے جھانک رہی تھیں، صاف ظاہر تھا کہ آملہ اور ریٹھا سے دھلے بالوں کی نمائش جاری ہے۔ کڑھے ہوئے سوٹ، متوالی چال میں وہ نصیبن کے پیچھے پیچھے حویلی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے آرہی تھی۔

"سلام چاچی......" نصیبن نے انہیں دیکھ لیا تھا وہ ان کے سامنے رکی تو فائزہ نے سلام کیا، جس کی سب نے تقلید کی۔

"وعلیکم السلام، وعلیکم السلام! کیسی ہو سب؟ بھئی واہ، حویلی کی چاروں بہوئیں ایک ساتھ، حیران ہوگئی میں تو۔" نصیبن کے کہنے کی دیر تھی اس کے پیچھے آنے والی نے ایک ایک کا چہرہ بغور دیکھا تھا اور سب پر سے ہوتی اس کی نظر صائقہ کی گندمی رنگت کو دیکھتے کچھ استہزائیہ ہو کر اپنے دودھ جیسے ہاتھوں پر جم گئی تھیں۔ اسے اپنے حسن پہ بڑا ناز تھا، ستواں اونچی ناک کو نخوت سے پھلاتے اس نے ایک بار پھر حویلی کی عمارت کو دیکھا تھا۔

"سلام کر بھابیوں کو۔" نصیبن نے اسے پکڑ کے سامنے کیا تو اس نے مارے باندھے سلام کیا تھا۔

"یہ میری بیٹی منزہ ہے، پہلے ملے ہو ناں تم لوگ۔" نصیبن تعارف کراتے استفسار کررہی تھیں۔

"جی چاچی لیکن کافی دنوں بعد آنا ہوا آپ کا۔" دیا نے بات سنبھالی، ورنہ منزہ کا نخوت بھرا انداز اسے بہت کھلا تھا۔

"ہاں بس دوسرے گاؤں سے آنا مشکل ہوتا ہے ابھی آپا نے اسفند کی شادی کا بلاوا بھیجا تو چلی آئی شرکت کرنے۔"

"بہت اچھا کیا، بی جان اندر ہیں آپ جائیں۔" فائزہ نے آگے کا راستہ دکھایا تو دونوں ماں بیٹی جانے لگی تھیں۔

"اس کا انداز دیکھا تھا، حویلی کی بہوئیں سن کر کریلے جیسا منہ بنالیا تھا، اس مچھیرے کی بیٹی کے ایسے تیور حد ہے؟" فریال کو بھی اس کی نظریں چبھ گئی تھیں چونکہ سب ہی ایک خاندان کی دور پرے کی رشتے دار تھیں اور حویلی میں آنے جانے کے باعث ایک دوسرے سے واقفیت تھی تو منزہ کو کافی عرصے بعد دیکھ کر سب کو پھر سے یاد آگئی۔

"نخوت بھرا انداز کیوں نہ ہو۔ خود کو کسی ریاست کی ملکہ سمجھتی ہے، بہت گھمنڈ ہے اپنے چٹے رنگ اور چال ڈھال پر بارہ جماعتیں کیا پڑھ لیں خود کو آکسفورڈ سے پڑھا لکھا سمجھتی ہے۔"

"چھوڑیں اس کا کیا ذکر، ایسی لڑکی، جس کے کردار کا پتا نہ ہو، پچھلی بار آئی تھی تو میں نے غلطی سے اسے کمپنی دینے کے خیال سے تھوڑی بات چیت کیا کرلی، توبہ میرے تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ فیشن، بیوٹی ٹپش سے فارغ ہوکے کوئی دو سو لڑکوں کے نام تو گنوا چکی ہوگی جو اس پہ مرتا ہے۔ چال ڈھال سے ہی اندازہ ہے کہ خود سب کو لائن دیتی ہے اور فخریہ انداز میں معاشقوں کی داستان سناتی ہے۔" دیا کو بھی یاد آگیا تو اس نے فائزہ کی بات کو بڑھاوا دیا تھا۔

"یہ نصیبن لگتی کیا ہے بی جان کی؟" فریال کو یاد نہ آیا تو سوال کرگئی تھی۔

"بی جان کی کچھ نہیں لگتی۔ بابا جان کی بھابی ہیں۔ بس اسی بہانے آجاتی ہیں اکثر، اکیلی آتی تو اچھا تھا شادی میں، یہ کیا بیٹی کو اٹھا لائیں ساتھ۔" فائزہ کو اچھا نہ لگا تھا۔

"چھوڑیں بھابی، شادی کے موقع پر تو ہر کسی کا آنا جانا ہوگا، بی جان کہہ رہی تھیں مہمانوں کے لیے کمرہ بھی تیار کروانا ہے۔ میرے ذہن سے نکل گیا۔ میں ابھی دیکھتی ہوں۔" بات کرتے ہوئے صائقہ کو یاد آیا تو وہ اندر کی طرف بھاگ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

"بس بھائی اسفند کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا افسوس رہے گا۔ میں تو آج کل میں آنے ہی والی تھی حویلی لیکن میں نہیں ہوں گی تو کیا ہوا میری بیٹی منزہ تو گئی ناں۔ اسے چھوڑے جارہی ہوں آپ لوگوں کے پاس۔ سارے کام دیکھ لے گی شادی کے، گاؤں میں کوئی بھی شادی ہو ہر گھر سے اس کا بلاوا آتا ہے، خوب رونق لگائے گی یہاں بھی۔" چودھری حشمت اور زمرد بیگم کے سامنے نصیبن اور منزہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" چودھری حشمت نے منزہ کو دیکھا تو وہ بڑی باادب بنی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"خیر سے سالوں کی دعا قبول ہوئی ہے میری اور اس سال اللہ کے گھر سے عمرے کا بلاوا آیا ہے، بس فکر تھی تو اسی بات کی کہ منزہ کو کہاں چھوڑوں گی پھر بھائی حشمت کا خیال آیا تو پُرسکون ہوگئی کہ حویلی سے محفوظ پناہ گاہ کیا ہوگی۔" نصیبن اصل بات کہہ گئیں تو زمرد بیگم چودھری حشمت کی شکل دیکھنے لگی تھیں۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں بھائی صاحب؟"

"نہیں...... نہیں اعتراض کیسا، منزہ بھی اپنی بچی ہے، تم آرام سے ہو آؤ۔" نصیبن کے دلسوزی سے پوچھنے پر چودھری حشمت نے حامی بھرلی تو زمرد بیگم پہلو بدل کے رہ گئیں، انہیں منزہ کے رنگ ڈھنگ پسند نہیں تھے لیکن انہیں موقع ہی کہاں ملا تھا کہ وہ اپنی مرضی بتاسکتیں۔

"زمرد بیگم...... نصیبن بہن کو کھانا کھلا کے بھیجنا اور منزہ کے لیے کمرہ تیار کردو، نصیبن کے آنے تک یہ یہیں رہے گی۔" چودھری حشمت کہتے ہوئے اٹھ گئے تھے اور اسی وقت جہانگیر دوست کی طرف جانے کا بتانے آیا تھا۔ وہ نصیبن اور منزہ کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔

"بی جان میں دوست کی طرف جارہا ہوں، کھانا دوستوں کے ساتھ باہر کھانے کا ارادہ ہے۔" اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنے جانے کا بتایا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے جاؤ، اللہ کی امان میں۔ نصیبن کو سلام تو کرو۔" زمرد بیگم کے احساس دلانے پر جہانگیر نے مارے باندھے سلام کیا تھا۔ منزہ بے طرح چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ بھرپور مردانہ وجاہت کے مالک جہانگیر اسے بری طرح بھا گئے تھے۔

"وعلیکم السلام، یہ اپنا جہانگیر ہے ناں؟ ماشاء اللہ کتنا بدل گیا ہے، بہت دنوں بعد دیکھا ہے اسے۔" نصیبن واری صدقے جارہی تھیں۔ اسی دم صائقہ کمرہ تیار کردینے کا مژدہ لیے آئی تھی۔ جہانگیر نے ایک نظر اس کو دیکھا تھا اور پلٹ گئے تھے۔ منزہ ہتک کے احساس سے سلگنے لگی تھی۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی، جہانگیر نے ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی اور وہ تو ایسی تھی کہ بندہ ایک نظر کے بعد دوسری نظر دیکھنا اس پر اپنا حق سمجھتا تھا اور وہ دن میں دس بار لوگوں کے منہ سے اپنے حسن کے قصیدے جب تک نہ سن لیتی تب تک اسے چین نہیں آتا تھا۔ یہاں وہ مکمل حشر سامانیوں کے ساتھ آئی تھی اور اسے قابل نظر تک نہیں سمجھا گیا تھا، یہ بات اسے آگ لگانے کو کافی تھی۔

"بی جان مہمانوں کے لیے کمرہ تیار کردیا ہے۔" صائقہ نے قریب آکر کہا تھا۔

"بہت اچھا کیا بیٹا۔ اسے تو جانتی ہی ہوگی، جہانگیر کی منگ ہے میری تیسرے نمبر والی بہو۔" زمرد بیگم کے تعارف کرانے پر منزہ نے سر سے پاؤں تک اسے بغور دیکھا تھا، جو اسے ایک نظر کے قابل جانے بغیر چلا گیا وہ اس کی منگ میں دلچسپی نہ لیتی، ایسی کیا بات تھی۔

"دیکھ میں بہت عاجز ہو کے تجھے یہاں چھوڑے جا رہی ہوں، یہاں کسی کو تنگ مت کرنا خبردار جو تو نے اس نکمے کو بتایا کہ تو یہاں موجود ہے اگر اللہ کا بلاوا نہ آتا تو میں کبھی تجھے یوں چھوڑ کے نہ جاتی، تجھ سے تو ڈر ہی لگا ہوا ہے جانے کب ہمارے منہ پہ کالک مل دے۔" کمرے میں آتے ہی نصیبن دبی آواز میں منزہ کی کلاس لینے لگی تھیں۔

"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے اماں جو تم اتنی باتیں سنا رہی ہو اور اتنی ہی قابل بھروسہ نہیں ہوں تو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" منزہ تلملا کے دوپٹا جھٹک گئی تھی۔

"حد تو تُو نے کر رکھی ہے گاؤں بھر کے لڑکوں کو الو بنا کے، ہر دوسرا بندہ تو تیرا عاشق نکل آتا ہے۔" نصیبن نے دانت پیسے تھے۔

"اب میں کیا کروں، اگر کوئی میرے عشق میں مرا جا رہا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے، میں سب کے دل کی مالک تھوڑی نہ ہوں۔" وہ چمک کے بولتی خود کو معصوم ثابت کر گئی تھی۔

"ہاں تو سب کے دل کی مالک نہیں ہے اور وہ نکھٹو، جس کے ساتھ تیرے خطوط پکڑے گئے، اس کے بارے میں کیا کہے گی، جس کی وجہ سے تیرا ابا تیرا دشمن بنا بیٹھا ہے۔" نصیبن نے لحاظ کیے بنا دو ہتھڑ لگائے۔ منزہ بدک کے دور ہو بیٹھی تھی۔

"ہاں تو کیا ہوا کسی کو پسند کرنا کوئی جرم تھوڑی ہے، شادی کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے۔"

"تیرا ابا کبھی اس موچی کے بیٹے سے تیری شادی نہیں کرے گا۔"

"ہاں، ابا خود تو جیسے ملک کا صدر لگا ہوا ہے ناں، دیکھ اماں میں کہہ رہی ہوں ابا کو سمجھا لے ایسا نہ ہو میں بھاگ جاؤں اس کے ساتھ۔"

"تو بھاگ کے تو دکھا، قبر سے ڈھونڈ نکالے گا تیرا ابا اور اس کے بعد جو تیرا حال ہوگا وہ الگ۔ دیکھ میری بات پلو سے باندھ لے، یہاں کا تو اسے نہیں بتائے گی، عمرہ سے آتے ہی تیرا باپ تجھے رخصت کرنے کی سوچ رہا ہے۔ بات کر رکھی ہے اس نے خاور سے۔"

"میں کسی قیمت پر نہیں کروں گی اس تندور والے سے شادی۔"

"اس موچی کے نکھٹو بیٹے سے تو اچھا ہی ہے۔"

"کیا نکھٹو نکھٹو لگا رکھا ہے تو نے، شہر میں بلڈنگ بنواتا ہے، تجھے کیا پتا اس کے کام کا، بس موچی کا بیٹا کہہ کہہ کے جان عذاب میں کر رکھی ہے میری۔" وہ غصہ سے بولی تھی۔

"کیا نظر آتا ہے تجھے اس میں۔" نصیبن عاجز آ گئی تھی۔

"محبت میں کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے اماں۔"

"جنم جلی، کلموہی، بڑی آئی محبت کرنے والی۔ اگر مجھے یہاں شکایت ملی تو دیکھنا پھر تو۔" دو ہتھڑ لگاتے نصیبن نے دانت پیستے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

نصیبن چلی گئی تھی۔ مہمان سمجھ کر منزہ کی موجودگی کو سب نے قبول کر لیا تھا لیکن اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کے سب ہی کے منہ بگڑ جاتے تھے۔ عورتوں سے زیادہ دل اس کا مردوں کی محفل میں لگتا تھا۔ زبردستی ہر ایک کو مخاطب کر کے بات کرتی، کھانے کی میز میں عین مردوں کے سامنے والی کرسی کا انتخاب کرتی۔ شادی میں اس کے لشکارے مارتے چست کپڑوں کی وہ دھوم مچی کہ گاؤں کا ہر لڑکا اس کے نام کی آہیں بھرنے لگا تھا، کچھ ادائیں اور نظروں کے کھیل میں ایسی مشاق تھی کہ ساتھ بیٹھے بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی اور وہ کام کر جاتی تھی۔ حویلی کی عورتیں سادہ تھیں، پڑھی لکھی ہونے کے باوجود ان میں ناز و ادائیں نہیں تھیں۔

اس وقت بھی نیچے عورتیں محفل جما رہی تھیں اور اس شور ہنگامے سے بے زار جہانگیر پیچھے باغ کی طرف جا رہے تھے اور یہ منظر منزہ کی نظروں کی زد میں آ گیا تھا، ویسے بھی جہانگیر اس کے نئے ٹارگٹ تھے، جس طرح ایک مرد کو فلرٹ کی عادت ہوتی ہے وہ بہت سوں کو اپنے پرفریب جال میں پھنسا کر خوش ہوتا ہے، ویسے ہی منزہ کی فطرت تھی۔ اسے سراہتی نظروں، محبت کے اظہار کی اتنی عادت پڑ گئی تھی کہ اگر کوئی اسے نظرانداز کرتا تھا تو اسے ہتک کا احساس ہوتا تھا جہانگیر نے اسے نظرانداز کر کے سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کی طرف بڑھنے لگی تھی اس کا کام تب تک تھا جب تک جہانگیر اس کی محبت میں آہیں نہیں بھرتا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ جھاڑ کے گزر جانا تھا اور کبھی پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھنا تھا کیونکہ محبت تو وہ یحییٰ سرفراز سے کرتی تھی۔

اس موچی کے بیٹے کی چکنی چپڑی باتوں میں وہ ایسی پھنسی ہوئی تھی کہ یہ بھی بھول گئی، وہ دنیا کے لڑکوں کو الو بنانے والی خود اس کے ہاتھوں الو بن رہی تھی۔

منزہ نے جہانگیر کا پیچھا لے لیا تھا، شادی میں مختلف حیلے بہانوں سے اس کے قریب آ کر اپنے انداز و ادا کا کھیل اس معصومیت سے کھیلا کہ جہانگیر اس کے دام میں الجھتے چلے گئے۔ ان کی بڑھتی نزدیکیوں کو دیکھ کے صائقہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوتا تو منزہ کو بڑی تسکین ملتی تھی۔ جہانگیر جو صائقہ کی کم صورتی اور سادہ مزاجی کے باعث کبھی اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے وہ منزہ کی زلفوں میں الجھتے چلے گئے تھے۔ اسفند کی شادی بخیر و خوبی انجام پا گئی تھی۔ فریال دلہن بن کے حویلی میں آ گئی تھی۔ اسی رات جہانگیر اور منزہ کو زمرد بیگم نے الگ تھلگ گوشے میں ہاتھوں میں ہاتھ دیے بیٹھے دیکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا تھا۔

"جہانگیر......!" زمرد بیگم کی آواز سے وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ فائزہ بھی ان کے ساتھ تھی وہ بھی حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو ہم باتیں کر رہے تھے۔" وہ شاطر کھلاڑی تھی اور جہانگیر اناڑی۔ پہلے ہی سنبھل کے باتیں بنانے لگی لیکن زمرد بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔

"ہم تم سے نہیں اپنے بیٹے سے پوچھ رہے ہیں، تمہاری بات ہی کیا، تم تو جہاں سے آئی ہو وہیں چلی جاؤ گی لیکن تم...... جہانگیر تم کیسے بھول گئے کہ تمہاری رگوں میں حویلی کا خون دوڑ رہا ہے، تمہاری ایک منگ ہے۔ جسے دیکھنا تم گوارا نہیں کرتے اور یہاں اس لڑکی......" زمرد بیگم کی آواز غم و غصے سے کانپنے لگی تھی۔

"تمہاری ماں تمہیں بطور امانت یہاں چھوڑ گئی ہے اور تم ہماری حویلی میں ہی نقب زنی کرنے میں لگی ہوئی ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ لڑکی۔" زمرد بیگم کے لفظوں کو بے عزتی جان کے اس نے جہانگیر کو دکھانے کے لیے موٹے موٹے آنسو آنکھوں میں بھر لیے تھے اور بھاگ کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جہانگیر تڑپ ہی تو گئے تھے۔ یہ سب دیکھ کر تڑپ تو

صائقہ بھی گئی تھی لیکن اوٹ میں ہی رہی تھی اور جہانگیر کی یہ تڑپ کتنی شدید تھی اس کا احساس بھی چودھری حشمت کی عدالت میں ہوگیا تھا۔ زمرد بیگم کی شکایت پر جب اسے پیشی کے لیے بلایا گیا تو اس نے منزہ سے شادی کا اعلان کر کے حویلی کے در و دیوار ہلا دیے تھے۔

''اس سے بھی پوچھو وہ بھی تم سے شادی کرنا چاہتی ہے یا دوسرے لڑکوں کی طرح تمہیں بھی بے وقوف بنا رہی ہے؟''

''منزہ ایسی نہیں ہے بی جان۔''

''مجھے جیسی شریک سفر چاہیے وہ منزہ کی صورت میں مل گئی ہے۔ صائقہ سے شادی کبھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور منزہ سے محبت کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' جہانگیر کا اعلان حویلی میں صف ماتم بچھانے کے ساتھ صائقہ کی ماں کی جان لے گیا تھا۔ صائقہ مزید تنہا ہوگئی تو زمرد بیگم اور چودھری حشمت اسے حویلی لے آئے تھے، قاضی بلایا گیا لیکن جہانگیر عین نکاح کے وقت روپوش ہوگیا۔ ڈھنڈیا مچی، انہیں نہیں ملنا تھا وہ نہیں ملے، دلہن بنی صائقہ نکاح کے انتظار میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ بظاہر معصوم بنی بیٹھی منزہ استہزائیہ مسکراہٹ سجائے سارا منظر دیکھتی رہی تھی۔

جہانگیر رات گئے لوٹے تھے، حویلی میں ہنگامہ ہوا، بے عزتی کرنے پر سوال پوچھے گئے ان کا ایک ہی جواب کے منزہ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے۔ سب کو نصیبن کا انتظار تھا کہ وہ آکر جلد سے جلد اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے۔ دن گزرنے لگے تھے، حویلی کی فضا میں کھنچاؤ برقرار تھا۔ کبھی حویلی تو کبھی کھیتوں میں ان کی ملاقات ہوتی رہی اور منزہ ہر بار شدومد سے یقین دلاتی رہی تھی کہ وہ بھی جہانگیر کی محبت میں جان دینے کی حد تک سنجیدہ ہے۔ ان دونوں کے بیچ دیوار کھڑی کر کے حویلی والے ظلم کررہے ہیں۔ صائقہ ان کی خوشیوں کی رکاوٹ ہے، جہانگیر تو پہلے ہی صائقہ سے بگڑے رہتے تھے اب تو منزہ نے قطرہ قطرہ نفرت انڈیل کر ایکا کردیا تھا۔

''اپنا تو ایک ہی وطیرہ ہے۔ مقابل دور تک نہ چھوڑو۔'' جہانگیر اس کے لیے صرف ایک وقت گزارنے کا لمحہ تھے، اصل میں تو وہ یحییٰ کا انتظار کررہی تھی نصیبن کے آنے سے پہلے اسے یحییٰ کے ساتھ اندرون سندھ کے لیے نکلنا تھا یحییٰ پوری تیاری میں تھا اور وہ اس کے بلاوے کی منتظر۔

یحییٰ گاؤں میں آگیا تھا حویلی کا فون وقت بے وقت بجتا رہتا تھا۔ سب ہی گمنام کالز سے تنگ آرہے تھے جو اکثر رات کی تاریکی میں آتی تھی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کررہی ہو؟'' یحییٰ سے تفصیلی بات کر کے وہ نکل ہی رہی تھی جب جہانگیر چلے آئے تھے۔ وہ ڈرسی گئی کہ کہیں پول تو نہیں کھل گیا لیکن جہانگیر کے چہرے سے کوئی تاثر نہ ملا تو وہ پرانا کھیل کھیلنے لگی۔

''انتظار کررہی تھی کہ شاید اماں کی کال آجائے اور میں اسے جلدی آنے کا کہوں۔''

''کیوں جلدی آکے کیا کریں گی وہ؟''

''مجھے یہاں سے لے جائیں گی۔'' اس کا لہجہ دکھی تھا۔

''تم یہاں سے جانا چاہتی ہو؟''

''نہ گئی تو، نکال دی جاؤں گی۔ صائقہ نے شام کو مجھے بہت جلی کٹی سنائی تھی۔ چوٹی سے پکڑ کے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی ہے۔ میں نے تم سے محبت ضرور کی ہے جہانگیر لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی آکے میری تذلیل کرے۔''

''اس کی یہ مجال کے وہ تم سے یہ سب کہے، ابھی اسے نکال باہر کرتا ہوں تم دیکھنا۔'' وہ غصے سے آگے بڑھے تھے اور منزہ سامنے آکر جذباتی وار کرنے لگی تھی۔

''تمہیں میری قسم جہانگیر تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے، وہ منگ ہے تمہاری، میں تو

یوں ہی تم دونوں کے بیچ آگئی۔ دیکھو ناں حویلی میں مجھ سے کوئی خوش نہیں، کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں جاتی ہوں تو بھابیاں بہانے بہانے سے اٹھ جاتی ہیں۔''

''سب صائقہ کی حمایتی ہیں اس لیے لیکن کوئی تمہیں پسند کرے یا نہ کرے تم یہیں رہو گی، ہم جلد ہی نکاح کرلیں گے۔ میری نوکری لگ جائے گی تو ہم شہر چلے جائیں گے۔ نصیبن چاچی آئیں گی تو میں ان سے خود بات کروں گا، بھلے حویلی میں سب خلاف ہوجائیں لیکن میں تم سے ہی شادی کروں گا۔'' جہانگیر کی انتہا کو دیکھتے ہوئے کبھی کبھی منزہ کو لگتا تھا کہ شاید زیادہ ہوگئی ہے لیکن دل کے بہلاوے کے لیے چٹخارہ بھی ضروری تھا۔ اسے بھی مزہ آرہا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

''ہم سب جانتے ہیں کہ تم جہانگیر کے ساتھ کھیل رہی ہو اگر مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ تم جہانگیر کے ساتھ مخلص ہو تو میں خود تم دونوں کی راہ سے ہٹ جاتی لیکن مجھے افسوس ہے جہانگیر تمہارے ہاتھوں بیوقوف بن رہے ہیں۔''

''ہاں بنا رہی ہوں میں اسے بے وقوف، جاؤ جا کے بتا دو جہانگیر کو اگر وہ یقین کرلیں تو پھر آکر میرے سامنے یہ بکواس کرنا۔'' کچھ بھابیوں کا لعن طعن اور کچھ منزہ کی بڑھتی ہوئی حرکتوں نے صائقہ کو اس کے سامنے سوال کرنے پہ مجبور کردیا تھا۔ جسے منزہ نے دھڑلے سے مانا۔

''کیوں کررہی ہو تم یہ سب، کیوں میرا گھر بسنے سے پہلے ہی جلا رہی ہو؟ صحیح کہتے ہیں سب تم جیسی بدکردار لڑکی کسی ایک کی نہیں ہوسکتی اور تم نے خود قبول کرلیا۔''

''پہلے تو سوچا تھا ستے میں حویلی کی بہوؤں کو چھوڑ دوں گی لیکن اب نہیں۔ پتا ہے کیوں، کیوں کہ مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے۔ میں جب بھی آتی تھی مچھیرے کی بیٹی کہہ کر سب حقارت سے مجھے دیکھتے تھے، حویلی کی بہوئیں اتراتی پھرتی ہیں جیسے حویلی کا نام نسب لے کر پیدا ہوئی ہیں یا پھر قبر میں لے کر جائیں گی اور اب تم نے کردار کی بات کر کے مجھے جو گالی دی ہے، اصل میں وہ گالی نہیں ہے، میرے لیے اعزاز ہے، تم ہو کیا عام سی شکل وصورت والی گنوار، جسے اس کا منگیتر دیکھنا پسند نہیں کرتا اور ایک میں ہوں، جو عاشقوں کی لسٹ گنوانے لگوں تو صبح ہوجائے۔ وہ تو مجھے کہیں اور اڑان بھرنا ہے ورنہ جہانگیر کو کبھی تمہارے لیے نہ چھوڑتی لیکن اب بھی نہیں چھوڑوں گی، جاتے جاتے تمہارے لیے اتنی کڑواہٹ بھر جاؤں گی اس کے دل میں کہ جہانگیر تمہارا نام سن کر نفرت سے تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا اور تم محبت کا دم بھرتے، بھرتے قبر میں اتر جاؤ گی اور وہ تمہاری طرف دیکھے گا بھی نہیں، میرا تو ایک ہی اصول ہے جو چیز میری نہیں اسے کسی دوسرے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی۔ میں جہانگیر سے دل لگی کررہی تھی لیکن دیکھنا وہ ساری زندگی میرے نام پہ آہیں بھرتا رہے گا۔''

''محفل کی شمع بننے کا شوق رکھنے والی کو کیا خبر کہ محبت کے دل کیسے آباد ہوتے ہیں۔ تم اپنی سی کر گزرو، باقی جو ہے، وہ میرا نصیب۔'' اس کے کھلے چیلنج پہ اپنی کہہ کے وہ پلٹ گئی تھی، آنکھوں میں آنسو آرہے تھے اور یہ کون سا نئی بات تھی۔ پہلے تو جہانگیر کی کج ادائی ہی رلاتی تھی اب تو اس کی بے وفائی اور دوسری لڑکی سے محبت کا بھی سامنا تھا، وہ اس کے سامنے اس اجنبی لڑکی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہا تھا اور وہ کچھ کر نہیں پا رہی تھی، اپنا کھونٹا ہی مضبوط نہیں تھا تو وہ کب تک اس خود پرست حسینہ سے لڑسکتی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

''میں جا رہی ہوں جہانگیر، کہاں یہ تو مجھے بھی پتا نہیں ہے لیکن یہاں رہی تو تمہارے لیے مزید پریشانی کا باعث بنی رہوں گی۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا۔ میں ایسی جگہ جا رہی ہوں کہ کسی کو جیتے جی میرا سراغ بھی نہیں ملے گا۔ مجھ میں اب مزید ہنسنے کی ہمت نہیں رہی کہ صائقہ کے کوسنے اور بددعائیں سہتی رہوں۔ تمہارے جانے کے بعد میرے

ساتھ تمہارے اپنوں نے جو سلوک کیا اسے لفظوں میں بیان کرتے حیا کا سامنا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے اپنے تم سے چھوٹ جائیں، یا وہ تمہارے دشمن بن جائیں، اس لیے خاموشی سے تمہاری زندگی سے جارہی ہوں، ان چند دونوں میں تم نے جتنی محبت دی اس کے سہارے ساری عمر گزار دوں گی۔ میرے جانے کے بعد تم پھر سے اپنوں کے ہو جانا۔ صائقہ سے شادی کر لینا، تاکہ اس کی بددعائیں میرا پیچھا نہ کریں۔ میں تمہیں نہ پاسکی، صائقہ کی جیت ہو جائے۔ مجھے تم دونوں کے بیچ آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں تو اس وقت کو کوس رہی ہوں، جب سالوں بعد حویلی میں تمہیں دیکھ کے دل ہار بیٹھی۔ جانتی ہوں تم مجھے کبھی نہیں بھولو گے، میں بھی آخری سانس تک تمہیں یاد کروں گی۔ ساری زندگی افسوس رہے گا ہم ایک نہ ہو سکے۔

تمہاری منزہ

❁.....❁.....❁.....❁

منزہ نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ جاتے جاتے وہ تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک گئی تھی۔ یحییٰ کا اشارہ مل گیا تھا، جہانگیر کسی کام سے شہر گئے ہوئے تھے اور منزہ اس کے نام خط چھوڑ کر حویلی سے نکل گئی تھی۔ حویلی لوٹنے کے بعد جہانگیر کو اپنے تکیہ کے نیچے سے خط ملا تو وہ دیوانے سے ہو کر حویلی میں طوفانِ بدتمیزی مچا گئے تھے۔ ہر ایک نے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی کہ وہ اڑان بھرنے کے ارادے سے ہی آئی تھی لیکن وہ منزہ کے خلاف ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ کھانا، پینا چھوڑ دیا تھا۔

منزہ کے گاؤں بھی ہو آئے، وہاں سے بس ایک ہی نام ملا یحییٰ سرفراز۔ ملی ہوئی معلومات کے مطابق یحییٰ، منزہ پہ لٹو تھا ممکن ہے منزہ کو اسی نے اغوا کر لیا ہو۔ اس بات کے اتنے شواہد تھے کہ ان کو پکا یقین ہو گیا تھا۔ وہ تھانے میں رپورٹ بھی درج کرا آئے تھے۔ حویلی میں ان کی حالت سے سب پریشان تھے۔ سب نے صائقہ کو ایک بار پھر دلہن بنایا تاکہ نکاح کا فرض ادا ہوا اور جہانگیر بھی منزہ کے خیال سے نکل آئیں۔

"تجھے کیا لگا تھا۔ منزہ کے جانے کے بعد تیرے خواب شرمندہ تعبیر ہوں گے۔ نہیں...... یہ منزہ کا ہی حکم تھا کہ تجھ سے شادی کر لوں اور میں نے تجھ سے نکاح پڑھوا لیا لیکن تو ساری زندگی ترستی رہے گی۔ اسی طرح جس طرح میں منزہ کے لیے ترسوں گا۔ آج یا کل میں اس کا پتا تو لگا ہی لوں گا اور اس کے بعد تجھے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ جب تک جیے گی موت مانگے گی۔" پہلی ہی رات کی دلہن کو الفاظوں کی ایسی مار ماری کہ وہ سکتے میں رہ گئی تھی۔ جہانگیر اسے بیڈ سے نیچے دھکیل کر سو گئے تھے اور صائقہ ساری رات دل پہ لگے گھاؤ کی ٹکور کرتی رہی تھی۔ پر دل پہ لگے گھاؤ نہ کم ہوتے تھے اور نہ ہی ٹکور کرتے آنسو تھمے تھے۔ سب کے سامنے جھوٹ بول بول کر جب وہ تنگ آ گئی تو زمرد بیگم کے گلے لگ کے ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی اپنی زندگی میں داخل کرنے کی جہانگیر نے ایسی سزا دی تھی کہ ان کا دل پھٹنے لگا تھا اور جہانگیر نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ معمولی سی پوسٹ کے ملتے ہی بڑے افسروں سے تعلق بنا کر انہوں نے یحییٰ کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ یحییٰ نے دو چھتر میں ہی سچ اگل دیا تھا کہ منزہ ان کے ساتھ بھاگ گئی تھی، اس کی دو بچیاں ہیں۔ گھر میں آگ لگ گئی تھی اور منزہ بیٹیوں کے ساتھ جل کے مر گئی تھی۔

منزہ مر گئی جان کر انہوں نے یحییٰ کو بھی جان سے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن عدالت سے سزا پاکے وہ رہا ہوتے ہی ایران بھاگ گیا تھا اور اس کے بعد اس کا سراغ نہ مل سکا تھا۔

"مردود کہتا ہے منزہ اس کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اغوا کر کے لے گیا اور اب جان سے مار کے اس پاکیزہ لڑکی پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ نفرت سے سوچ کے رہ گئے تھے۔ منزہ کی موت کی خبر دیتے انہوں نے صائقہ کو بھی موت کے منہ میں

پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ صائقہ کا دایاں بازو ٹوٹ گیا تھا۔ پسلیوں میں ورم آ گیا تھا، دنیا کے سامنے عزت دار بننے والے جہانگیر صائقہ کے ساتھ کس طرح جانوروں کا سلوک کرتے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔

شاہ زر شمعون کے بعد شنائیہ کی پیدائش بھی عمل میں آئی تھی تو فریال نے بھی سبحان آفندی کی صورت حویلی والوں کو جانشین دے دیا تھا۔ سب اپنے اپنے بچوں میں گم رہتی تھیں اور صائقہ اپنی خالی گود اور بیاہی ہونے کے باوجود اپنے ادھورے پن کو لے کے سسکتی رہتی تھیں۔ جہانگیر نے بیوی کا درجہ دینے کے لائق بھی نہیں سمجھا تھا۔ ابھی سب صائقہ کو منزہ کا غم کم ہونے کی آس تھمارہے تھے کہ جہانگیر نے صہبا سے نکاح کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔ حویلی میں ہنگامہ ہوا۔ صائقہ کا مقدمہ لڑا گیا لیکن جہانگیر تو جیتنے کے لیے ہی پیدا ہوئے تھے، انہوں نے اپنا سامان سمیٹا شہر کو اپنا مسکن بنا لیا اور صائقہ تڑپتی رہ گئیں۔ سال بھر بعد ایشان جاہ کی پیدائش کی خبر آئی تو صائقہ کا ضبط جواب دے گیا۔

جہانگیر کے آنے پہ خوب لڑیں جھگڑیں اور ہمیشہ کی طرح اپنی چوٹوں کو سہلاتے اس بار خوش نظر آئیں جس کا عقیدہ عیشال کی پیدائش پہ کھل گیا تھا۔ جس طرح صائقہ کبھی جہانگیر کے دل پہ حکمرانی نہیں کر سکی تھیں اسی طرح عیشال کو بھی دیکھتے ان کا خون کھولنے لگتا تھا جو ان کی مردانگی کے سوال پر انا کا نشان بن گئی تھی۔ اپنی اس کمزوری کو وہ عیشال سے نفرت کر کے چھپاتے تھے۔ منزہ کا برا کرنے والی کی بیٹی کو اپنا نام دینے کے سوا انہوں نے کچھ نہیں دیا تھا۔ عیشال بڑی ہو رہی تھی مگر وہ سارے بچوں سے الگ تھی۔ انہیں حسرت سے دیکھتی تھی۔ صائقہ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ کینسر کا موذی مرض جگر کو لگ گیا تھا جو ان کی جان لے کر ٹلا۔ جہانگیر کی راہ تکنے والی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ تو اتنے بے رحم ثابت ہوئے کہ جنازے کو کندھا دینے بھی نہیں آئے تھے۔ عیشال چھوٹی تھی لیکن سب دیکھ رہی تھی اور یہی احساس اس کے اندر بچپن سے کڑواہٹ بھرتا چلا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

"آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔" منزہ جیسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے۔ ہزاروں دلوں سے کھیل کر لطف لینے والی پھنسی بھی تو یحییٰ کے جال میں۔ جو پہلے سے جانے کتنی شادیاں بھگتا چکا تھا۔ جواری شرابی ہونے کے ساتھ عورتوں، بچوں کا بیوپاری بھی تھا۔ نکاح کر کے منزہ تو آسودہ ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس پہ کھل گیا کہ وہ کس چنگل میں پھنس گئی ہے۔ جیسے تیسے کر کے دو سال گزرے اور انوشا اور ماورا کی پیدائش عمل میں آئی۔ بچیوں کے بعد یحییٰ مطمئن تھا کہ اب منزہ کا سودا با آسانی ہو جائے گا۔ منزہ کو بھلے یحییٰ کو پہچاننے میں غلطی ہوئی تھی لیکن وہ مزید اس کے ہاتھوں بیوقوف نہیں بن سکتی تھی۔ ایک دن گھر میں چالاکی سے آگ لگا کر وہ دونوں بچیوں کو لے کر نکل گئی تھی۔ در در کی ٹھوکر کھاتے اسے اپنے وہ سارے گناہ ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے جو اس نے کیے تھے۔ ماں، باپ تو اس کے بھاگنے کا سن کر ہی ایئرپورٹ سے حویلی کے راستے میں حادثے کا شکار ہو کر چل بسے تھے۔ اب منزہ جاتی بھی تو کس کے پاس۔ زندگی میں جدوجہد کرتے اسے قدم قدم پہ جہانگیر کی یاد آتی تھی۔ فلرٹ تو اس نے بہت سوں سے کیا تھا لیکن جہانگیر یاد رہ گئے تھے۔ وہ جہانگیر کی تصویر دیکھتے رو رہی تھیں جب ایک دن بچیوں نے پوچھ لیا کہ وہ اکثر کس کی تصویر دیکھ کے روتی ہیں۔ یحییٰ کا سایہ اپنی بیٹیوں سے دور رکھنے والی نے ولدیت کے خانے میں باپ کا نام ٹھیک لکھوانے کے بعد اصل شناخت چھپا کے جہانگیر کو باپ کا درجہ دے دیا تھا۔

منزہ یکسر بدل گئی تھیں، جان محفل بننے والی نے گمنامی کی ایسی زندگی گزاری کہ مردہ سمجھنے والوں کو یقین آ گیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔ کئی بار ذہن میں آیا کہ حویلی جا کے اپنے کیے کی معافی مانگ آئیں، صائقہ کی موت کا پرسہ دے آئیں لیکن ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔ بیٹیوں کی پرورش انہوں نے اتنی ہی سخت کی جتنی اپنی باری میں کوتاہی محسوس کی تھی اور

ان سب کے باوجود ایشان جاہ کے روپ میں مجسم جہانگیر کو روبرو دیکھ کر انہیں قدرت کے کھیل پر رشک آنے لگا تھا جو کینسر صائقہ کے جگر کو کھا گیا وہی کینسر ان کی رگوں میں دوڑتے انہیں جیتے جی احساس دلا گیا کہ مکافات عمل دیر سے صحیح لیکن آتا ضرور ہے۔ ماروا کو اکیلا چھوڑ جانے کی بے بسی میں وہ ایشان کو دیکھ کر خوش ہوئی تھیں لیکن صہبا کے رویے کے بعد بھی انہیں جہانگیر پہ بھروسا تھا۔ انہیں اپنی دل لگی اور جہانگیر کی محبت پہ آج بھی اتنا ہی بھروسا تھا جتنا کبھی ماضی میں تھا۔

وہ اچھی ماں تو ضرور بنیں، اس کے علاوہ انہوں نے کوئی بھی رشتا خلوص سے نہیں نبھایا تھا۔ ہاں پر اوقت آنے کے بعد انہیں جہانگیر سے محبت ضرور ہوگئی تھی لیکن اب یہ محبت کس کام کی تھی۔ وہ خائن تھیں۔ اپنے دو پل کو رنگین کرنے کے کھیل میں کئی زندگیوں سے کھیل گئی تھی۔ صائقہ مر گئی تھی۔ عیشال ساری زندگی جہانگیر کی محبت سے محروم رہی تھی۔ اس کے قدم پڑنے کے بعد سے حویلی میں کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ حویلی کی عورتوں پہ منزہ جیسا سایہ نہ پڑے یہ جان کر عورتوں پہ سختی کر دی گئی تھی۔ جہانگیر کے طور طریقے دیکھ کر محبت و عشق کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ جہانگیر کی سرکشی حویلی میں جو بھونچال لا کر سب کو تماشائی بنا گئی تھی اس کے بعد حویلی کے مکین کسی تماشے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ سارے سبق حویلی والوں پہ لاگو تھے، جہانگیر کل کی طرح آج بھی خود کو حق بجانب سمجھتے خود غرض اور ظالم ہی تھے۔

❁......❁......❁......❁

حال کا سفر

ڈائری پرے رکھ کر ماورا ایک دم سے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ تنہائی ملی تو وہ منزہ کی ڈائری نکال لائی اور اسے شروع کرنے سے پہلے اس کے وہم وگماں میں بھی نہیں تھا کہ منزہ اپنا اصل روپ لکھ کر خود کو اس کے سامنے ظاہر کر گئی ہیں۔ ڈائری کے ساتھ ایک اور پرچا بھی ملا تھا، جس میں ماورا کو خاص ہدایت کی گئی تھی لیکن اس وقت وہ ساری ہدایت کہیں بھول بھال گئی تھی اگر اس نے خود منزہ کو ڈائری لکھتے نہیں دیکھا ہوتا تو ان کی لکھائی ہونے کے باوجود وہ اس سچائی کی داستاں کو جھٹلا دیتی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ ماں جوان کے لیے مثال تھی، وہ جہانگیر کو مہرہ بنا کر کسی صائقہ کی زندگی بھی پھونک سکتی تھی محض اپنے جذبے کی تسکین کے لیے...... جس تصویر کو باپ کی شبیہہ سمجھتی رہی وہ باپ تھے ہی نہیں، وہ تو ان معصومین میں سے تھے جو منزہ کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے اور اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی ماورا کا نکاح ایشان جاہ سے کروانے کی خواہش، کیا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ سچ کھلنے پر جہانگیر نے اس کو اپنے بیٹے کی زندگی سے نکال پھینکنا ہے؟

ماورا عجیب دوراہے پہ آ کھڑی ہوئی تھی اس نے تو منزہ کے لفظوں کو انمول جان کر ہی بنا سوچے سمجھے ایشان جاہ سے نکاح کر لیا تھا اور اب جب ساری حقیقت اس کے سامنے آئی تو اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہی جہانگیر اور ان کی فیملی جو اسے ظالم لگتی تھی اب وہ انتہائی معصوم لگ رہی تھی، چال تو منزہ چل گئی تھیں ان کے ساتھ اور جاتے جاتے ماورا کو بھی عجیب دوراہے پہ کھڑا کر گئی تھیں۔ وہ کس منہ سے ان سب کا سامنا کرتی، کیسے اپنے ماں کے کیے کی فرداً فرداً سب سے معافی مانگتی۔ منزہ یہ بہت بڑی ذمہ داری اس کے سر ڈال گئی تھیں اور صائقہ کا کیا، اس سے کیسے معافی مانگتیں۔ خود منزہ تو مارے شرمندگی کے ساری عمر ان سب سے روپوشی کی زندگی گزار کر سفر آخرت کو روانہ ہوگئی تھیں اور اسے ان لوگوں کے بیچ لا کھڑا کر گئی تھیں۔

”تم تیار نہیں ہوئیں؟“ دروازے پر کھٹکا ہوا تو اس نے سرعت سے ڈائری تکیہ کے نیچے چھپائی۔ آنے والا ایشان جاہ تھا جو اس سے سوال کر رہا تھا۔

”کک...... کہاں جانا ہے؟“ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”بتایا تو تھا کہ صبح ہمیں حویلی کے لیے نکلنا ہے۔“

”حویلی......!“ وہ حویلی جہاں منزہ نے بے دردی سے کئی زندگیوں کو تماشا بنا دیا تھا۔ وہ کیسے سب کا سامنا کرے گی، کیسے ان سب کی نفرت بھری نگاہ کے حصار میں رہے گی۔

”ہاں حویلی۔“ ایشان جاہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نہیں جاؤں گی حویلی، مجھ میں ہمت نہیں۔“ وہ ڈر کے بیڈ کراؤن سے لگ گئی تھی۔ ایشان جاہ کو اس کے انداز پر بے حد حیرت ہوئی۔

”ہمت نہیں۔ ماورا ہم بائی ایئر جا رہے ہیں اور پھر وہاں سے باقی کا راستہ گاڑی میں گزرے گا۔“ وہ یہ ہی سمجھا کہ وہ راستے کی طوالت کا سوچ کے ہمت کی بات کر گئی ہے۔ وہ عجیب صورت حال میں پھنس گئی تھی کہتی بھی تو کیا۔ اسی دم ایشان کے نمبر پہ کال آنے لگی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

”اس سے پہلے کہ ہم رشتوں کا تقدس فراموش کر کے آپ کی طرح درندگی دکھائیں آپ حویلی سے چلے جائیں۔“ کنپٹی سے لگا شاہ زر شمعون کا پسٹل اور اسفند کے ہاتھ میں ان کا گریبان ان کے آنکھوں میں خون اترتے دیکھ کر چودھری جہانگیر کو بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ مزید رکنا بے کار ہے، ویسے بھی ان کا مقصد تو پورا ہو گیا تھا، سمہان آفندی اور عیشال خون میں لت پت پڑے تھے۔ حویلی کی عورتیں بین کر رہی تھیں زمرد بیگم اپنی کوکھ کو کوس رہی تھیں تو لڑکیاں آنسو بہا رہی تھیں۔

”گاڑی نکالو فوراً۔“ چودھری فیروز اور چودھری بخت سمہان اور عیشال کو ہاسپٹل لے جانے کے لیے چیخ رہے تھے۔ گارڈز میں افراتفری پھیل گئی تھی۔

”سمہان...... یہ کیا کیا جہانگیر؟“ چودھری حشمت بے یقینی کی کیفیت میں دیوار سے لگ گئے تھے۔ جہانگیر ان دونوں کے خون سے رنگین وجود پہ قہر بھری نگاہ ڈال کے پہلے کمرے اور پھر حویلی سے نکل گئے تھے۔

❁......❁......❁......❁

”تم...... تم ٹھیک ہو؟ تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے ناں۔“ ہنستا مسکراتا سمہان اس کے سامنے تھا، وہ بے یقینی سے اسے ٹٹول رہی تھی۔

”مجھے کیا ہونا ہے۔“

”وہ پپا نے گولی چلائی ناں تم پر......“ وہ متفکر اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”ہاں تمہارے پپا نے چلائی۔“ اس کے چہرے کا مسکراتا تاثر ایک دم سے سرد ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے ہاتھ رکھتے وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر نفرت بھری نگاہ ڈالتا پلٹ گیا تھا۔

”سمہان......“ وہ شدت سے چلاتی اٹھ بیٹھی۔ اٹھتے ہی تکلیف کا شدید احساس لب بھینچ لینے پر مجبور کر گیا تھا۔

”عیشال......“ ندا اس کے قریب آ کے اس کا ہاتھ تھام گئی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنے حواس کو بحال کرتے اردگرد نظر ڈال کے سوچنے لگی کہ وہ کہاں ہے۔ سمہان کی نفرت بھری نظر کہاں گئیں۔ بایاں بازو پٹیوں میں بندھا دیکھ کے وہ سارا منظر پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا کہ وہ خواب تھا۔

”شکر ہے تم ہوش میں آئیں۔“

”سمہان کہاں ہے ندا آپی؟ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔“ خود پر سے چادر ہٹا کے وہ بے تابی سے اٹھنے کی کوشش میں ندا کے بازو پکڑ گئی۔

”کہاں جارہی ہو؟ آرام کرو۔“ ندااسے جلدی سے پکڑ کے دوبارہ لٹانے کی کوشش کرنے لگی۔
”بھاڑ میں جائے آرام، مجھے سمہان کے پاس جانا ہے، کہاں ہے وہ۔“ وہ دیوانوں کی طرح اس کے نرغے سے نکلی تھی، باہر موجود شاذمہ اور زرش تک اس کی آواز پہنچی تو وہ بھی ندا کی مدد کو آگئیں۔
”ابھی تم سمہان سے نہیں مل سکتیں۔ سنبھالو خود کو۔“ شاذمہ نے روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے اسے بیڈ پہ بٹھایا۔
”کیوں نہیں مل سکتی اپنے سمہان سے..... کیا ہوا ہے اسے؟“ خوف زدہ ہوکر وہ تینوں کے چہرے باری باری دیکھ رہی تھی۔
”وہ زندہ ہے یا نہیں، بس یہ بتاؤ؟“ ان سب کے چہرے اسے معاملے کی سنگینی کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ چہرے پہ بر فیلے تاثرات سپاٹ انداز لیے وہ ان سب کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
”اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹرز زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔“ مزید کچھ چھپانا اس کی خود کی زندگی کو داؤ پہ لگانے کے مترادف تھا اور وہی ہوا اس کے بکھرے وجود میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔
”اسے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔“ وہ ایک بار پھر بضد ہوئی۔
”سمہان ایمرجنسی میں ہے۔ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں ہے۔“
”مجھے اسے دیکھنا ہے ندا آپی..... وہ میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے، میری وجہ سے اذیت میں ہے۔ کتنا روکا تھا اس نے مجھے، کتنا بچانا چاہا تھا مجھے لیکن میں نے اس کا پیچھا لے لیا تھا اور جب وہ میرا ہوگیا تو اسے اس حال میں پہنچادیا۔“ بری طرح روتے وہ ندا کے گلے لگ گئی۔ ندا خود آبدیدہ تھی۔ زرش نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے اس کو تسلی دی۔ کتنی خواہش تھی اسی کی کہ عیشال اس کی بھابی بنے اور وہ بن بھی گئی تھی، ابھی تو اسے سمہان سے بہت سارا لڑنا تھا کہ اس نے اسے اندھیرے میں رکھا لیکن وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا۔
”ویرے کے لیے دعا کرو عیشال۔ اسے کچھ نہ ہو۔“
”اگر سمہان کو کچھ ہوا ناں تو حویلی سے لے کے چودھری جہانگیر کے گھر تک موت کی لکیر کھینچ دوں گی۔ چودھری جہانگیر بھی یادرکھیں گے کہ کس سے پالا پڑا ہے۔ میرا فون کہاں ہے۔“ رونا بھول کے سرد لہجے میں کہتے اسے ایک دم اپنے فون کا یاد آیا۔
”شاید یمنی کے پاس ہو۔“ شاذمہ نے اندازہ لگایا تھا۔

”یس ڈیڈ..... ہم بس ایئرپورٹ کے لیے نکلنے ہی والے ہیں تھوڑی دیر میں۔“ چودھری جہانگیر کی کال دیکھ کے ایشان جاہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔
”کوئی ضرورت نہیں ہے حویلی آنے کی، میں دوپہر تک گھر پہنچ رہا ہوں۔“
”سب خیریت تو ہے ناں ڈیڈ؟“ ان کا غیر معمولی انداز اسے چونکا گیا۔
”سب ختم ہوگیا۔ سارے رشتے ناتے ختم کرکے آرہا ہوں حویلی سے۔“
”لیکن ڈیڈ بات کیا ہوئی ہے؟ بتائیں گے آپ مجھے ٹینشن ہورہی ہے۔“ وہ ان کے انداز سے فکرمند ہوا۔
”گھر آکے بات ہوگی۔“ چودھری جہانگیر اپنی سی کہہ کر فون بند کرگئے تھے، ایشان جاہ کو فکر لگ گئی تھی آخر ایسی کیا بات ہوگئی اور یہ فکر اتنی بڑھی کہ وہ سمہان آفندی کا نمبر ملا گیا۔ اس کے نمبر پہ بیل جارہی تھی لیکن وہ ریسیو نہیں کررہا تھا، اتنا لاپروا تو وہ کبھی نہیں رہا تھا۔

”سب خیر تو ہے یہ سمہان فون کیوں نہیں اٹھا رہا؟“ پریشانی سے ٹہلتے وہ شاہ زرشمعون کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔ اسی لیے سامنے سے صہبا اور زمین ایئرپورٹ جانے کے لیے تیار آرہی تھیں اور ماورا بھی اپنے کمرے سے باہر آگئی تھی۔
”کیا ہوا ایشان، کچھ پریشان لگ رہے ہو؟“ صہبا نے اس کے پیچھے کھڑی ماورا کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے سوال کیا۔
”جی وہ..... ہیلو ویرے شاہ..... حویلی میں کچھ ہوا ہے کیا؟ ڈیڈ بھی واپس آرہے ہیں اور سمہان بھی فون ریسیو نہیں کررہا۔“ اس سے پہلے کہ صہبا کو جواب دیتا شاہ زرشمعون نے کال ریسیو کرلی تھی اور وہ بے ساختہ اپنی پریشانی کا اظہار کرگیا۔ چودھری جہانگیر کے واپس آنے کا سن کے ماں بیٹی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں تو ماورا بھی ایشان کی کال کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔
”ایشان اسپیکر آن کرو۔“ صہبا کی فرمائش پہ وہ اسپیکر آن کرگیا۔
”کیا اب سمہان ایمرجنسی روم سے تمہاری کال ریسیو کرے گا؟ قاتل نے فخریہ انداز میں اقبال جرم نہیں کیا اور تم جلے پہ نمک چھڑکنے کو کال کر بیٹھے۔“ اسپیکر سے آتی شاہ زرشمعون کی خونخوار آواز ایشان جاہ کے ساتھ سب کو حیران کرگئی۔
”یہ آپ کس لہجے میں بات کررہے ہیں ویرے شاہ..... ہوا کیا ہے پلیز کچھ بتائیں گے؟“ وہ عجیب سی صورت حال کا شکار ہوا۔
”ایشان جاہ سننے کا حوصلہ ہے تو سنو..... تمہارے باپ اور ہمارے نام نہاد چچا نے اپنی سگی بیٹی عیشال اور اپنے داماد سمہان پر گولیاں چلا کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، عیشال کو تو بازو میں گولی لگی ہے لیکن سمہان ایمرجنسی میں ہے، ڈاکٹرز غیر مطمئن ہیں اگر حویلی کے جانشین کو کچھ ہوا ناں ایشان تو یاد رکھنا جو گولی حویلی میں راہوں پر چل سکتی ہے، وہ شہر تک کیوں نہیں پہنچ سکتی۔“ شاہ زرشمعون کا نکلا ایک ایک حرف سب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا تھا۔
”ڈیڈ نے سمہان اور عیشال پہ گولی چلائی..... ! لیکن کیوں آپ اپنے خون پہ.....؟“ اس کی دھمکی، لہجے کی نفرت سب بھول کے ایشان حیرت وصدمے سے چیخ اٹھا۔
”سمہان نے عیشال سے نکاح کرلیا ہے اور تمہارے والد محترم دوسری بیٹی سے نکاح کے ارادے سے آئے تھے اور اپنی خودغرضی دکھا گئے۔ بہتر ہوگا تم بھی نیچرل ری ایکٹ کرو، یوں انجان بن کے معصوم نہ بنو، حویلی کے ساتھ دشمنی کرنے کی تم باپ بیٹوں کی پرانی عادت ہے، باپ نے جو بیج بویا اس کا پھل ابھی حویلی کی عورتیں کاٹ ہی رہی تھیں کہ تم نے حویلی کی قابل نفریت عورت کی بیٹی سے نکاح کرکے سونے پہ سہاگا کردیا۔ کیا اپنی پسند سے شادی کا حق چودھری جہانگیر اور ان کی اولاد پر جائز ہے، حویلی والے کیا ان کا بھگتان بھگتنے کے لیے بیٹھے رہیں۔“ رشتوں کا مان، مروت، احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ کل تک جہانگیر چچا کہلانے والے آج صرف چودھری جہانگیر بن گئے تھے۔
اپنی کہہ کر شاہ زرشمعون نے فون بند کردیا تھا۔ ایشان جاہ ایک دم سے سناٹے میں آگیا تھا، باقی سب بھی اسی حالت کا شکار تھے۔ حویلی کی قابل نفرت عورت سن کے ماورا ایجیؔ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔
”ڈیڈ نے عیشال اور سمہان پہ گولی چلائی، صرف اس لیے کہ سمہان نے عیشال سے نکاح کرلیا اور ڈیڈ زمین کے لیے سمہان کو داماد بنانا چاہتے تھے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا، نکاح عیشال سے ہوتا یا زمین سے، داماد تو وہ ان کا ہی کہلاتا پھر انہوں نے خونی رشتوں کے ساتھ اتنی سفاکیت کا مظاہرہ کیوں کیا؟ آئی کانٹ بلیو دس.....“ بے یقینی سے بڑبڑاتے وہ صوفے پہ بیٹھ گیا۔

”اور یہ حویلی کی قابل نفریت عورت کون ہے جس کی بیٹی سے میں نے......“ ذہن میں آئے خیالات کو لفظوں میں ڈھالتے اس کی نگاہ ماورا یحییٰ کی طرف اٹھی۔ وہ بے ساختہ نگاہ پھیر گئی۔

”یہ ہے کیا...... یہ سب، میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا۔“ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام گیا۔ صہبا کو بھی معاملہ کچھ اور لگ رہا تھا، ایشان کا جھٹ پٹ نکاح اور اب اس کی ماں کا حویلی سے تعلق نکل آنا ان کے لیے بہت سارے سوالات کو جنم دے گیا تھا۔

”تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو۔ اچھا ہوا جو ڈیڈ نے دونوں کو جان سے مارنے کی کوشش کی، میں ہوتی تو میں بھی یہی کرتی لیکن اتنی گولی مارتی کہ کوئی زندہ نہ بچتا۔“ سب سے پہلے نرمین کا نفرت بھرا اظہار سامنے آیا۔

”شٹ اپ نرمین...... اسی نفرت کے بیچ آج وہ سب کچھ ہو گیا جو کسی صورت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے ڈیڈ سے ایسے عمل کی قطعاً امید نہیں تھی۔ وہ اتنی سفاکیت کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ کیا کیا انہوں نے عیشال اور سمہان پہ گولی چلائی۔ یقین آئے بھی تو کس طرح۔ اف میرے اللہ......“ وہ خود کلامی کے ساتھ خود اذیتی کا شکار بھی ہو رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

”چچی جان سمہان......“ سب آئی سی یو کے باہر نزع کی حالت میں تھے۔ سب کی سوالیہ نظریں ہر آتے جاتے ڈاکٹر، نرس پہ اٹھ رہی تھیں کہ شاید وہ آ کے کوئی امید افزا خبر سنائیں۔

شاہ زرشمعون دیوار سے سر ٹکائے کھڑا تھا۔ چودھری بخت، چودھری حشمت، چھوٹے بھائی کو حوصلہ دے رہے تھے۔ چودھری اسفند مرد ہونے کے باوجود بیٹے کی تکلیف پہ آبدیدہ تھے۔ زمرد بیگم کو سب ساتھ لانے میں تعامل کر رہے تھے کیونکہ چودھری حشمت حویلی میں تھے۔ نہ انہوں نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی نہ سب نے افراتفری میں اصرار کیا تھا۔ فائزہ اور دیا زمرد بیگم کے پاس بیٹھی فریال کو دلاسا دے رہی تھیں۔ ایسے میں عیشال بھی ندا اور زرش کے سہارے چلی آئی تو فریال اسے گلے لگا کہ زار و قطار رو پڑیں۔

”کہا بھی تھا اس سے حویلی سے دور چلا جائے، تمہارے ساتھ کہیں بھی زندگی کی شروعات کر لے لیکن نہیں مانا، ہر بار یہی کہتا رہا، اپنوں سے بھاگ کے جاؤں گا بھی تو کہاں، اپنوں سے کیوں بھاگوں اور دیکھ لو، انہی اپنوں نے کیسے اسے موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ میرا بیٹا بزدل نہیں ہے، چاہتا تو تمہارے باپ کے سینے میں بھی گولی اتار دیتا لیکن وہ محبت کرنے والا نفرت کے لپیٹے میں آ گیا، اسے اتنا خوش میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تمہارے ساتھ بہت سارا جینا چاہتا تھا عیشال لیکن دیکھو تمہارے باپ نے کیا کیا سمہان کے ساتھ۔“ فریال بین کر کے رو رہی تھیں۔ سب کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ شنائیہ ہک دک رہ گئی تھی۔ اتنی گھٹن تو اسے کبھی حویلی میں سانس لینے پہ نہیں ہوئی تھی جتنی یہ سب دیکھ لینے کے بعد ہو رہی تھی۔

”اتنی درندگی...... جہانگیر چچا اپنے کہلانے کے بھی لائق نہیں رہے، سمہان تو چلو بھتیجا تھا، ان کی منتخب کردہ بیٹی کو چھوڑ کر دوسری بیٹی سے نکاح کر گیا۔ سگی بیٹی پہ گولی چلاتے ان کے ہاتھ نہیں کانپے۔ سارے مناظر آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی مجھے یقین نہیں آ رہا، اپنے تو جان لٹا دیتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہم ایسے اپنوں کے درمیان ہیں جو کب ہماری جان لے لیں کچھ پتا نہیں۔ یہ حویلی ہے یا زندان شاہ۔“ سفید آنچل اوڑھے ندا روتی ہوئی شاہ زرشمعون سے سوال کر رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے اپنے شانے سے لگا گیا۔ سوالات تو اس کے اندر بھی اٹھ رہے تھے۔

”داجان یہاں کیوں نہیں ہیں؟ انہوں نے چودھری جہانگیر کو اتنی آسانی سے کیوں جانے دیا؟“ لیکن جواب کا وقت

شاید ابھی نہیں آیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

”باپ ہونے کا فرض تو آپ نے کبھی ادا نہیں کیا، شکر ہے کہ دشمن ہونے کا حق ادا کرتے آپ نے آج اس نام نہاد رشتے کو بھی ہمارے بیچ سے مٹا دیا۔ چودھری جہانگیر، آپ کی بدقسمتی کہیے کہ آپ کی گولی لگنے کے بعد بھی میں زندہ ہوں اور انتظار کیجیے اس وقت کا جب میں اپنا تعارف کراتے آپ کے خلاف تھانے جاؤں گی تو آپ کی نام نہاد پوسٹ کے ہوتے آپ کے غرور و تکبر اور فرعونیت کے وہ بخیے ادھیڑوں گی کہ آپ جیسے مرد اولاد تو مانگیں گے لیکن ان کی دعا ہو گی کہ کبھی عیشال جیسی اولاد آپ جیسوں کے گھر پیدا نہ ہو، دوسرں کا پیچھا کرنے والے کا جب کوئی دوسرا پیچھا لے لیتا ہے تو اسے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ اب بس دعا کیجیے کہ میرے سمہان کو کچھ نہ ہو، ورنہ آپ کے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ آپ کی سوچ سے کہیں بڑھ کر ہی ہو گا۔“ وہ راستے میں ہی تھے۔ جب اجنبی نمبر سے آتی کال پک کر گئے نہ تو انہوں نے کبھی عیشال کا نمبر محفوظ رکھنے کی زحمت کی تھی، نہ عیشال کو پتا تھا کہ خانہ پری کے لیے باپ کا رکھا نمبر وہ کبھی یوں استعمال میں لائے گی۔ کال ریسیو کرتے ہی عیشال کا خونخوار لہجہ بتا رہا تھا کہ تقدس کی دیوار تو کہیں دور گری تھی۔ وہ اس کے لیے پپا سے ہوتے چودھری جہانگیر بن گئے تھے، فقط اجنبی۔ اس کی جرأت پر ان کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

”ساری زندگی ان کاؤنٹر کرنے والے کو اپنا نشانہ خطا ہو جانے پر ہمیشہ افسوس رہے گا۔“ اصلاح یا مکافات عمل جیسے بول کچھ لوگوں کے کام نہیں آتے۔ شاید اللہ نے ایسوں سے ہدایت کی راہ ہی چھین لی ہوتی ہے۔ چودھری جہانگیر کے جملے پر عیشال کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”یہ افسوس اب ساری زندگی آپ کا پیچھا کرے گا۔“

❁......❁......❁......❁

اتنے لوگوں کا جمگھٹا دیکھ کر ڈاکٹرز اور نرس انہیں اسپتال کے رولز سمجھا رہے تھے لیکن سب ان سنی کیے پل پل گن رہے تھے۔

”پپا...... اب تو ڈاکٹر کے دیئے ہوئے ٹائم کی مدت بھی گزر گئی ہے، ویرا نہیں اٹھا۔ ویرے کو کہیں ناں اٹھ کر پھر سے بھاگ، بھاگ کے حویلی کے کام انجام دے، ایسے نہ کرے ہمارے ساتھ میرا اتنا پیارا ویرا ہے وہ تو اسے اٹھنے کو کہیں پپا۔“ زرش چودھری اسفند سے لگی سسک رہی تھی۔ زمرد بیگم کئی گھنٹوں سے مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں تو سب ہی کے لب دعائیہ انداز میں ہل رہے تھے۔ عیشال دیوار سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔

ایسے میں ڈاکٹر کہیں سے برآمد ہوا۔ سب اس کی طرف لپکے اور سب کے بڑھتے قدم زمین میں جم سے گئے تھے۔

”سوری...... ہی از نو مور......“

”سمہان......!“ خوف ناک چیخ کے ساتھ ہی عیشال کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

www.naeyufaq.com

محبت کا ڈراپ سین

روبی مریم حمید

''ایسا کیوں ہوا میرے ساتھ...... آخر کیوں؟ اے اللہ کیا کروں میں۔ کیا ہے یہ محبت...... جو چاروں شانے چت کردیتی ہے، بہت بے خبری میں کچھ اس طرح کہ لاکھ اس سے بچنا چاہو، منہ موڑنا چاہو مگر کچھ بھی ممکن نہیں رہتا۔ کوئی شخصیت بالکل اچانک چپکے سے دل میں در آتی اور پھر اس کے تصور سے چھٹکارا پانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جو چیز ہمیں بلا مانگے مل جاتی ہے اسے پا کر خوشی نہیں ہوتی اور جو چیز پسند ہوتی ہے اور ہم اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں کر پاتے اور ہمارا دل حاصل پر رب کا شکر گزار نہیں ہوتا مگر لاحاصل پر رب سے شکوہ ضرور کرتا ہے اور اسے پانے کے لیے بے قرار ہوجاتا ہے۔'' کتنی دیر سے وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی ٹھاٹھے مارتے سمندر کا دلفریب اور پُرفسوں نظارا کرتے ہوئے بے اختیار و بلا ارادہ ہی اسے سوچ رہی تھی۔

''کاش کہ میں نے یونیورسٹی میں داخلہ نہ لیا ہوتا یا پھر اسد وہاں نہ ہوتا یا پھر صرف اس کا ڈپارٹمنٹ ہی دوسرا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا کم از کم میں اس سے اتنا زیادہ متاثر تو نہ ہوتی۔''

''صرف متاثر......!'' اندر کہیں سے طنزیہ آواز آئی، کمرے کی دیوار گیر کھڑی کی آواز رات کے سناٹے میں گونجی رہی تھی۔ ایک بج چکا تھا وہ اضطراری انداز میں کمرے میں آئی۔ بالکونی میں کھلنے والا دروازہ اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ساحل سمندر سے آتی سبک رو ہوائیں بہت فرحت انگیز تھیں مگر اس وقت وہ یہ سب محسوس نہیں کرسکتی تھی۔ کمرے میں آکر وہ بیڈ پر گری گئی اور تکیے پر سر رکھے وہ بآواز رونے لگی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یوں زندگی کی راہ میں ٹکرانے والا بندہ اسے اس حد تک متاثر کر جائے گا کہ وہ بے اختیار ہوجائے گی۔ کتنا چاہا تھا اس نے...... کتنی کوشش کی تھی کہ اسے نہ سوچے، ذہن سے جھٹک دے، اپنے خیالوں سے باہر نکال پھینکے، کوئی اہمیت نہ دے مگر سب بے سود تھا۔

❁......❁......❁......❁

وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی، سب سے چھوٹی اولاد اور چار بھائیوں کی لاڈلی بہن تھی۔ ان سب کی اس میں جان تھی وہ اپنے والدین کے آنگن میں گلاب کی مانند کھلی تھی تو جیسے سارا گھر اس خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔ سب کے لاڈ پیار کا نتیجہ تھا کہ زندگی اس کی نظر میں محض پھولوں کی سیج تھی۔ وہ زندگی میں پیش آنے والی کٹھنائیوں اور پیچیدگیوں سے قطعی بے نیاز تھی اور ہر بات، ہر کام، ہر چیز کو بہت سہل سمجھتی تھی۔ زندگی اس کے نزدیک صرف اور صرف موج مستی کا دوسرا نام تھا۔ اس کے لیے غم، اداسی، آنسو اور بے رونقی جیسی ناخوش کرنے والی کوئی بات نہیں تھی مگر ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اکلوتی یا لاڈلی ہونے کے سبب اس کی تربیت میں کوئی بگاڑ تھا یا شخصیت میں کوئی جھول وہ حد سے زیادہ حساس اور نرم دل کی مالک تھی۔ خوش رہو اور خوش رہنے دو کے مقولے پر عمل کرنے والی۔ ایک ماہ پہلے تک سب کچھ ٹھیک تھا اس کی منگنی ابو کے دوست کے بیٹے یُسال سے ہوگئی تھی۔ وہ اس سے کبھی نہیں ملی تھی نہ کوئی تصویر دیکھی تھی۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ اس دن وہ کالج سے تھکی ہاری گھر واپس آئی تو امی نے بتایا کہ ابو کے دوست ضیاء انکل آئے ہیں۔ پہلے جا کر سلام کر آؤ، وہ بچپن میں دو تین بار ان سے مل چکی تھی مگر اس بار وہ کافی عرصہ بعد آئے تھے۔ سو بیگ وہیں لاؤنج میں رکھ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''السلام علیکم! انکل۔''

''وعلیکم السلام بیٹی، جیتی رہو۔ ماشاء اللہ میری بیٹی اتنی

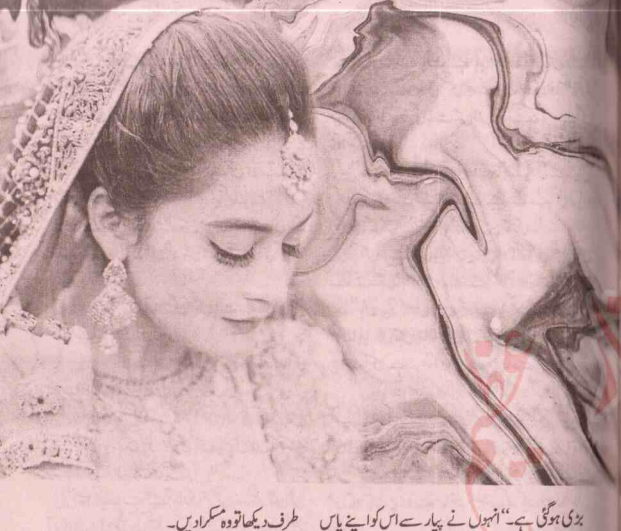

بڑی ہوگئی ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کو اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

''ہاں...... یار دیکھ لو وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے۔'' ابو نے کہا تھا۔ پھر وہ اس سے پوچھنے لگے کہ کون سے ''سال'' میں ہے میری بیٹی تو اس نے بتایا تھا۔

''تھرڈ ایئر میں انکل......''

''اوہ اچھا بھئی بہت خوب۔'' انہوں نے ستائشی انداز میں کہا تھا پھر وہ ان سے معذرت کرتی باہر آگئی تھی۔

یونیفارم بدل کر آئی تو امی کو میز پر کھانا لگاتے دیکھ کر ان کی مدد کرنے لگی۔ اندر ڈرائنگ روم سے دونوں کی باتیں کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''یار تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟ جو تم نے کبھی مجھ سے کیا تھا کہ ''ہالہ'' میرے یُسال کی امانت ہے تمہارے پاس......'' اس نے چونک کر سوالیہ نگاہوں سے امی کی طرف دیکھا تو وہ مسکرادیں۔

''ہاں...... بھئی یاد ہے مجھے تم جب چاہو اپنی امانت ہم سے لے جاسکتے ہو۔''

''نہیں ابھی فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ویسے بھی دونوں ابھی زیر تعلیم ہیں۔ ہاں مگر میری ایک چھوٹی سی خواہش ہے اگر تم اجازت دو تو میں ''ہالہ'' کو یُسال کے نام کی ایک رنگ پہنادوں؟''

''ارے اس میں اجازت کی کیا بات ہے یار؟ جب دل چاہے اپنی خوشی، اپنی خواہش پوری کرلو۔''

''بہت شکریہ یار تم نے میرا مان بڑھادیا۔''

''تم کچھ زیادہ فارمل نہیں ہورہے۔ کیا ہماری دوستی میں لفظ ''شکریہ'' کی گنجائش نکلتی ہے۔'' دونوں کی بہت مان، ناز، اعتبار و اعتماد والی دوستی تھی۔

''ویسے اس بار کافی سالوں کے بعد تم نے شہر کا رخ کیا ہے...... کیوں؟''

''بس تمہاری بھابی کے انتقال کے بعد تو میں زمینوں اور پانی کے جھگڑوں، رشتوں، ناطوں کے اختلافات مٹانے میں پھنسا ہوا تھا۔ سب کچھ بھول بیٹھا تھا میں ذمہ داریوں میں الجھ کر......''

''ہاں یار یہ زندگی کے جھمیلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ویسے یُسال آج کل ہے کہاں......اور کیا کر رہا ہے؟''

''یہیں شہر والے بنگلے میں ہوتا ہے۔ پڑھائی کے سلسلے میں...... ابھی میں شہر میں ہوں تو وہ گاؤں گیا ہوا ہے۔''

''اوہ اچھا...... یہ تو اور بھی اچھی بات ہے میں مل سکتا ہوں اب اسے کبھی بھی۔''

''ہاں...... جب دل چاہے یار اور چاہو تو ابھی میرے ساتھ چلو۔'' انہوں نے پیشکش کی۔

''گھر وغیرہ دیکھ لو۔''

''نہیں یار ایسی کوئی جلدی نہیں ہے مل لوں گا آرام سے صاحب زادے سے۔''

''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... مگر میں کل آ رہا ہوں اپنی خوشی کی تکمیل کے لیے۔'' انہوں نے اٹھتے وقت ایک بار پھر یاد دہانی کرائی تھی پھر دوسرے دن ہی انکل ضیاء نے اسے یُسال کے نام کی انگوٹھی پہنادی تھی۔ سب اس سنجوگ پر بہت خوش تھے۔

ضیاء انکل ابو کے اسکول کے زمانے سے دوست تھے۔ ان کا تعلق زمیندار فیملی سے تھا۔ شہر میں بھی ایک گھر لے رکھا تھا مگر زیادہ تر گاؤں میں ہی رہتے تھے یہاں گھر کی دیکھ بھال کے لیے دو ملازم رکھے ہوئے تھے۔ جب شہر آنا ہوتا تھا تو وہیں قیام کرتے تھے۔ یُسال ان کا اکلوتا بیٹا تھا اپنی بیگم کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ انہیں اپنے بیٹے سے بہت زیادہ پیار تھا۔ اپنی زندگی انہوں نے اس کے لیے وقف کردی تھی یہ تمام باتیں اسے اپنی امی اور بھائیوں کے ذریعے پتا چلی تھیں۔

❀......❀......❀......❀

''کتنی عجیب بات ہے بابا موجودہ دور میں رہتے ہوئے آپ نے میری منگنی جھٹ پٹ کردی اور منگیتر کو دیکھنا یا جاننا تو دور کی بات میں اس محترمہ کے نام سے بھی ناواقف ہوں۔''

''ہاں بیٹا ہوئی تو یہ تمہارے ساتھ زیادتی ہے پر کیا کروں کہ وہ مجھے اپنے پیارے بیٹے کے لیے اتنی زیادہ اچھی لگی کہ میں نے فوراً اسے انگوٹھی پہنادی۔''

''بس رہنے دیں بابا اگر ایسا ہی ہوتا تو آپ تصویر ہی لے آتے میں کم از کم صورت سے آشنا تو ہو جاتا۔''

''ہاں یہ تو بھول ہوئی مجھ سے یار مگر میں ہوں ناں تمہارا بابا...... میں بتاتا ہوں کہ وہ کیسی ہے؟ بیٹا وہ بالکل گلاب جیسی ہے......'' انہوں نے جیسے اسے بہلایا۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا......'' وہ منہ پھلا کر بولا۔ ''یہ تو آپ کی نظر کی بات ہے ناں میری نظر تو......'' اچانک اس کی نظریں بابا کی طرف اٹھیں جو بہت معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے اس طرح دیکھنے پر وہ بے ساختہ جھینپ کر یک دم خاموش ہوگیا۔

''اوکے بیٹا جانی...... اب جاؤں گا تو تصویر لیتا آؤں گا۔''

''نہیں میں بھی چلوں گا ساتھ۔'' اس نے فوراً کہا۔

''اچھا یار چلے چلنا۔ لگتا ہے تمہیں اپنے بابا پر بالکل اعتبار نہیں۔'' وہ جیسے کچھ مایوس سے ہوئے۔

''اوہ...... مائی سوئیٹ بابا جانی مجھے آپ پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے۔ آپ جب سے وہاں سے آئے ہیں ناں تو مسکراہٹ لگتا ہے آپ کے ہونٹوں سے چپک کر رہ گئی ہے۔ اسی لیے بس دل چاہا تھا کہ آپ کو تھوڑا سا تنگ کروں ورنہ میں جانتا ہوں کہ میرے بابا کی پسند لاجواب ہوگی۔''

''اچھا یہ بات ہے...... شریر کہیں کا۔'' انہوں نے اس کا کان پکڑا تو وہ ہنستے ہوئے ان کے گلے لگ گیا۔

''اس کا نام ''ہالہ'' ہے یُسال۔ جب وہ پیدا ہوئی تو

سب سے پہلے میری ہی گود میں آئی تھی۔ اپنے نام کی ہو بہو تصویر ہے۔ میں نے اسے دیکھتے ہی تمہارے لیے مانگ لیا تھا۔ تم ملو گے ناں اس سے تو تمہیں اپنے لیے بابا کی پسند پر ناز ہوگا۔'' وہ اس کے شانے کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے بولے۔

''ہالہ۔'' نام سن کر اس نے اپنے تصور میں بہت خوبصورت پیکر تراشا تھا۔ ''یقیناً کچھ تو ہوگا اس میں ایسا کہ جو بابا نے اسے میرے لیے پسند کیا ہے۔'' وہ سرور سا سوچنے لگا۔ دل اسے دیکھنے کو مچل رہا تھا مگر بابا کے اگلے چکر تک اسے صبر کرنا تھا۔ اس بار وہ ویک اینڈ گزارنے گاؤں آیا تو بابا شہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ دوبارہ واپس شہر جانے کو دل نہ چاہا تھا اور وہ اکیلے یہ معرکہ سر کر آئے تھے۔ اسے دل سے ان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا وہ بالکل مطمئن تھا مگر اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا۔

❀......❀......❀......❀

''آجاؤ...... ہالہ اور کتنی دیر لگے گی بھئی؟'' وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی جب ہی فرحان بھائی کی آواز سنائی دی۔

''جلدی کرو تمہارے چکر میں کہیں مجھے آفس سے دیر نہ ہو جائے۔''

''بس پانچ منٹ بھائی...... ابھی آئی۔'' وہ جلدی سے فائل اٹھاتی بیگ کاندھے پر رکھتی کمرے سے باہر آ گئی۔ آج اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی۔ جب ہی ابو نے فرحان بھائی کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ آفس جاتے ہوئے اسے یونیورسٹی گیٹ تک چھوڑتے جائیں جبکہ واپس لانا بھی فرحان بھائی کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ سو اب فرحان بھائی کرسی پر بیٹھے اس کے منتظر تھے۔

''اتنی دیر بھئی......'' انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

''سوری بھائی بس......'' ابھی وہ کچھ اور کہتی کہ امی بول پڑیں۔

''جلدی ناشتہ کرو۔''

''امی بالکل بھی بھوک نہیں ہے ویسے بھی دیر ہو رہی ہے میں وہیں کینٹین میں کچھ کھالوں گی۔''

''کوئی ضرورت نہیں اس طرح جانے کی...... آرام سے ناشتہ کرو پہلے۔'' امی کے کہنے پر فرحان بھائی بولے۔

''امی فی الحال اسے دودھ کا گلاس دے دیں ہمیں واقعی دیر ہو رہی ہے۔'' پھر اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود انہوں نے گلاس اس کے منہ سے لگا دیا تو ناچار اس نے بڑے بڑے گھونٹ بھر کر منہ بنا کر دودھ ختم کیا اور پھر انہیں سلام کرتی فرحان بھائی کے ساتھ بائیک پہ بیٹھ کر یونیورسٹی روانہ ہوگئی تھی۔

سارے راستے فرحان بھائی اسے دیر ہو جانے پر سرزنش کرتے رہے تھے اور وہ شرمندہ ہوتی رہی کہ اس کی وجہ سے فرحان بھائی کو بھی دیر ہوگئی ہے۔ فرحان بھائی اس کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

''ایکسکیوزمی۔'' سریلی مدھری آواز پر اسد نے مڑ کر دیکھا اور جیسے منجمد ہو گیا تھا۔ وائٹ شلوار پر پرنٹڈ کاٹن کی قمیص اور دوپٹہ اوڑھے خوب صورت براؤن غزالی آنکھیں، سپید رنگت اور دوپٹے کی اوٹ سے جھانکتے لمبے کالے بال جو شاید کیچر میں مقید تھے۔ اسے دیکھتے ہی کسی موم کی نرم و نازک گڑیا کا گمان ہوا تھا۔ ایک لمحہ میں اس کی شرارتی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''جی فرمائیے۔'' مہذب انداز میں دریافت کیا۔

''آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ انگلش ڈپارٹمنٹ کس طرف ہے؟'' اس کا سوال سن کر اسے بے ساختہ ہنسی آئی جسے اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔

''بس آپ یہاں سے رائٹ ٹرن لیں سامنے ہی انگلش ڈپارٹمنٹ ہے۔'' وہ اس کی بات سن کر نہایت بد اخلاقی سے بغیر شکریہ ادا کیے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ وہاں کھڑا اپنے گروپ کے دوستوں ندیم، مسعود اور زین کا منتظر تھا۔

''ہنسی روک رہا تھا بدتمیز...... شاید مجھے اس نے بے

وقوف بنایا ہے۔ کسی اور سے پوچھوں۔" یہ ہی سوچ کر وہ سامنے نظر آتے گروپ کی طرف بڑھ گئی اور اپنا سوال دہرایا۔

"آپ نئی ہیں......؟" کسی نے پوچھا تھا۔

"ظاہر ہے جب ہی تو پوچھ رہی ہوں۔"

"او کے...... او کے یہ سڑک نظر آرہی ہے ناں وہ سامنے والی...... یہ انگلش ڈپارٹمنٹ کی طرف ہی جاتی ہے۔ آپ یہاں سے بائیں ٹرن لیں۔" بتانے والے نے نہایت سنجیدگی سے راہ دکھائی تھی۔

"تھینکس۔" وہ آگے بڑھ گئی۔ کافی سارا راستہ پیدل چل کر جب وہ اس گروپ کے بتائے گئے راستے پر مڑی تو سامنے ہی فزکس کا بڑا سا بورڈ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"افوہ...... میں بے وقوف بن گئی۔" اس نے سوچا اور پھر اسے وہاں کچھ لڑکیوں کا گروپ نظر آیا ان سے پوچھا تو انہوں نے واپسی کا وہی راستہ بتایا جہاں سے چلی تھی۔ ناچار دوبارہ ادھر دوڑی اور پہلے لڑکے کے بتائے ہوئے راستے پر مڑی تو سامنے ہی جلی حروف میں لکھا انگلش ڈپارٹمنٹ کا بورڈ نظر آ گیا۔ اب کہ کوفت سے اس کی بری حالت تھی۔ ٹشو سے ماتھے پر آئے پسینے کو جذب کیا اور دیگر لڑکے، لڑکیوں کے ساتھ کلاس روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

"چھوٹے صاحب کوئی بلال صاحب آئے ہیں آپ کا پوچھ رہے ہیں۔" ملازم نے اطلاع دی۔

"بلال......" اس نے زیر لب نام دہرایا تو ذہن میں جھماکا ہوا۔

"اوہ...... تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتا ہوں۔" اس نے اٹھ کر تیزی سے بیڈ پر بکھرے پیپرز سمیٹ کر فائل کیے اور خود پر نظر ڈالی۔ بلیک ٹراؤزر پر وائٹ ٹی شرٹ پہنے رف سے حلیے میں تھا۔ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرا اور ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"ہیلو......" بلال جو صوفے پر بیٹھا ایک میگزین دیکھ رہا تھا آواز سن کر اس کی سمت دیکھا اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو...... یُسال بھائی کیسے ہیں آپ؟"

"فائن...... تم سناؤ؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"بیٹھو یار اور یہ بتاؤ کہ چائے چلے گی یا ٹھنڈا۔"

"ویسے وقت تو بھائی چائے کا ہے۔ باقی آپ کی مرضی۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔ یُسال مسکرا دیا اور ملازم کو آواز دے کر چائے کے لیے کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں تمہاری، کون سے کالج میں ہوتے ہو؟" بلال اسے اپنے اور حارث کے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔

"حارث کو بھی ساتھ لے آتے اس سے بھی مل لیتا۔ انکل اور فرحان بھائی سے تو میری ملاقات ہو چکی ہے۔"

"اچھا رئیلی کب؟"

"ایک دو بار وہ لوگ ملنے آئے تھے۔" اس نے بتایا۔ کچھ دیر دونوں ادھر، ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر بلال جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"اوہ...... وہ کام تو میں بھول ہی گیا جس کے لیے امی نے مجھے بھیجا تھا۔" اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور ایک خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ امی نے دیا تھا کہ آپ تک پہنچا دوں۔" اس نے لفافہ تھام لیا۔

"دراصل آپ کے بابا آئے تھے مگر گھر پر اتفاقاً اس وقت کوئی نہیں تھا تو وہ میسج چھوڑ گئے تھے۔" باتونی بلال نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ تو یہیں ہوتے ہیں تو کبھی آیئے ناں گھر۔" اس نے اخلاقاً کہا۔

"ان شاء اللہ آؤں گا کسی دن۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ اسے اللہ حافظ کہنے گیٹ تک آیا تھا۔ اسے اللہ

حافظ کہہ کر وہ اندر جانے کے لیے مڑا تھا کہ بائیک کی آواز سن کر مڑ کر دیکھا۔ مسعود اور زین تھے ان کو لے کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

"کیا کہیں جا رہے تھے؟"

"نہیں بھئی اس وقت کہاں جانا ہے؟"

"پھر گیٹ پر ہمارے استقبال کے لیے کھڑے تھے؟" مسعود مشکوک انداز میں بولا۔

"کیا مصیبت ہے یار...... ایک مہمان آیا تھا اسے رخصت کر رہا تھا۔" وہ جھنجھلایا۔

"گاؤں سے کوئی آیا تھا کیا؟" زین نے ایک بار پھر اسے زچ کرنا چاہا۔

"نہیں...... بلکہ میرے سالے صاحب یعنی برادران لاء تشریف لائے تھے انہیں رخصت کر رہا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"نہیں بھئی......!" اس کے منہ سے غیر متوقع بات سن کر دونوں اچھل پڑے۔

"یہ حادثہ کب رونما ہوا؟" انہوں نے حیران نظروں سے اسے گھورا۔

"بتانا ضروری ہے کیا؟"

"اچھا دوستوں سے پردہ داری ہے بھئی۔" مسعود نے چھیڑا۔

"اب تم لوگ مارے جاؤ گے میرے ہاتھوں۔" وہ خوفناک مصنوعی غصہ سے ان کی طرف بڑھا تو دونوں نے ڈرنے کی اداکاری کی۔ ان کی طرف بڑھا تو دونوں گھبرا گئے۔

"ویسے آپس کی بات ہے کل تک تو یہ رشتہ داری نہیں تھی یہ ایک دم اچانک......" مسعود نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ بولا۔

"تقریباً ڈھائی سال ہو گئے ہیں اس رشتے کو۔" اس نے بابا کا کارنامہ بتایا۔

"اس صدی کی سب سے انوکھی منگنی ہے یہ کہ نہ تم نے اس کو دیکھا ہے اور نہ اس نے تمہیں۔" زین نے مضحکہ خیز انداز میں تبصرہ کیا۔

"اور فرض کرو اگر وہ بھینگی نکل آئی تو پھر؟" مسعود نے جیسے اسے ڈرایا۔

"ہرگز نہیں...... میرے بابا کی چوائس میرے لیے ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔" اس نے جوس کا گلاس منہ سے لگاتے ہوئے مزے سے کہا۔

"او بابا کے راج دلارے کم از کم بابا سے فرمائش کر کے ایک نظر اسے دیکھ لینا تھا۔" زین نے کہا تو اس کو وہ لفافہ یاد آ گیا۔ جو ابھی، ابھی بلال دے کر گیا تھا۔ دل چاہا کہ ابھی فوراً جا کر دیکھے مگر ان دو بدمعاشوں کی موجودگی میں دل کی اس خواہش کو اس نے بے دردی سے دبا دیا اور ان سے باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔

"او کے اسد کل یونیورسٹی میں ملاقات ہو گی۔" ان کے گھر سے نکلتے ہی وہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا اور تصویر والا لفافہ اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اب کوئی نہیں تھا۔ آنکھیں بند کر کے لفافے سے تصویر نکالی اور آنکھوں کے سامنے لاتے ہوئے دھڑکتے دل اور عرق آلود پیشانی کے ساتھ پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ حیرت کا شدید دھچکا لگا تھا۔ ذہن میں جھماکے ہو رہے تھے لگتا تھا ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی ہو۔

"یہ......! یہ تو وہی ہے......" بے یقینی سے آنکھیں مسلیں تصویر کو اور قریب سے دیکھا اور دل خوشی سے بے ساختہ جھوم اٹھا۔ کیا حسین اتفاق تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کتنے قریب تھے مگر قطعی اجنبی اور ناآشنا۔

"کتنا خوب صورت بندھن ہے ہم دونوں کے درمیان مگر اس کو پتا چل گیا تو......؟" دل میں خدشے نے سر اٹھایا۔

"نہیں ہرگز بھی نہیں...... جب میں کسی کو کچھ بتاؤں گا ہی نہیں تو اس کو کیسے پتا چلے گا۔" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے دل میں پختہ ارادہ کیا۔ اس نے تصور میں اپنے بابا کے خوب صورت انتخاب اور فیصلے کو سراہتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی تصویر سے باتیں کرتے۔ اس کے

تصور کو مجسم نظروں کے سامنے محسوس کرتے ہوئے جیسے وہ اپنی سدھ بدھ کھو گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

آج جب کلاس میں اس پر نظر پڑی تو وہ بہت خاص لگی۔ دل سے بے حد قریب، ایک خوب صورت سی مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی تھی۔ دل میں بہت انوکھے خیالات واحساسات محسوس ہورہے تھے مگر وہ ہنوز بے خبر فائل کھولے کچھ لکھنے میں مصروف تھی مگر اس کی نظروں کے تعاقب میں زین نے اسے اور اس کی مسکراہٹ کو بہت معنی خیز انداز میں دیکھا تھا۔ سر فاروق آج نہیں آئے تھے۔ تمام اسٹوڈنٹس کچھ دیر ان کا انتظار کرتے رہے پھر کلاس سے باہر آگئے۔ ہالہ بھی اپنی کلاس فیلو شیبا کے ساتھ لان میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں کسی شاعری پر بات کررہی تھیں۔ جب یاسر کی ایکسکیوزمی کی آواز پر دونوں نے بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھا۔

''جی فرمایئے۔'' شیبا کے خاموش رہنے پر اس نے پوچھا۔

''مس ہالہ مجھے شیبا سے اکیلے میں کچھ بات کرنا ہے پلیز اگر آپ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''وائے ناٹ......'' کہہ کر وہ پیپرز سمیٹ کر فائل میں لگانے لگی کہ شیبا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ہالہ کہیں نہیں جائے گی اور آپ کی بات کا جواب میں آپ کو دے چکی ہوں مسٹر یاسر۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے خاصے روڈ انداز میں بولی۔

''مگر میں نے آپ کو کہا تھا ناں میں صرف آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' ہالہ ناسمجھی کے انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دور کھڑے اسد نے یہ منظر بہت غور سے دیکھا اور اسے جیسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تو وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

''پھر بات کروں گا تم سے۔'' اس نے شیبا کو دھمکی آمیز انداز میں کہا اور اسد کو اس طرف آتا دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔

''اینی پرابلم مس؟'' اس نے نگاہیں ہالہ پر فوکس کرتے ہوئے شیبا سے پوچھا تو وہ گڑبڑائی۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''شیور......''

''یس......'' کہہ کر وہ ہالہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گئی۔ اسد کی نگاہوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا۔

''کیا ہوا تھا؟'' زین نے پوچھا۔

''مجھے کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔''

''مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔'' مسعود نے کہا تو وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہ کچھ تو ہے...... تم لوگ ذرا یاسر کے بارے میں اس کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں معلوم تو کرو۔''

''خیریت...... اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تمہیں؟ کہیں ہالہ......؟'' ندیم کے منہ سے یہ بات سن کر وہ چونکا پھر قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

''ضروری ہے کہ وجہ ہالہ ہی ہو؟ شیبا بھی تو ہوسکتی ہے؟'' اس کی بات سن کر ندیم کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرا گیا مگر اس نے خود کو فوراً کمپوز کیا اور بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ زین اور مسعود اس کی بات سن کر کچھ خاموش سے ہوگئے تھے۔ کیونکہ وہ کچھ کچھ شیبا کے بارے میں ندیم کے احساسات سے واقفیت رکھتے تھے جبکہ اسد بے خبر تھا۔ اسد کی بات سن کر ندیم اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گیا تھا۔ اسے خود پر بھی غصہ آیا کہ یوں خاموش اور ڈری سہمی محبت کے بجائے اگر وہ شیبا سے اپنی فیلنگ شیئر کردیتا تو اس وقت صورت حال کچھ مختلف ہوتی۔ وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

کچھ دور جا کر ہالہ شیبا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اب بتاؤ کہ یہ یاسر کا کیا چکر ہے؟''

''کچھ نہیں بس ایسے ہی......'' وہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے کچھ الجھن آمیز انداز میں بولی۔

''کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے ورنہ یاسر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''کچھ خاص بات نہیں ہے یار...... بس ایک دن لائبریری میں مڈبھیڑ ہوگئی تھی جب سے ہی پیچھے پڑا ہوا ہے دوستی کرنے کو۔''

''پھر......؟''

''پھر کیا......؟ بھئی میں نے صاف انکار کردیا کہ میں ایک مڈل کلاس لڑکی ہوں اور کسی لڑکے سے دوستی افورڈ نہیں کرسکتی۔ صرف تعلیم حاصل کرنے یہاں آتی ہوں اور بس مگر مان ہی نہیں رہا ہے وہ۔ سمجھ رہا ہے کہ میں پوز دے رہی ہوں۔ لگتا ہے مجھے سر سے اس کی شکایت کرنا پڑے گی کیونکہ یہ اب دھمکیوں پر اتر آیا ہے۔'' اس نے ہالہ کو مطمئن کرنے کی خاطر تفصیل سے بتایا۔

''ہوں تو یہ بات ہے۔'' ہالہ اس کی بات سن کر پُرسوچ انداز میں بولی تو وہ مزید گویا ہوئی۔

''سچ بات تو یہ ہے ہالہ کہ میرا تعلق ایک ایسے طبقے سے ہے جہاں ''بھوک'' ہی سب سے بڑا پرابلم ہے۔'' وہ اس سے بہت تلخ ہورہی تھی۔ ہالہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''کیا ہوگیا شیبا کیسی باتیں کررہی ہو؟''

''سچ کہہ رہی ہوں میں، تم نہیں جانتی ہالہ کے زندگی کے لیے کس قدر کٹھن ہے۔ تمہیں بتاؤں کہ ہم تین بہنیں ہیں اور ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ ابا مزدور آدمی ہیں اور اماں گھریلو ملازمت جو دن رات دوسروں کے کپڑے سیتی ہیں اور اٹھتے بیٹھتے بیٹا نہ ہونے کے غم میں آہیں بھرا کرتی ہیں ایسے میں ابا ہمیں دیکھ کر جیتے ہیں۔ بہت محنتوں اور کوششوں سے میں نے اپنا تعلیمی سلسلہ برقرار رکھا ہے۔ اس میں ابا کے تعاون اور محبت کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ اماں کی لاکھ مخالفتوں کے باوجود انہوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ جب ہی میں یونیورسٹی میں قدم رکھ سکی ہوں۔ اب میرا مقصد یہ ہی کہ انگلش لٹریچر میں ماسٹر کرنے کے بعد کوئی اچھی جاب حاصل کروں تاکہ اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے کچھ کرسکوں مگر میں یہ سب کچھ یاسر کو کیا کسی کو بھی نہیں بتاسکتی۔ تم میری واحد دوست ہو جس سے میں نے اپنے گھریلو حالات شیئر کیے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ کہیں تم مجھے کوئی غلط قسم کی لڑکی مت سمجھو کیونکہ ہمارے معاشرے کا یہ اصول ہے کہ ایسے معاملات میں قصوروار چاہے مرد ہو مگر بدنامی کی سند ہمیشہ ہم بے بس، مجبور اور لاچار لڑکیوں کے ہاتھ میں ہی آتی ہے۔ جو نہ تو یاسر جیسے مردوں کے لیے زبان استعمال کرسکتی ہیں اور نہ ہی ہاتھ کہ دونوں صورتوں میں خمیازہ بھگتنا ہمارے ہی حصے میں آتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے بہت آزردہ ہوگئی تھی۔

''خیر اب ایسا بھی اندھیر نہیں، پھر ہم تعلیم یافتہ لوگ ہیں لیکن اگر یاسر باز نہ آیا تو کیا کروگی؟''

''پھر......؟ پھر ظاہر ہے کہ پڑھائی چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں گی۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''کیونکہ میری بیک پر تو کوئی نہیں سوائے ابا کے جو اس کمینے یاسر سے بھڑ جائے اور ابا اس عمر میں ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ تو نہیں کرسکتے سو......'' وہ مزید کہتے ہوئے رک گئی۔

''اوہ......'' اسے یہ سب سن کر حقیقتاً افسوس ہوا تھا یہ پہلی آگہی تھی ہنستی، کھیلتی، مسکراتی اس کی زندگی میں کہ زندگی کا ایک رخ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے تاسف سے شیبا کو دیکھا جو اب خاموشی سے سامنے لگے درخت کے تنے کو دیکھتے ہوئے نہ معلوم کیا سوچ رہی تھی۔

❀......❀......❀......❀

دو دن سے شیبا یونیورسٹی نہیں آرہی تھی۔ ندیم ازحد پریشان تھا۔ ہالہ اس وقت لائبریری میں بیٹھی کتابیں سامنے پھیلائے نوٹس بنارہی تھی جب ہی زین کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا۔

''ہیلو...... سسٹر کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

''وائے ناٹ۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ ندیم بھی لائبریری میں اس کے پیچھے والی رو میں بیٹھا ہوا تھا جس سے وہ بے خبر تھی۔ آج اتفاق

تھا کہ اسد اور مسعود دونوں ہی نہیں آئے تھے۔ سو ندیم نے سوچا کہ کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔

”ہالہ سسٹر ایکچولی مجھے آپ سے کچھ بات کرنا تھی......“ وہ اٹک، اٹک کر بولا۔

”مجھ سے......؟“ حیران نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”جی...... وہ...... مجھے دراصل شیبا سسٹر کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ وہ دو دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آرہیں؟“ ہالہ سسٹر کے بعد اس کے منہ سے شیبا سسٹر سن کر اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

”آپ کو کوئی کام ہے شیبا سے؟“ کلاس فیلو ہونے کے ناطے شناسائی تو تھی۔

”نہ...... نہیں...... وہ مجھے نہیں ندیم ہے ناں اس کو کچھ کام ہے ان سے۔“ وہ گڑبڑایا۔

”اوہ اچھا...... تو پھر وہ خود کیوں نہیں آئے اس کا پوچھنے؟“ وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

”ڈرتا ہے۔“ وہ زیر لب بڑبڑایا جو ہالہ کی تیز سماعت نے بخوبی سن لیا تھا۔

”کیوں ڈرتے ہیں؟“ اس نے مزے سے پوچھا تو زین کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

”حد ہوتی ہے بے وقوفی کی بھی۔“ اس نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کی۔

”زین بھائی مجھے خود علم نہیں وہ اپنے پرسنلز مجھ سے شیئر نہیں کرتی۔“

”مگر وہ آپ کی دوست تو ہے ناں؟“ اس نے ہمت نہ ہاری۔

”آف کورس میری دوست تو ہے مگر آپ کی تو نہیں ہے ناں۔“ اس نے رسانیت سے کہا اور بکھرے پیپرز سمیٹنے لگی تو زین نے بے چارگی سے ندیم کو دیکھا۔ ندیم اٹھ کر ان کی طرف بڑھا۔

”ارے زین تم یہاں بیٹھے ہو...... میں تمہیں کیفے میں ڈھونڈ رہا تھا۔“ اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ہالہ جو اس کی آواز سن کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی بول پڑیں۔

”مگر یہ تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے انہیں بھیجا شیبا کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے۔“ اس تیکھے انداز میں کہا۔ اس کی بات سن کر ندیم نے زبان دانتوں تلے دبالی پھر سنبھل کر بولا۔

”ہوں...... میں نے ہی بھیجا تھا مگر مجھے یہ علم نہیں تھا کہ آپ یہاں لائبریری میں ہوں گی۔“ اس نے آرام سے اعتراف کیا۔

”آپ شیبا کے لیے کیوں فکر مند ہیں؟“ اس نے پین بیگ میں رکھتے ہوئے کہا اور پھر پیپرز اٹھا کر فائل میں لگانے لگی۔ ندیم نے سوچا کہ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے گنوانا بے وقوفی ہوگی سو سنجیدہ انداز میں بے دھڑک بولا۔

”اس لیے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔“ اس کی بات سن کر وہ چونکی۔ لمحہ بھر کو ہاتھ تھمے اور اس نے بغور اسے دیکھ کر کہا۔

”حالانکہ آپ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔“

”ہاں...... کچھ نہیں جانتا مگر چونکہ وہ آپ کی دوست ہے اس لیے آپ سے اس کے بارے میں جاننے کا خواہش مند ضرور ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سوچ انداز میں اسے دیکھنے لگی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

”کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“

”جی بالکل...... اتنا ہی سچ جتنا کہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ کے ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔“ اس نے جذب کے عالم میں کہا۔

”ٹھیک ہے پھر میں آپ کو اس کے بارے میں ضرور بتاؤں گی۔“ اس نے لمحہ بھر میں فیصلہ کیا۔

”مگر یہ جگہ اس کے لیے نامناسب ہے پھر میرا کام بھی ختم ہوگیا ہے۔“ وہ کتابیں اٹھاتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے جہاں آپ مناسب سمجھیں۔“

”ہم لان میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ آپ چلیں میں آپ کو وہیں ملتی ہوں کچھ دیر میں اور زین بھائی آپ پلیز میرے لیے نہیں بلکہ ہم لوگوں کے لیے کولڈ ڈرنک اور برگر لے آئیں گے پلیز......؟“

”کیوں نہیں۔“ زین اس کی فرمائش سن کر مسکراتے ہوئے لائبریری سے کینٹین کی طرف چلا گیا اور وہ کتاب واپس کرنے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی پھر جب وہ ندیم کے ساتھ لان تک پہنچی تو زین مطلوبہ چیزیں لیے ان کا منتظر تھا۔ وہ لوگ بھی وہیں گھاس پر بیٹھ گئے پھر برگر کھاتے اور کولڈ ڈرنک کے گھونٹ لیتے اس نے دھیرے، دھیرے شیبا کے باری میں جو کچھ اس نے ہالہ کو بتایا تھا تمام باتیں اسے کہہ دیں۔

”اور اس دن یاسر کا کیا معاملہ تھا؟“ ندیم نے پوچھا۔ تو اس نے یاسر کے بارے میں بھی جو کچھ معلوم تھا سب کہہ دیا۔

”اوہ آئی سی تو یہ معاملہ تھا۔ اس یاسر کو تو میں دیکھ لوں تھینکس ہالہ تم نے میرا بہت بڑا پرابلم سولو کر دیا۔ سسٹر، تمہیں یونیورسٹی میں کوئی بھی پرابلم ہو اور آئندہ اگر یاسر کچھ کہے تو پلیز مجھے ضرور بتا دینا۔“ ندیم نے ممنونیت سے کہا تو وہ مسکرادی تھی۔

* * *

شیبا تقریباً ایک ہفتہ بعد یونیورسٹی آئی تھی۔

”خیریت تھی ناں یہ ایک ہفتے کا ناغہ؟“ ہالہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

”بس یار کچھ گھریلو پرابلمز تھے۔ ابا کی طبیعت بھی خراب تھی۔ تم تو ریگولر آرہی تھیں ناں؟“

”ہاں بالکل؟“

”ٹھیک ہے پھر تمام ہفتہ کی کلاسز کے نوٹس کی فوٹو اسٹیٹ دے دینا مجھے۔“

”او کے اور کچھ؟“ وہ خوش دلی سے بولی۔

”نہیں بس یہی کافی ہے۔“ اس نے ممنونیت سے کہا اور کلاس کی طرف بڑھ گئی ہالہ بھی اس کے ہمراہ تھی۔ زین نے اسے آتے دیکھ کر ندیم کو ٹہوکا دیا۔

”تمیز سے رہ دیکھ لیا ہے میں نے۔“ اس نے سرگوشی میں اسے گھر کا۔

شیبا کے لیے بڑی حیران کن بات تھی کہ یاسر نے آج کلاس میں اسے داخل ہوتے دیکھ کر نظر انداز کر دیا تھا اور کئی دنوں تک وہ یہ بات نوٹ کرتی رہی تھی کہ یاسر اب پہلے کی طرح اس کے راستے میں نہیں آتا تھا۔ حالانکہ کئی بار آمنا سامنا بھی ہوا تھا لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔ جہاں وہ دل ہی دل میں حیران تھی وہاں خوش اور مطمئن بھی تھی۔ جبکہ ہالہ دل ہی دل میں اس کی کیفیت و حیرانگی محسوس کر کے بہت محظوظ ہو رہی تھی اور اس کی غیر موجودگی میں کیے گئے اپنے کارنامے پر بہت خوش تھی۔ ہالہ، ندیم اور زین میں خوب دوستی ہوگئی تھی جبکہ شیبا، مسعود اور اسد اس کی وجہ سے بے خبر تھے ندیم نے انہیں وقت سے پہلے کچھ بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔ ان کی دوستی ہی کی وجہ سے وہ تینوں بھی ان کے گروپ میں شامل ہوگئے تھے۔ اس سے قریب ہونے کی، اسد کے دل کی مراد بر آئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بات سے خوب محظوظ ہوتا کہ ہالہ کو جب اس سے اتنے قریبی اور خوب صورت رشتے کا علم ہوگا تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ اگر ابھی پتا ہوتا کہ وہ اس کا منگیتر ہے تو بات کرنا تو دور کی بات وہ اس کے سامنے آنے سے بھی کتراتی، احتراز کرتی مگر اب وہ کتنے مزے سے سب کے درمیان بیٹھی مختلف موضوعات پر بات کرتی تھی۔

* * *

اس دن بھی وہ سب اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اوائل بہار کے دن تھے۔ موسم اپنے جوبن پر تھا۔ ہالہ نے اس دن بے بی پنک رنگ کا سادہ سا کاٹن کا سوٹ اور اس پر خوب صورت نقش و نگار سے مزین ریڈ اور پنک کمبینیشن کا پرنٹڈ دوپٹا لیا ہوا تھا۔ اس دلکش موسم میں وہ خود بھی گلابی موسم کا ایک حصہ لگ

رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی باتیں کرتے اسد کی نظریں بار بار بھٹک کر اس کے ہنستے مسکراتے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ جو ہالہ بھی محسوس کررہی تھی اور کچھ پزل سی بھی ہورہی تھی جب ہی مسعود بولا۔

"اور یار اسد تمہاری ان دیکھی منگیتر کا کیا حال ہے؟" اسد نے بے موقع اس ذکر پر اسے گھور کر دیکھا تو وہ شرارت سے مسکرایا اور بولا۔

"اپ دوستوں سے کیا پردہ داری؟"

"پتا نہیں...... ٹھیک ہی ہوگی۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ اس کی بات سن کر شیبا حیرانگی سے بولی۔

"ان دیکھی منگیتر......! کیا مطلب بھئی؟" ندیم تو جیسے موقع کی تلاش میں تھا۔ بہت آزردہ ہوکر اس نے اس کی منگنی کا نقشہ کچھ ایسے دردناک انداز میں کھینچا کہ سب کو افسردہ کردیا۔ اسد مہر بہ لب دل ہی دل میں اس کی لن ترانیوں سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

"اسد بھائی یہ تو واقعی بہت برا ہوا آپ کے ساتھ۔" شیبا نے تبصرہ کیا مگر ہالہ خاموش بیٹھی رہی کہ بالکل یہی اور اسی طرح تو اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ وہ بھی تاحال اپنے منگیتر سے مکمل طور پر ناواقف تھی۔ یکسر انجان اس کی خاموشی محسوس کرکے مسعود بولا۔

"آئی تھنک کہ یہ ایسی کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہوجاتا ہے ایسا بھی کبھی کبھی اور پھر والدین کا رشتہ تو ایسا ہے کہ ہم ان کی محبتوں پر، ان کے فیصلوں سے انحراف نہیں کرسکتے۔" اسد چمکتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھتے ہوئے سن رہا تھا۔

"نہیں تم غلط سمجھے ہو میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" اس کی بات کے اختتام پر ندیم جلدی سے بولا۔

"میرے کہنے کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اسد کو کم از کم ایک بار اپنی منگیتر کو دیکھ تو لینا چاہیے ناں۔" اس نے اپنا دفاع کیا۔ اس کی بات سن کر ہالہ بولی۔

"یہ تو ان کا پرسنل میٹر ہے یہ خود کیا چاہتے ہیں؟" اس نے بظاہر لاپروائی سے کہا مگر دل میں فوراً یہ سوچ در آئی تھی کہ واقعی یہ حق تو اسے بھی حاصل ہے کہ وہ یُسال کو دیکھے اس کو جانے۔

"کاش میری کوئی بہن ہوتی جس سے میں اپنی فیلنگز شیئر کرسکتی۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔ نہ معلوم وہ کیسا ہوگا؟ اس کے نزدیک میری شخصیت کتنی اہم ہوگی؟ دو سال سے زائد کا عرصہ بیت گیا ہے مگر اس نے آج تک مجھ سے ملنے کی، رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ جب سے یونیورسٹی سے واپس آئی تھی بیڈ پر لیٹی یُسال کو ہی سوچ رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

فرحان بھائی کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تھی امتحانات کے بعد یونیورسٹی آف تھی سوا سے فراغت ہی فراغت تھی اور وہ امی کے ساتھ مل کر بھائی کی شادی کی بھرپور طریقے سے تیاری کررہی تھی۔ کارڈ پر نام لکھے جارہے تھے جب امی ابو سے کہنے لگیں۔

"یُسال کے گاؤں کارڈ دینے ہم دونوں خود جائیں گے۔ بلال کو ساتھ لے لیں گے۔" اس نے خاموشی سے سنا اور دل میں کچھ پُرجوش سی ہوئی کہ شادی پر تو یُسال ضرور آئیں گے۔ آخر اس گھر کے اکلوتے ہونے والے داماد ہیں۔ اس نے سوچا تھا۔ شادی پر اس نے اپنے تمام گروپ فرینڈز کو انوائٹ کیا تھا اور سب نے آنے کا وعدہ بھی کرلیا تھا۔ شادی کے فنکشنز کی مناسبت سے اپنے لیے بہترین ڈریسز تیار کروائے تھے۔ ہر چیز کی میچنگ کے لیے صبح شام بازار کے چکر لگارہی تھی مگر سب تیاری بے سود رہی تھی۔ انکل اکیلے ہی شادی میں شرکت کے لیے آگئے تھے۔ یُسال کی طرف سے معذرت کے ساتھ، اس کے کسی دوست کے فادر کی ڈیتھ ہوگئی تھی گاؤں میں، وہ وہاں مصروف تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ بابا نے اس کو کئی دن پہلے ہی انفارم کردیا تھا اور وہ پُرسوچ انداز میں پوچھنے لگا۔

"بابا کیا میرا جانا بہت ضروری ہے؟" بابا نے حیرانگی سے اس کو دیکھا پھر بولے۔

"بیٹا جی تم اس گھر کے ہونے والے داماد ہو پھر شادی میں تم اسے دیکھ بھی لینا۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولے تو وہ مسکرادیا۔

"دیکھ تو میں چکا ہوں بابا بہت قریب سے......"

"تصویر کی بات اور ہوتی ہے اور حقیقت کی اور۔" وہ ناسمجھی سے بولے۔

"مگر میں حقیقت میں بھی اسے دیکھ چکا ہوں باتیں بھی کرچکا ہوں بس وہ میری حقیقت سے بے خبر ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں بتایا۔

"اچھا...... وہ کیسے؟" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بابا وہ...... وہ دراصل یونیورسٹی میں میری کلاس فیلو ہے۔" اس نے دھماکہ کیا۔ "میں تصویر دیکھتے ہی اسے پہچان گیا تھا اور اس کے نام نے تصدیق کردی تھی کہ یہ وہی ہالہ ہے جسے بابا نے میرے لیے پسند کیا ہے۔"

"مگر ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے تم تو اس سے سینئر ہو۔" انہیں یقین نہیں آیا۔

"اوہ بابا...... آپ وہ سال کیوں فراموش کردیتے ہیں جب اماں کی ڈیتھ کے بعد آپ کی مصروفیات اور میری بیماری کے سبب ضائع ہوگئے تھے۔"

"اوہ...... اچھا ہاں یار واقعی میں بھول جاتا ہوں مگر تم مجھے یہ بات ایک سال کے بعد بتارہے ہو شریر۔" انہوں نے اس کا کان پکڑا۔

"سوری بابا...... بس یونہی......" لفظ گڈمڈ ہوئے۔

"پھر میرا خیال ہے کہ اب ڈراپ سین ہوجانا چاہیے؟" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"نہیں بابا...... ہرگز نہیں، پلیز فائنل ایئر تک بالکل نہیں۔" وہ بے اختیار گھبرا کر بولا۔

"وہ کیوں بھئی؟"

"ابھی تک میں اس کو جتنا جان سکا ہوں میرا اندازہ ہے کہ وہ پھر میرے سائے سے بھی چھپے گی۔ اس لیے اس میں فائنل ایئر کے ایگزامز تک اس بات کو راز رکھنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات سن کر بابا کے فلک شگاف قہقہہ لگایا تو وہ بری طرح جھینپ گیا اور کچھ دیر بعد وہ بولے۔

"مگر ایسا کیسے ممکن ہے؟"

"جیسے ابھی تک ممکن رہا۔" وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

"مگر بیٹا اب شادی کا موقع ہے یہ ان کے گھر کی پہلی خوشی ہے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"پلیز بابا میری خاطر۔ آپ جب جائیں تو میری طرف سے معذرت کے ساتھ کوئی بہانہ کردیں۔ میں خود بھی فون پر آنٹی اور انکل سے معذرت کرلوں گا اور فرحان بھائی کو شادی کی مبارک باد بھی دے دوں گا۔"

"اوکے بیٹا جیسی تمہاری مرضی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

❁......❁......❁......❁

وہ اس وقت سنگار میز کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے رہی تھی۔ مہندی رنگ کی خوب صورت پشواز اور چوڑی دار پاجامے میں جس پر نہایت نفیس سلور کام کیا ہوا تھا اس پر بہت جچ رہا تھا۔ سلور کی نازک سی جیولری اور سینڈل میں اس کا سراپا نمایاں تھا وہ سینڈل کے اسٹریپ لگارہی تھی جب بلال نے آکر بتایا۔

"ہالہ تمہارے فادر ان لاء کی آمد ہوگئی ہے امی کہہ رہی ہیں سب کام چھوڑ کر پہلے انہیں سلام کرنے حاضر ہو۔" وہ لحہ بھر کو رکی پھر پرفیوم اٹھاتے ہوئے خود پر اسپرے کرتے ہوئے پوچھا۔

"بلال کیا وہ بھی آئے ہیں؟"

"اونہہ......" بلال نے سر نفی میں ہلایا اور اس کے نہ آنے کی وجہ بتادی تھی۔ اس نے پرفیوم کی شیشی جھنجلاہٹ میں میز پر پٹخی۔ ساری تیاری بے کار گئی تھی۔ اس کا موڈ خراب ہوگیا تھا مگر بھائی کی خوشی کے لیے اس نے خود کو کمپوز کیا اور کمرے سے باہر آگئی بابا کو سلام کرکے ڈھیروں دعائیں لیں مگر دل بجھ سا گیا تھا یُسال کا فون آیا تھا۔ وہ فرحان بھائی کی بری سوٹ کیس میں

رکھ رہی تھی۔ اس وقت دل سمیت ہر عضو جیسے کان بن گیا تھا۔ وہ شاید امی سے نہ آنے کی معذرت کر رہا تھا۔
امی نے اس کا جواب سن کر کہا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وہ ولیمے میں ضرور شرکت کرے پھر بہت دیر تک فرحان بھائی سے بھی بات کرتا رہا تھا۔ شاید ولیمے میں آ جائے اس نے سوچا مگر اس کا انتظار، انتظار ہی رہا تھا۔ شادی کی تقریب بخیر و خوبی انجام پا گئی تھی۔ شیبا اور ندیم نے شادی میں بھرپور شرکت کی تھی۔ مسعود ولیمے میں آیا تھا مگر زین اور اسد بالکل نہیں آئے تھے نہ معلوم کیوں؟ بابا بھی ہر موقع پر موجود تھے۔ نہیں موجود تھا تو وہ جس کا اس کے دل نے ہر لمحہ، ہر پل شدت سے انتظار کیا تھا۔
ہانیہ بھابی کی آمد سے گھر میں رونق سی ہو گئی تھی۔ اس دوران ہی اس پر عجب انکشاف ہو رہا تھا۔ لاکھ جھٹلانے کے باوجود بھی نامعلوم کیا ہو رہا تھا وہ خود پر پہرے، بٹھائے بٹھائے عاجز آ گئی تھی۔ اسد کی صورت اس کا چہرہ ہر وقت نظروں میں سما رہا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے کھو سی جاتی تھی۔ اس کی شاندار پرسنالٹی، مہذب انداز گفتگو، خوب صورت مسکراہٹ سب جیسے اسے ازبر ہو گیا تھا۔
اپنے دل کی اس کیفیت پر وہ شدید جھنجھلاہٹ کا شکار تھی۔ مزاج چھوٹی سی بات پر بھی بگڑ کر رہ جاتا تھا۔ اپنی اس کیفیت پر وہ خود بھی حیران و پریشان تھی۔ چھٹیاں ختم ہوئیں تو پھر وہی روٹین شروع ہو گئی تھی مگر اس دوران اس کا مزاج بہت بدل گیا تھا۔ وہ خود سے خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ عجیب جھنجھلاہٹ اعصاب پر سوار رہتی تھی۔ گھر بھر اس کی اس کیفیت سے پریشان تھا۔ مزاج میں کافی حد تک سنجیدگی در آئی تھی۔ شوخی و شرارت جو اس کی پہچان تھے مفقود ہو کر رہ گئے تھے۔ بھائیوں کی اس میں جان تھی۔ خصوصاً حارث اور بلال تو اس سے بہت قریب تھے۔ اس کے چہرے پر اداسی کی ہلکی سی رمق بھی انہیں گوارا نہ تھی۔ اس وقت بھی وہ چائے کا کپ تھامے ٹیرس میں بیٹھی تھی جب بلال وہاں آیا۔ اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر بغور اس کا جائزہ لیا۔ اس کے سامنے گود میں کتاب کھلی ہوئی تھی مگر وہ غیر حاضر تھی۔
''ہالہ......'' اس نے آواز دی تو وہ چونکی۔
''ارے بلال تم...... آؤ بیٹھو۔''
''کہاں کھوئی ہوئی تھیں تم؟'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''کہیں نہیں......'' وہ بے ربط انداز میں بولی۔
''ہالہ کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے شیئر کرو پلیز۔''
''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے جھٹلایا۔
''پھر تم اتنی سنجیدہ کیوں ہو گئی ہو؟''
''افوہ پہلے شرارتیں کرتی تھیں جب بھی چین نہیں تھا اور اب میں سنجیدہ ہوتی جا رہی ہوں تو تب بھی تمہیں قرار نہیں ہے۔''
''نہیں وہ تو ہم تمہیں ستانے کے لیے یونہی کہتے تھے...... بس تم ویسے ہی رہا کرو شرارتیں کرتی نٹ، کھٹ بلی کی طرح، کوئی ضرورت نہیں بی اماں کا روپ دھارنے کی۔''
''تم خود ہو گے بلے بلکہ باگڑ بلے......'' اس نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔
''مجھ سے بھی چھپاؤ گی؟'' وہ دوستانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ضبط کی ہزار کوشش کے باوجود اس کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔
''ارے یہ کیا بھئی...... کیا پاگل ہو گئی ہو؟ چلو آنسو پونچھو۔'' اس نے بمشکل اسے چپ کرایا۔
''ہوں اب بتاؤ کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ کس بات کی وجہ سے پریشان ہو اتنا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔
''مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا بلال کہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ جتنا خود کو سمجھاتی ہوں اتنا ہی الجھ جاتی ہوں۔'' وہ بے زاری سے بولی۔ بلال ہکا بکا بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔
''بلال میں یُسال سے ملنا چاہتی ہوں ایک بار اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ کہاں کا دستور ہے کہ بغیر پوچھے بغیر دکھائے میری منگنی کر دی، مجھے اب تک یہی پتا نہیں کہ وہ

ہے کیا چیز۔'' وہ جھنجھلاہٹ آمیز انداز میں بولی تو بلال نے گہری نظری سے اس کا جائزہ لیا پھر بولا۔
''سوئیٹ سسٹر آج سے قبل تمہیں اسے دیکھنے اور ملنے کا خیال کبھی نہیں آیا پھر اب کیوں......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بلا ارادہ رخ موڑ گئی اور بولی۔
''اگر تم یُسال کو مجھے دکھانا نہیں چاہتے تو منع کر دو میں ابو سے کہہ دوں گی کہ مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔''
''پھر کس سے کرنی ہے؟'' اس نے شرارت سے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔
''ڈیئر سسٹر تمہیں کوئی پسند آ گیا ہے کیا؟'' وہ ہنوز شرارتی انداز میں بولا تو وہ گڑبڑائی پھر سنبھل کر بولی۔
''ایسی کوئی بات نہیں مگر مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھے ہو کیا رہا ہے لیکن میں اس سے ملنا چاہتی ہوں، اسے دیکھنا چاہتی ہوں جس کے ساتھ مجھے پوری لائف گزارنی ہے۔'' بلال نے اس کی بات سن کر گہرا سانس لیا۔
''کرتا ہوں کچھ تمہارے لیے۔''
''اور اگر وہ مجھے اچھا نہیں لگا پھر......؟''
''پھر تم مجھے اس کا نام بتانا جو تمہیں اچھا لگنے لگا ہے اور یُسال سے شادی سے انکار کر دینا۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔
''کیا واقعی......! تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کی بات سن کر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔ اپنے اندازے کے درست ہو جانے پر بلال نے خود کو شاباشی دی۔
''گویا کوئی ہے جس کی خاطر ''ہالہ'' اتنی اپ سیٹ ہے۔'' مگر اسے مطمئن کرنے کو اپنے انداز میں بولا۔
''ہاں سچ...... بھئی بالکل سچ ویسے ایک بات بتاؤں۔'' وہ رازداری سے اس کے قریب ہوا۔
''یُسال ہرگز بھی ایسا بندہ نہیں کہ کوئی لڑکی اسے ریجیکٹ کر سکے۔''
''خیر یہ تو انہیں دیکھنے کے بعد ہی پتا لگے گا۔'' وہ مطمئن ہو کر بولی۔ حالانکہ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔
''حارث یار مجھے تجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' بلال کی آواز سن کر اس نے اسے دیکھا۔ وہ شاید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔
''ہاں...... کہو کیا بات ہے؟'' اس نے مصروف انداز میں پوچھا۔
''تم اطمینان سے بیٹھ کر میری بات سنو۔'' اس کی سنجیدگی دیکھ کر حارث اس کے پاس بیٹھ گیا۔
''ہالہ یُسال سے ملنا چاہتی ہے۔'' اس نے اس کو ساری بات سے آگاہ کیا۔
''تو پھر کیا ہوا؟ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ٹھیک چاہتی ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ان کی انگیج منٹ کو مگر یُسال بھائی نے کبھی اس سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش نہیں کی آخر کیوں؟'' حارث دور کی کوڑی لایا تھا۔
''کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس رشتے پر راضی نہ ہوں؟ مگر ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔'' بلال پُرسوچ انداز میں بولا۔
''اصولاً تو پہل یُسال بھائی کو کرنا چاہیے۔'' وہ بہن کی سہیلی کی طرح ہر بات کا تجزیہ کر رہے تھے۔
''ہاں...... مگر امی کہتی ہیں کہ ہمارے گھرانے میں لڑکا، لڑکی انگیج منٹ کے بعد ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔'' بلال نے جیسے اس کی سوچ کی نفی کی۔
''اچھا انگیج منٹ کے بعد نہیں تو کیا پہلے ملیں گے۔'' حارث نے چمک کر کہا۔
''میرا تو خیال ہے کہ یہی پریڈ ہوتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کا، خوبیوں، خامیوں سے آگاہ ہونے کا شادی کے بعد تو صرف گزارا ہوتا ہے۔''
''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے حارث کی بات سے اتفاق کیا۔
''ویسے ہم لوگ تو ملتے ہی رہتے ہیں یُسال بھائی

سے‘شاندار پرسنالٹی ہے ان کی اچھے کردار کے مالک ہیں وہ‘میرا نہیں خیال کہ ہالہ کو ان سے ملنے کے بعد ان سے شادی پر اعتراض ہوگا۔‘‘

’’پھر تمہیں یاد نہیں کہ ہم نے مل کر کس طرح شادی سے پہلے فرحان بھائی اور ہانیہ بھابی کی ملاقات کروائی تھی باہر...... کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوسکی تھی۔‘‘ اس نے یاد دلایا۔

’’افوہ...... ابھی یہ باتیں چھوڑو صرف ہالہ کا جو مسئلہ درپیش ہے اسے سوچو۔‘‘ بلال بولا۔

’’ہوں سوچتا ہوں میں کچھ اس کی خواہش پر یُسال بھائی سے ملانے لے جانا مناسب بات نہیں اور اس صورت میں تو اور بھی نامناسب ہے جبکہ یُسال بھائی کی جانب سے ایسی کوئی خواہش نہیں ہوئی۔‘‘ حارث نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

’’امی، ابو اس ماہ عمرے پر جارہے ہیں۔‘‘ وہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوکر سرگوشیاں کرنے لگے۔

’’آئیڈیا زبردست ہے۔‘‘ بلال نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔

’’ہاں...... اور رسک بھی کوئی نہیں۔ پتا چل جائے گا کہ یُسال بھائی کتنے پانی میں ہیں۔‘‘

’’آخر کو ہالہ میری اکلوتی بہن ہے۔‘‘ حارث نے کہا تو بلال نے تنبیہہ آمیز انداز میں اسے گھورا۔

’’میری نہیں...... ہماری کہو۔‘‘ امی ابو کے روانہ ہوتے ہی انہوں نے اپنے منصوبے کا آغاز کردیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

ہالہ...... دو دن سے یونیورسٹی نہیں آرہی تھی۔ اسد بہت بے چین و پریشان تھا۔ شیبا بھی چھٹیوں کی وجہ سے ناواقف تھی صرف دو دن کی غیر موجودگی اسے دو صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ اس کا یونیورسٹی میں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ ضبط کی حدیں چھوٹنے لگی تھیں جب وہ زین سے مخاطب ہوا۔

’’یار تمہاری بہن یونیورسٹی نہیں آرہی کیوں؟ کچھ پتہ تو کرو۔‘‘ اس نے زین سے کہا۔

’’کیوں اس کے نہ آنے سے تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تم اپنی منگیتر کی فکر رکھو بس۔‘‘ زین نے اسے گھورا اور وہ دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔

’’ہالہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ وہ بلال کے ساتھ بائیک پر آئسکریم کھانے جارہی تھی تب ہی یہ حادثہ پیش آیا سر اور بازو پر پٹیاں باندھی ہیں۔‘‘ زین کی بات وہ خاموش رہ گیا۔ یونیورسٹی سے واپس آیا تو حارث کا فون آگیا۔

’’ہیلو...... کون یُسال بھائی؟‘‘

’’جی بول رہا ہوں...... آپ کون؟‘‘ وہ چونکہ ہالہ کی وجہ سے ذہنی طور پر پریشان تھا۔ اسی لیے فوری طور پر پہچان نہیں سکا۔

’’میں حارث ہوں بھائی...... آپ کا برادران لاء۔‘‘ وہ تھوڑا شرمندہ ہوا۔

’’سوری یار...... میں دراصل......‘‘ اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ ’’کہو کیسے فون کیا...... گھر میں سب خیریت ہے ناں؟‘‘ ہالہ کا نام زبان کی نوک پر روک کر پوچھا۔

’’خیریت ہی تو نہیں......‘‘ حارث نے دکھ سے بوجھل آواز نکالی۔

’’کیوں......! کیا ہوا؟‘‘ اس نے پریشان ہوکر مضطرب سے انداز میں پوچھا۔

’’وہ...... بھائی ہالہ ہے ناں......‘‘ ابھی اس نے یہی کہا تھا کہ وہ بول اٹھا۔

’’کیا ہوا ہالہ کو...... خیریت سے تو ہے ناں وہ؟‘‘ حارث یُسال کو بڑھا چڑھا کر ہالہ کے ایکسیڈنٹ کی تفصیلات بتانے لگا تھا۔ تمام بات سن کر اس کا دل بے چین ہوگیا تھا۔

’’میں ابھی آرہا ہوں اسے دیکھنے۔‘‘ دل کی بے تابیاں سوا ہوگئی تھیں اور وہ بائیک ہوا میں اڑاتا ہالہ کے گھر پہنچ گیا تھا۔

گیٹ پر اس کا استقبال حارث نے ہی کیا تھا۔ وہ کافی سے بھی زیادہ پریشان لگ رہا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ حارث نے اطمینان سے اس کے چہرے اور حالات کا جائزہ لیا اور مطمئن ہوگیا تھا۔ بلال بھی سامنے آگیا تھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی تھی ہاتھ پر بھی پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ حارث اسے لے کر ہالہ کے کمرے میں آگیا۔ وہ بیڈ پر دراز آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

’’ہالہ آنکھیں کھولو دیکھو یُسال بھائی آئے ہیں تم سے ملنے۔‘‘ حارث نے دھیمے سے اسے پکارا۔ آواز سن کر ہالہ نے ایک ہلکی سی کراہ لی اور آنکھیں کھولیں مگر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی جھٹکا کھا کر اٹھ بیٹھی۔

’’اسد......! آپ......؟‘‘ یُسال جو اسے یک دم اٹھتا دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ گڑبڑایا۔ حارث بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

’’آرام سے ہالہ...... تمہیں چوٹ لگی ہے۔‘‘ حارث نے اسے یک دم اٹھنے پر ٹوکا۔

’’کیا تم ان سے واقف ہو؟‘‘

’’حارث یہ...... یہ ہی تو ہیں اسد میرے کلاس فیلو جن کی وجہ سے......‘‘ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور وہ جیسے اس ادھوری بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

’’مگر ہالہ یہ تو یُسال بھائی ہیں تمہارے منگیتر......‘‘

’’ہیں......! کیا کہہ رہے ہو......؟‘‘ وہ ہونق بنی کبھی اسد کو اور کبھی حارث کو دیکھ رہی تھی۔

بلال بھی بھابی کو یسال کی آمد کا بتا کر اور چائے بنانے کا کہہ کر اس کے کمرے میں آگیا تھا مگر اندر کا منظر اس کی پلاننگ سے بہت مختلف تھا۔

’’یُسال بھائی کیا ہے یہ سب......؟‘‘ اس نے الجھ کر پوچھا۔ اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ سو دھیرے دھیرے سب کچھ بتادیا۔

’’میرا پورا نام ’’یُسال اسد‘‘ ہے۔‘‘

’’لو کھودا پہاڑ نکلا شہر۔‘‘ بلال نے بینڈج والے ہاتھ سے یُسال کا کندھا تھپتھپایا تو اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا بلال ہاتھ سے بینڈج اتار کر اس کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔

’’شکریہ ادا کیجئے اپنے ان برادرزان لاء کا...... سب آپ کی خاطر کیا ہے ورنہ محترمہ اسد کی خاطر یُسال کو ہری، جھنڈی دکھانے والی تھیں کہ یُسال کو اس سے کوئی محبت یا لگاؤ نہیں بلکہ وہ اپنے والد کا فیصلہ نبھا رہا ہے جب ہی کبھی اس ملنے کی، اسے جاننے کی کوشش نہیں کی، کبھی ایک فون تک نہیں کیا۔‘‘

’’کیا واقعی......؟‘‘ اسد نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھ کر تصدیق چاہی تو ’’ہالہ‘‘ شرما کر مسکرادی۔ بلال اور حارث ایک دوسرے کو اشارہ کرتے چپکے سے باہر نکل گئے تھے۔

یُسال اسد نے اس کے دودھیا عارض پر جھکی نگاہوں پر لرزتی، کانپتی پلکوں کو دلچسپی سے دیکھا اور بولا۔

’’اگر میں اسد نہ ہوتا تو کیا واقعی تم مجھ سے منگنی توڑ دیتیں؟‘‘ اس نے دھیری سے اس کا ہاتھ تھاما۔

’’جی نہیں......‘‘ وہ ایک دم اس کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

’’میں پھر آپ سے ہی شادی کرتی......‘‘ شوخی سے کہتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

’’ڈراپ سین یُسال اسد کی توقع سے بہت پہلے ہوگیا تھا۔ مگر بہت اچھا ہوا تھا۔‘‘ وہ اس کی بات سن کر سرشاری سے ہنس دیا۔ بابا کا انتخاب اس کے لیے بہت بہت شاندار تھا۔

❁

www.naeyufaq.com

اگر شکوہ نہ ہوتا

عالیہ توصیف

"آج پھر مایوسی...... پھر ذلت جوتیاں گھستے کتنے مہینے ہوچکے ہیں مگر کہیں بات بن ہی نہیں رہی۔" وہ چلتا جارہا تھا اور سوچیں اسے گھیرے ہوئے تھیں' وہ سوچیں جن سے اس کا ایمان خطرے میں پڑنے لگا تھا۔ اس کے والد صاحب جب تک زندہ تھے اسے سمجھاتے رہتے تھے مگر جب سے ان کا سایہ اس کے سر سے اٹھا تھا۔ وہ شکوہ کرنے لگا تھا۔ بہت سے شکوؤں میں ایک شکوہ یہ بھی تھا کہ اللہ نے ہم سے ہمارا باپ اتنا جلدی کیوں چھین لیا۔ دیکھا جائے تو اس کی زندگی شکوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کا قریبی دوست اسد اسے سمجھاتا رہتا، نماز کی تلقین کرتا اس پر کچھ عرصہ اثر ہوتا اور پھر وہ ویسا ہی ہوجاتا تھا۔

وہ آج صبح سے بہت خوش تھا' اس نے اور اس کے دوست اسد نے اس شہر کی سب سے بہترین اور مشہور کمپنی میں ملازمت کی درخواست دی تھی۔ وہ صبح وقت سے پہلے اٹھا اور انٹرویو کے لیے بہت اچھا سا تیار ہوا اپنا سب سے بہترین سوٹ نکالا، جوتوں کو پالش کیا، نہا دھو کر تیار ہوا، اسے یقین تھا یہ نوکری اسے اور اس کے دوست اسد دونوں کو ضرور مل جائے گی کیونکہ اسد بھی اسی جیسے حالات سے گزر رہا تھا اور دونوں ہی بہت قابل تھے۔ اس نے موبائل پر اسد کا جگمگاتا میسج دیکھا۔

"بیسٹ آف لک فرینڈ۔ آئی ایم لیونگ ناؤ ول میٹ ان کمپنی نائن اے ایم۔" اس نے مسرت سے میسج پڑھ کر موبائل جیب میں رکھا اور روانہ ہوگیا۔ وہ بس اسٹاپ کے قریب تھا جب اس کے روٹ کی بس زناٹے سے گزری وہ اسے ہاتھ دیتا رہ گیا مگر بس نہیں رکی تھی، اس کے ساتھ ہی اسی روٹ کی دوسری بس بھی زناٹے سے گزری تھی اب کی بار بس کے پیچھے بھاگا بھی تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا بس میں سوار ہونے کے چکر میں اس نے سڑک کے عین درمیان میں آکر چلتی بس پر چڑھنے کی کوشش کرنا چاہی تھی مگر یہ بس بھی بہت تیز رفتاری سے بغیر رکے گزر گئی تھی۔ اس کو اندازہ تھا کہ اگلی بس کے لیے بہت انتظار کرنا ہوگا۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا مگر بس نہیں آئی۔ اس نے ہاتھ پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا جو بہت تیزی سے گزر رہا تھا اسے ٹھیک نو بجے وہاں پہنچنا تھا مگر بس کے انتظار میں آٹھ بج چکے تھے اور یہاں سے تقریباً ایک گھنٹے کا رستہ تھا۔ اس کا انٹرویو کا وقت ٹھیک ساڑھے نو بجے کا تھا۔ اس نے بس کے انتظار میں وقت ضائع کرنے کے بجائے رکشہ یا ٹیکسی لے کر جانے کا سوچا مگر ٹیکسی کے کرائے کا سوچ کر اسے چکر آگئے لیکن اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اسے دور گلی کا موڑ کاٹتی ٹیکسی نظر آئی۔ اس نے شکر کیا کہ ٹیکسی والا راضی ہوگیا تھا مگر کرایہ اس نے جی جان سے مانگا تھا۔ اس نے ٹیکسی والے کو تیز رفتاری کی ہدایت دی تھی۔

"لعنت ہو...... آج ہی سارے سگنل مجھے بند ملنے تھے۔" اس نے چوتھے سگنل پر ٹیکسی رکنے پر بڑبڑاتے ہوئے غصے سے کہا۔

"صاحب جی...... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں آپ جتنا پڑھا لکھا تو نہیں مگر اللہ کو فت، شکوہ اور بے صبری کو پسند نہیں کرتا۔ برا نا منانا میری بات کا صاحب۔" ٹیکسی والے نے کہا۔

"یہ صبر اور یہ نصیحتیں خالی پیٹ ہضم نہیں ہوتی۔ اللہ بھی انہیں کے ساتھ ہوتا ہے جن کی جیب میں کچھ ہوتا ہے اور......"

"صاحب آپ ایسے نا بولو...... اللہ کو کوئی بھی بات ناپسند ہوسکتی ہے، ایسی باتیں کرنے سے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔" ٹیکسی والے نے اس کے اس سخت جملے پر اسے ٹوکنا مناسب سمجھا۔

"بھائی تمہیں جب خالی ہاتھ اور پیٹ بھاگنا پڑے اور بس نا ملے، انٹرویو کا وقت نکلا جارہا ہو تمہاری ٹیکسی کا میٹر آسمان پر چڑھ رہا ہو۔ گھر کے مسائل منہ پھاڑے کھڑے ہوں پھر کہاں کی نصیحت کہ......"

"صاحب اللہ کے ہر کام میں ہمارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ہم اس کی مصلحت کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ جیسے مسائل ہر انسان کو درکار ہیں مجھ کو بھی ہیں۔ اب میں شکوہ کروں کہ میں پڑھ نہیں سکا آپ تو پھر تعلیم یافتہ ہو۔" ٹیکسی والا ڈرتے ہوئے بولا۔

"بھائی کیا فائدہ ایسی تعلیم کا نہ نوکری' نہ پیسہ، جتنا جیب میں تھا وہ بھی تیری نظر...... لعنت...... لعنت یہ سڑک بھی آج ہی بند ہونی تھی۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ وہ کم بخت بس والا رک جاتا تو یوں خوار نا ہونا پڑتا۔"

"صاحب دوسرا رستہ لے لیتے ہیں آپ ان شاء اللہ وقت پر پہنچ جاؤ گے۔ آپ کی بس نہیں رکی کیا پتا اس میں اللہ کی کتنی خیر ہو آپ کے لیے۔"

"یار تم تیز چلاؤ۔" اس نے اس کی باتوں سے اکتاتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے ایک بار پھر خفگی سے کہا۔

"آج کا دن ہی برا تھا...... اب پھر متبادل راستے کی طرف دوڑ لگائیں......" لوگوں کا جم غفیر جائے حادثہ کو گھیرے کھڑا تھا۔ دو بسوں کے تصادم سے حادثہ پیش آگیا تھا۔ سڑک پر مسافروں کے سامان سمیت خون بکھرا پڑا تھا۔ بسوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ پولیس اور چند ایمبولینس جائے حادثے پر اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ آس پاس کے رستے ٹریفک کے شدید بہاؤ کے سبب بند تھے۔ اسے بھی اپنی ٹیکسی گلیوں سے ہوتے ہوئے، بیرونی سڑک پر لانی پڑی تھی۔

اس نے وقت دیکھا نو بج کر پانچ منٹ ہوگئے تھے۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے انٹرویو کا وقت تھا۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود وقت پر نا پہنچ سکا۔ ٹیکسی والے نے اس سے بہت ہی کم کرایہ لیا تھا۔ اس کا شکوہ اور غصہ اپنے عروج پر تھا۔ وہ بھاگتا ہوا عمارت میں داخل ہوا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا جو نو بج کر پینتالیس منٹ بتا رہے تھے۔ وہ ہانپتا کانپتا مطلوبہ جگہ پہنچا اور اس نے نظر دوڑائی اسے دو امیدوار بیٹھے نظر آئے جو اپنی باری کے انتظار میں تھے۔ ریسیپشن پر پہنچتے ہی دو میں سے ایک امیدوار کا نام پکارا گیا اور وہ اندر چلا گیا۔

"سوری سر...... آپ کی کمپنی کے انٹرویو تو ختم ہوچکے ہیں، یہ کسی اور کمپنی کے انٹرویو ہورہے ہیں۔" لڑکی نے معذرت کرتے ہوئے اسے بتایا۔ اس نے کوئی دس منٹ تک اس سے بحث کی، منتیں کی کہ کوئی صورت نکل آئے مگر سب بے سود۔ وہ دیوار پر مکے برساتا لفٹ کی طرف بڑھا۔

"یار کہاں رہ گیا تھا؟ کب سے انتظار کررہا ہوں تیرا۔ خیر تو ہے سب؟" اسد نے اسے پیچھے سے آواز

دی پھر کیا تھا اس کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور ایک لمبی فہرست شکوؤں، شکائتوں کی اور اسد کے پاس ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کے پاس نصیحتیں۔ صبر کی تلقین، اللہ پر توکل رکھنے کی ہدایت۔ وہ اسی عمارت کے بنے فورڈ کورٹ میں کافی پی رہے تھے۔ جب وہاں لگے بڑی سی ایل ای ڈی پر دو بسوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کی خبر نشر ہوئی تھی۔

''سوچ یار اگر تو ایسی کسی بس میں ہوتا پھر؟ ہم پر اللہ کا خاص کرم ہے۔ اللہ کے کرم اور احسانات پر نظر رکھا کر شکوؤں پر نہیں۔'' اسد نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ اس نے اسد کی طرف بیزاری سے دیکھا۔ اس کا ایک جگہ کل انٹرویو تھا مگر اس کا دل بالکل اچاٹ ہوچکا تھا۔ بڑی مشکل سے اسد نے اس کو راضی کیا وہ چاروناچار اگلے دن پھر ایک دوسری مگر معمولی سی کمپنی میں انٹرویو کے لیے پہنچ گیا۔ چار دن بعد اسد کو اس مشہور کمپنی سے نوکری کی آفر آگئی۔ ایک بار پھر اسے اسد سے حسد محسوس ہوا۔ اسے ایک بار پھر خود پر غصہ اور اللہ سے شکوہ ہوا مگر اسد اس کا دوست تھا اس نے بہت بے دلی سے اسے مبارک باد دی تھی۔

اگلے تین دن بعد اسے بھی اس نئی کمپنی سے نوکری کی پیش کش آگئی مگر سب رعایات، تنخواہ اسد سے بہت کم تھی۔ اسے رہ رہ کر اس دن پر غصہ آنے لگا۔ اس کا دل اس بس ڈرائیور کو برا بھلا کہتے نہیں تھکتا تھا جس نے بس نا روکی۔ اس نے اسد کے انتظار میں وقت گزاری کے لیے ڈھابے کی میز پر رکھا اخبار اٹھا کر دیکھنا شروع کردیا۔ وہ ایک خبر اور تصویر دیکھ کر چونکا۔ ہفتہ پرانا اخبار جس پر بہت سے چائے کے کپ کے نشان جابجا تھے مگر اس پر بھی اسے اس بس ڈرائیور اور بس کا نمبر دیکھنے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی۔

وہ اس کے روٹ کی ہی بس تھی جس میں وہ اکثر ہی سفر کرتا تھا اور اس بس کے ڈرائیور کو بھی جانتا تھا۔ اس کے روٹ کی بس نمبر اور ڈرائیور کی تصویر کے ساتھ تفصیلی خبر جس میں تیز رفتاری کے باعث حادثہ پیش آیا ڈرائیور سمیت بہت سے مسافر موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ یہ وہی بس تھی جس کو اس نے ہاتھ سے روکنا چاہا تھا مگر وہ فراٹے بھرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس سے پہلے کے وہ غور وفکر کے گھوڑے دوڑاتا اسد آ گیا تھا۔ انہوں نے چائے پی گپ شپ لگائی اور گھر کی راہ لی۔

وقت گزرنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے شکوے بھی کم تنخواہ، خرچے گزارا اور بہت کچھ۔ چھ مہینے کے عرصے میں وہ جیسے زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی، گھر کا کرایہ اور دیگر مراعات۔ اسد کی کمپنی اچانک خسارے میں چلی گئی، دیوالیہ ہوگیا۔ بہت سے ملازمین کو نوکری سے نکل دیا گیا۔ بہت سے ملازمین جو کمپنی کے لیے بہت ضروری تھے، ان کو رہنے دیا گیا مگر ان سے تمام مراعات لے لی گئی اور تنخواہ بہت معمولی کردی گئی جس سے صرف گزارا ہی ہوسکتا تھا۔ اس کی کمپنی نئی تھی۔ دن بدن ترقی کرنے لگی تھی۔

بیرونی ممالک سے بھی معاہدے ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ اس شہر کی ایک مشہور اور بہت اعلیٰ کمپنی بن گئی۔ اس کی تنخواہ اب اس کی پہلے والی تنخواہ سے چھ گنا زیادہ تھی علاوہ مراعات۔ اسد جس پر وہ رشک اور کبھی کبھی حسد کرنے لگا تھا اس سے اکثر ادھار لے کر جانے لگا۔ اسے اپنی کمپنی میں کوئی جگہ خالی ہونے پر اس کی نوکری کا کچھ اسباب بنانے کا کہنے لگا۔ وہ آج بہت خوش تھا ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بج رہے تھے۔ وہ خوشی اور مسرت سے ہسپتال کی راہداری سے گزر رہا تھا جب اس کی نظر فاخرہ پر پڑی جو اپنی خالہ کے ساتھ اس کی سمت ہی آرہی تھی۔ رسمی سلام دعا کے بعد اس کی خالہ کی زبانی پتا چلا کہ وہ اب تک بے اولاد ہے۔ اس کی بے اولادی کا کوئی علاج نہیں۔ یہ وہی فاخرہ تھی جس کی محبت میں وہ پاگل تھا جس کے نا ملنے پر وہ خودکشی کی بھی کوشش کرگیا تھا مگر وقت پر اسد نے اس کو بچایا اور سمجھایا تھا۔

''یار دیکھو اللہ اپنے بندوں کو اچھا دینا چاہتا ہے اور اچھا دینے کے لیے انہیں کچھ آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ وہ اللہ کو یاد رکھیں اور ایسے حالات پیدا کرتا ہے جو وقتی طور پر انسان کو مصیبت، سزا یا اس کے ساتھ ناانصافی لگ رہے ہوتے ہیں مگر اسی میں انسان کی بہتری پوشیدہ ہوتی ہے جو ہم انسانوں کو نہیں پتا ہوتی۔''

اپنے نومولود بیٹے کو اپنی بانہوں میں بھرے اس کے ماتھے کو چومتے اس کے کانوں میں اسد کے الفاظ گونجے۔ کیا وہ فاخرہ سے شادی کرتا تو اولاد کی نعمت سے محرومی سہہ سکتا تھا؟

''نہیں......'' اس کے دل سے بے ساختہ آواز نکلی۔ اس نے بیٹے کے معصوم مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔

''کیا پتا سر آپ کو وہ بس نہیں ملی تو اس میں اللہ کی کیا خیر پوشیدہ ہو آپ کے لیے۔'' نجانے کیوں اسے آج وہ ٹیکسی والا یاد آ گیا۔

''صاحب جلدی میں ہو غصہ بھی ہو مگر پھر بھی ایک بات کروں گا، نوکری نا ملی تو اس میں بھی اللہ کی کوئی خیر ہوگی آپ کے لیے مایوس نا ہونا۔ اللہ جو کرتا ہے ہمارے اچھے کے لیے کرتا ہے۔ بس اللہ کا نام لینا نا چھوڑنا۔'' ٹیکسی سے اترتے وقت کرایہ ادا کرتے ہوئے ٹیکسی والے نے ایک آخری جملہ کہا تھا جو آج اتنا وقت گزر جانے کے بعد اسے نجانے کیوں شدت سے یاد آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں نمی محسوس کی۔ گزرے پل کا ہر لمحہ اس کی آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

وہ کتنا غصہ ہوا تھا اپنی بس نکل جانے پر، کتنے شکوہ زبان پر آئے تھے مگر وہ اس وقت اگر اس بس میں سوار ہوجاتا جو اللہ کی مصلحت کے سبب اس کے روکنے پر بھی نا رکی تھی تو آج وہ اس دنیا میں، اپنے ہاتھوں میں اس مسرت کو تھامے سرشار نا ہو رہا ہوتا بلکہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سو رہا ہوتا۔

''صد شکر۔'' زیرلب بے ساختہ نکلا۔ بس چھوٹ جانے اور راستے کی مشکلات کے سبب وہ جس انٹرویو پر نا پہنچ سکا اور نا ہی نوکری حاصل کرسکا۔ اس وقت اسے اپنا آپ دنیا کا بدقسمت ترین لگ رہا تھا جو صرف ناکامی کا منہ دیکھتا ہے مگر اللہ رازق اور قادر ہے۔ اس کی مصلحت تھی۔ اس وقت اس نے خود کو کتنا بدقسمت اور اللہ سے کتنے گلے شکوے تھے اگر اس وقت اسے وقت پر پہنچنے پر اور انٹرویو پاس ہوجانے پر نوکری مل جاتی تو آج وہ اسد کی جگہ ہوتا یا پھر اس کمپنی میں کام کرنے والے اور بہت سے لوگوں کی طرح نوکری سے فارغ ہوکر ادھار پر چل رہا ہوتا یا دوبارہ جگہ جگہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوتا۔ دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے ننھے معصوم کے گالوں پر گرے۔

ہم جسے اپنی ناکامی سمجھتے ہیں وہ دراصل ہمارے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم جسے مشکل اور مصیبت جانتے ہیں وہ دراصل ہمارے رب کی طرف سے ہمارے لیے آنے والے کل کی آسانی ہوتی ہے مگر ہم جلد باز اور ناشکرے لوگ اللہ کی مصلحت کو سمجھتے نہیں اور زبان پر شکوہ لا کر خود کو گناہ گار کرلیتے ہیں۔

''اللہ اکبر...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تیرے ہر کام میں مصلحت ہے۔'' اس نے زیرلب کہتے ہوئے ننھے عبدالقادر کی پیشانی چوم لی تھی۔

www.naeyufaq.com

قسط نمبر 18

عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

فیروز حسن ماضی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور وہ تمام باتیں ارسل کے سامنے دہراتے ہیں۔ ماریانہ چھپ کر تمام باتیں سن لیتی ہیں اور ارسل کے راز کو پا لیتی ہے۔ وہ فیروز حسن سے بھی وعدہ کرتی ہے کہ کبھی اس راز کو حماد کو نہیں بتائے گی ارسل بچپن سے ہی اپنی ماں کے بہت قریب ہوتا ہے۔ ایک بار پھر فیروز حسن کو کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہوتا ہے ایسے میں ارسل ماں کے پاس ہی ٹھہر جاتا ہے۔ تب فیروز حسن کو ایئر پورٹ چھوڑ کر واپس آتے ہوئے وہ حادثہ پیش آجاتا ہے جس کے زیر اثر ارسل بھی ہوتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہ ساری بات فیروز حسن ماریانہ کو بتاتے ہیں۔ ماریانہ حماد کے ساتھ مل کر ارسل کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہے ارسل زندگی اور موت کے درمیان ہوتا ہے اس کی ماں اس کو دنیا میں لوٹ جانے کا کہتی ہے وہ انکاری ہوتا ہے۔ ماریہ اپنے باپ (دلاور بخت) کا ماضی جاننے کے لیے اے کے زیڈ کے پاس پہنچ جاتی ہے پر وہ اس کو کچھ بھی بتانے سے معذرت کر لیتا ہے اور اس کو لوٹ جانے کا کہتا ہے پر قمر جہاں اور فاریہ بضد ہوتی ہیں۔ ماریانہ اس کی ماں کے حوالے سے پوچھتی ہے۔ حماد کچھ بھی بتانے سے قاصر ہوتا ہے کیونکہ جب ماں کا قتل ہوتا تھا حماد اس وقت فیروز حسن کے ساتھ تھا۔ فاریہ اور قمر جہاں مہر و عظیم کے فلیٹ پر جانا چاہتی ہیں پر وہاں کی انتظامیہ منع کر دیتی ہے۔ تب چوکیدار ان کی مدد کرنے کی حامی بھرتا ہے اور ان کو اپنے ساتھ گھر چلنے کی پیشکش کرتا ہے۔ ماریانہ اور عماد بالآخر ارسل کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یاور بخت کا سجل کے ساتھ رویہ بدل جاتا ہے۔ سجل ان کے رویہ پر حیران رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁……❁……❁……❁

”تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو سجل، تمہیں میری قربت سے الجھن ہو رہی ہے۔“ یاور بخت آنکھوں میں مصنوعی حیرت لیے ہوئے بولے۔ سجل ان کی بات پر چونکی۔

”نہیں میرا مطلب ہے اس حالت میں اکثر گھٹن ہونے لگتی ہے اور ابھی خواب بھی برا دیکھا ہے تو شاید اس وجہ سے۔“ وہ نظریں چراتے ہوئے بات بنانے لگی۔

”غالباً یہی وجہ ہوگی ورنہ جس طرح تم مجھ سے دور بھاگنے لگی ہو اور کترانے لگی ہو…… مجھے گمان ہونے لگا ہے کہ کسی اور کے چکر میں جا پھنسی ہو۔“ وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے تاک تاک کر الفاظ کے حملے کر رہے تھے۔ سجل بوکھلائی۔

”نن…… نہیں…… نہیں یاور جی کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں آپ۔ کیا اعتبار نہیں رہا مجھ پر۔ سجل صرف آپ سے محبت کرتی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔“ سجل ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر انہیں محبت کا یقین دلانے لگی۔ وہ طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

”اعتبار کے معیار پر دعویٰ کرنے کے باوجود کھرے نہیں اتر پائے مگر تم تو کھری اترو گی ناں میرے اعتبار میں سجل؟“ انہوں نے لحظہ بھر کے لیے بھی سجل کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ اور نظروں کا چرانا کچھ بھی تو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس کے دل کا چور تو کب کا ان کی نظروں میں آ گیا تھا۔ وہ پھر بھی اس سے سوال کررہے تھے۔ شاید یہ جاننے کے لیے دغا باز لوگ، وفا کی باتیں کرتے ہوئے کیسے لگتے ہیں مگر سجل کو دیکھ کر وہ بخوبی جان گئے تھے کہ دغا بازی انسان کو انتہائی بدصورت بنا دیتی ہے۔

”مر کر بھی آپ سے وفا نبھاؤں گی یاور جی۔“ سجل نے آنکھوں میں آنسو بھر کر بھرپور اداکاری کا مظاہرہ کیا تو یاور بخت ہنس دیے۔ اتنا ہنسے کہ آنکھوں میں پانی آ گیا، سجل بدحواس سی انہیں دیکھتی رہی۔

”کیا ہوگیا ہے آپ کو، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی اس طرح کیوں ہنس رہے ہیں؟ میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا آپ کو۔“ اس کی بات پر یاور بخت کی ہنسی تھم گئی۔

”نہیں تم نے شگوفہ نہیں سنایا، تم نے تو مجھے میری زندگی کا فسانہ سنا دیا ہے۔ پتا ہے سجل اس وقت مجھے کون یاد آ رہا ہے شدت سے؟“ وہ بولے تو انداز کھویا کھویا سا تھا۔

”کون یاد آ رہا ہے؟“ سجل ان کی بدلتی کیفیت دیکھ کر حیران تھی۔

”صبیحہ...... صبیحہ یاد آ رہی ہے۔ میں نے بھی تو اسے اس کی زندگی کا فسانہ سنایا تھا یا پھر شاید شگوفہ...... کچھ نہ کچھ تو اسے سنا کر ہی آیا تھا۔“ وہ عجیب سے احساسات کا شکار تھے۔

پچھتاوے کے ساتھ ملامت کا احساس بھی آ ملا تھا۔ وہ آنکھوں سے پانی صاف کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ سجل کچھ دیر تک ان کی باتوں کو سوچتی رہی پھر کندھے اچکا کر سو گئی۔ ویسے بھی یہ شخص اب اس کے مطلب کا نہیں رہا تھا۔ اس کی بلا سے وہ صبیحہ کو سوچے یا کسی اور کو...... اس کے خواب و خیال کی سرحدیں تو اب محمود بیگ سے جا ملی تھیں۔

❁......❁......❁

”کیا کہا تم نے رفیق......؟“ ماریہ اور قمر جہاں دونوں ہم آواز میں استفسار کرنے لگیں۔

”جی بی بی جی۔ نام تو یہی بتاتے ہیں ابا۔“ انور نے سادگی سے جواب دیا۔

”لگتا ہے آج یہ معمہ حل ہو کر ہی رہے گا۔ آج پتا چل جائے گا کہ مہرو عظیم کون تھی۔“ فاریہ نے پُرجوش انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ قمر جہاں نے ایک نظر فاریہ کو دیکھا اور گاڑی انور کے اشارے پر ایک تنگ گلی کے سامنے روک دی۔

”بس اسی گلی میں ہے گھر۔ گاڑی اندر نہیں جا سکتی۔ آپ لوگوں نے گلی کے اندر پیدل ہی جانا ہوگا۔“ انور کے کہنے پر وہ دونوں اس کے ہمراہ گلی کے اندر داخل ہوئیں۔ پانچواں گھر انور کا تھا۔ انور دروازہ کھٹکھٹانے لگا کچھ ہی دیر میں ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ وہ کچھ کہتی مگر بیٹے کے ساتھ کھڑی دو انجان عورتوں کو دیکھ کر حیران ہوگئی۔ انور نے ان دونوں کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئیں گھر کے اندر داخل ہوئیں۔

”اماں، ابا کہاں ہیں۔ یہ بی بی جی ابا سے ملنے آئی ہیں؟“ انور نے اس عورت سے پوچھنے کے ساتھ ان کے آنے کا مقصد بتایا تو عورت نے فاریہ اور قمر کو سر تا پیر بغور دیکھا اور پھر ایک کمرے کی جانب اشارہ کر دیا۔

”چلیں بی بی جی۔ ابا بیمار ہیں۔ گھر میں ہی رہتا ہے اور اپنے کمرے سے بھی باہر نہیں آ سکتا۔“ انور کے کہنے پر وہ دونوں اثبات میں سر ہلاتیں، اس کی معیت میں کمرے میں داخل ہوگئیں۔

ایک ادھیڑ عمر کمزور سا شخص جو کھانس کھانس کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔ چارپائی پر دراز تھا۔ انور سرعت سے اس کے نزدیک ہو کر پانی پلانے لگا۔ اس کی سرگوشی بھی ساتھ ساتھ جاری تھی۔ وہ بوڑھا شخص بیٹے کی بات سن کر اثبات میں سر

ہلانے لگا۔ انور کی اجازت پر قمر جہاں نے سوال کرنے میں پہل کیا۔

”بابا...... دراصل ہم مہرو عظیم کے حوالے سے حقائق جاننا چاہتے ہیں۔ آپ کے بیٹے انور نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ مہرو عظیم کو جانتے تھے اور بہت سے واقعات کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔“

”بیٹا ان واقعات کو ایک زمانہ گزر گیا مگر مجھے آج بھی یوں یاد ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ مہرو بی بی کے ساتھ تو جو ہوا وہ انتہائی دردناک تھا مگر ان کے گزر جانے کے بعد ان کے منگیتر رفیق میاں، اس اپارٹمنٹ کے لوگوں نے اور خود میں نے بہت ہی کڑا وقت جھیلا۔“ وہ شخص ہولے ہولے کہنا شروع ہوا۔

”کیوں ایسا کیا ہوا تھا؟ قتل مہرو کا ہوا اور کڑا وقت بھی آپ لوگوں پر آیا۔ ایسا کیوں؟“ فاریہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

”بی بی جی، وہ ایک قتل نہیں، وہ دو قتل تھے اور ان کے پیچھے اونچے لوگوں تھے اور یہ بڑے لوگوں کی جوڑ توڑ نے ہم بیچاروں کو بے حال کر دیا تھا۔“ وہ شخص افسردگی سے کہنے لگا۔

”بابا آپ شروع سے آخر تک ہمیں سب کچھ بتائیے۔ ایسے پہیلیاں بجھواتے رہے تو وقت بھی گزر جائے گا اور بات بھی رہ جائے گی۔“ قمر جہاں نے سبھاؤ سے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولنا شروع ہوئے۔

”مہرو بی بی کا تعلق صف اول کی صحافیوں میں تھا۔ وہ بڑی بہادر عورت تھیں۔ بے خوف و نڈر اپنا قلم چلانے والی لوگ اس کا لکھا، بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ بیٹا وہ اپنے نام کی طرح عورت بھی بے حد عظیم تھیں۔ محلے والوں کا خیال رکھا کرتی تھیں۔ ان کے دکھ درد میں کام آتیں اور مجھ سے تو بی بی جی کا خاص تعلق تھا۔“ وہ سانس لینے کو رکے تو فاریہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اب تک کی گفتگو اسے ہنوز متاثر نہ کر سکی تھی۔

”یوں تو مہرو بی بی کا قلم آئے دن کسی نہ کسی بڑے آدمی کی بخیئے ادھیڑتا رہتا تھا مگر اصل بدبختی کی شروعات اس رات ہوئی جب وہ لٹی پٹی عورت ان سے ملنے آئی تھی۔ میں وہ رات آج تک نہیں بھولا۔ اس وقت شہر سنسان تھا اور ایسے میں وہ عورت تن تنہا جانے کہاں سے چلی آئی تھی۔ سیاہ چادر اس کے تن پر تھی اور بہت ہی خستہ حال تھا بے چاری کا یوں لگتا تھا جیسے بیماری سے اٹھی ہو۔ مہرو بی بی سے ملاقات کی خواہش مند تھی۔ میں نے اسے جانے دیا۔ جان لیا تھا کہ یہ عورت کوئی معمولی عورت نہیں۔ مہرو بی بی اتنی رات گئے کسی سے ملاقات نہیں کرتی تھی مگر اسے فوری طور پر اوپر بلوا لیا تھا۔ کوئی اہم بات ضرور تھی۔“ وہ بوڑھا گارڈ اس رات کی یادوں میں کھو گیا تھا۔

”پھر...... پھر کیا ہوا اس رات کو؟“ فاریہ سے لمحے بھر کی خاموشی بھی برداشت نہیں ہو پائی۔

”وہ عورت کافی دیر تک مہرو بی بی کے ساتھ رہی اور پھر واپس اپنی راہ کو چل دی مگر وہیں اس کی موت اس سے جا ٹکرائی۔“

”موت جا ٹکرائی...... کیا مطلب اس بات کا؟“ قمر جہاں بری طرح چونکی۔

”ایک گاڑی آ رکی تھی اس کے پاس۔ اس میں سے ایک شخص اترا تھا۔ سفید کوٹ پینٹ میں ملبوس، اس کے ساتھ اس کے محافظ بھی موجود تھے۔ وہ شخص کافی دیر تک اس عورت سے جھگڑتا رہا۔ ان دونوں کا انداز ایسا تھا جیسے دونوں کے درمیان خوب شناسائی ہو مگر کسی بات پر جھگڑا ہو گیا ہو پھر اچانک اس شخص نے اس عورت پر پستول تان دی مگر عورت بھی بڑی عجیب تھی۔ پستول کی نالی خود ہی اپنی پیشانی پر ٹکا دی تھی۔ میں کافی فاصلے پر تھا مگر پھر بھی محسوس کر گیا تھا کہ وہ عورت رو رہی ہے پھر اچانک گولی چلی اور وہ عورت زمین پر ڈھے گئی تھی۔ وہ مرد سفاک تھا، دیوانہ تھا، کچھ سمجھ نہ آیا...... وہ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر بلند آواز میں ماتم کرتا رہا۔ اس کے بین مجھے صاف سنائی دے رہے تھے۔ وہ کوس رہا تھا نہ جانے کسے یہ سمجھ نہ پایا میں پھر اس کے محافظ اسے زبردستی کھینچ تان کر لے گئے تھے۔ ان کے جاتے ہی مہرو بی بی جائے واردات تک

پریشانی کے عالم میں پہنچی۔ میں بھی ان کی فکر میں ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔ وہ عورت ساکت پڑی تھی، مرگئی تھی۔ کچھ دیر میں ہی رفیق صاحب پولیس کے ہمراہ وہاں آپہنچے تھے۔ لاش مردہ خانے پہنچادی گئی اور مہروبی بی اس دن سے اس قتل کی واردات کے حوالے سے کھوج میں لگ گئی تھیں۔" بوڑھا گارڈ سانس لینے کو ذرا رکا، کھانسی ایک بار پھر اسے پریشان کرنے لگی تھی انور اس کو پانی پلانے لگا۔ قمر جہاں اور فاریہ دم بخود سی وہاں بیٹھی تھیں۔ کسی کے قتل کا اس قدر دردناک احوال انہوں نے پہلی بار سنا تھا۔

"وہ عورت دیکھنے میں کیسی تھی...... کچھ بتاسکتے ہیں آپ؟" قمر جہاں کو خیال آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"بہت حسین تھیں۔ چودھویں کے چاند جیسی روشن، اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں میں نے آج تک ایسی حسین عورت نہیں دیکھی۔" بوڑھا گارڈ انہیں بتانے لگا۔ فاریہ اور قمر جہاں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر قمر جہاں کے اشارے پر فاریہ نے موبائل سے وہ تصویر نکال کر گارڈ کے سامنے کی۔

"غور سے دیکھیے۔ کیا یہ ہی تھی وہ عورت؟" بوڑھا گارڈ کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا پھر یک دم اس کی نگاہوں میں شناسائی کی رمق دوڑ گئی۔

"ہاں...... یہ ہی ہے وہ عورت، یہ ہی ہے وہ...... بالکل یہ ہی ہے۔" وہ جذباتی انداز میں کہنے لگا۔ اس کے اقرار پر قمر جہاں اور فاریہ بے یقینی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"کیا آپ اس عورت کا نام بتاسکتے ہیں ہمیں؟" فاریہ نے فوراً سوال کیا۔

"اس عورت کو اور اس کا نام میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ خود بھی اذیت ناک موت مری اور مہروبی بی کا بھی خوفناک قتل ہوا...... اس کا نام......" گارڈ ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچنے لگا۔ بار بار وہ اپنا سر سہلاتا، یوں جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا ہو۔

"کیا ہے اس عورت کا نام، بتائیں ناں بابا؟" قمر جہاں نے بے صبری سے پوچھا۔

"میرے ذہن سے نکل گیا ہے فی الوقت اس کا نام...... میں جانتا ہوں مگر ابھی بھول رہا ہوں۔" گارڈ نے مایوسی سے جواب دیا۔ قمر اور فاریہ کی امیدوں پر ایک بار پھر پانی پھر گیا۔

"اچھا کیا آپ اس شخص کو جانتے یا پہچانتے ہیں، جس نے اس عورت کا قتل کیا تھا۔" فاریہ نے پُرسوچ انداز میں سوال کیا۔ قمر جہاں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ سمجھ گئی تھی کہ فاریہ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔

"نہیں بیٹا...... اس رات وہ شخص بے حد فاصلے پر تھا۔ میں اس کی حرکات وسکنات دیکھ سکتا تھا۔ شکل نہیں۔" گارڈ نے ایک بار پھر نفی میں جواب دیا۔ دفعتاً فاریہ کا موبائل بج اٹھا۔ کال گھر سے آئی تھی۔

"دادی پریشان ہورہی ہیں۔ ہمیں گھر چلنا ہوگا۔" فاریہ نے قمر جہاں کو مطلع کیا۔ قمر جہاں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انور سے مخاطب ہوئی۔

"ہمیں اب جانا ہوگا انور...... مگر ہم دونوں تم لوگوں سے ایک بار پھر ملنا چاہیں گے اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو۔"

"اعتراض تو کوئی نہیں بی بی جی۔ بس غریب لوگ ہیں ہماری غربت و بے بسی کا خیال رکھیے گا۔" انور آہستگی سے بولا۔

"ہاں کیوں نہیں ضرور...... ایک کام کرو۔ یہ پیسے رکھو...... اپنے والد کا علاج کروانا۔" قمر جہاں جھٹ پرس سے پیسے نکالتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں...... نہیں بی بی جی، میرے کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ان دونوں قتل کیس کی

بدولت ہم نے ماضی میں بڑی پریشانیاں جھیلی ہیں۔ ابا نے بڑی مشکل وقت دیکھا ہے مگر پھر بھی ہم لوگوں نے آپ کو سب کچھ سچ سچ بتادیا۔ بس اس بات کا خیال رکھیے گا کہ ہم غریبوں کو مزید پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔" نادر نے پیسے لینے سے انکار کرتے ہوئے عاجزی سے کہا۔

"تم بے فکر رہو۔ تم لوگوں پر آنچ بھی نہیں آئے گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے مگر ایک بات بتاؤ تم نے اتنی صعوبتیں جھیلنے کے باوجود ہماری مدد کیوں کی؟" قمر جہاں نے وعدے کے ساتھ اپنی الجھن بیان کی۔

"کیونکہ بی بی جی، ابا کی زبانی مہروبی بی کے حوالے سے بہت کچھ سنا ہے۔ اب دل چاہتا ہے کہ کوئی تو اس عورت کے انصاف کے لیے کھڑا ہو۔ اپنی آواز بلند کرے۔ اس کے لیے لڑے۔ آپ دونوں کو دیکھا تو یہی محسوس ہوا کہ جیسے میری خواہش پوری ہوگئی۔" انور نے مسکرا کر سادگی سے جواب دیا۔

"تم بے فکر رہو انور۔ ہماری کوشش ہوگی کہ مظلوم کو انصاف ملے مگر پھر بھی یہ معمولی سی رقم ہے۔ اسے رکھ لو۔ سمجھو تمہاری بڑی بہن نے دیئے ہیں۔" قمر جہاں نے ایک پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ وہ رقم انور کے حوالے کردی۔ انور شکر گزار سا ہوا اور ان دونوں کو اپنی معیت میں لیے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ایک منٹ رکو بی بی...... نام یاد آگیا۔ ہاں اس عورت کا نام یاد آگیا ہے۔" بوڑھا گارڈ یک دم خوشی سے چلایا۔ دروازے کی سمت بڑھتے قمر جہاں اور فاریہ کے قدم فریز ہوگئے۔ وہ دونوں بے ساختگی کے عالم میں پلٹیں۔

"کیا...... کیا نام تھا اس کا؟" فاریہ نے بے قراری سا پوچھا۔ قمر جہاں کی متجسس نگاہیں بھی گارڈ پر جم گئیں۔

"نیلم...... نیلم نام تھا اس کا...... اس عورت نے مہروبی بی سے ملاقات سے قبل مجھے یہی نام بتایا تھا۔" گارڈ پُرجوش سا کہنے لگا۔ فاریہ اور قمر جہاں نے زیرلب اس نام کو دوہراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

وہ صبح بیدار ہوئی تو کمرے میں خود کو تنہا پا کر حیران ہوئی۔ طبیعت بوجھل تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ ملازمہ کو ناشتے کا کہہ کر اس نے یاور بخت کا پوچھا۔

"وہ تو صبح سویرے ہی بیگ لے کر چلے گئے تھے۔" ملازمہ اطلاع دے کر چلی گئی۔

"اوہ...... ہاں بتایا تو تھا کہ اسلام آباد جانا ہے...... اف شکر اللہ کا کچھ دن اس پاگل انسان کی شکل نظر نہیں آئے گی۔" وہ شکر مناتی لاؤنج میں صوفے پر دراز ہوئی۔

"اب اس یاور بخت کے ساتھ وقت بتانا بہت مشکل ہوتا جارہا ہے۔ کل نہ جانے وہ کیسی بہکی بہکی باتیں کررہا تھا اور بار بار بے وفائی، بے اعتباری کا طعنہ دے کر نہ جانے کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ کہیں اسے میرے اور محمود بیگ کے حوالے سے کچھ سن گن تو نہیں مل گئی۔" سجل فکر مند ہوئی۔ ملازمہ ناشتہ لے کر آئی تو ناشتے کے دوران ہی باتوں کو لے کر الجھتی رہی۔

"محمود بیگ سے بات کرنا ہی پڑے گی۔ اسے یاور بخت کے پل پل بدلتے رویے سے آگاہ کرنا ہوگا۔ کل رات تو اس نے اتنی قوت سے مجھے اپنے حصار میں لے کر جکڑا تھا کہ یوں گمان ہوتا تھا جیسے قبر میں جاسوئی ہوں، ہونہہ۔" ناشتے کے بعد وہ محمود بیگ کو ٹیلی فون کرنے لگی۔

"محمود تم جلد گھر آجاؤ...... یاور بخت جاچکا ہے۔ اس کے حوالے سے کچھ بات کرنی ہے اور دوسری بات یہ کہ مجھے تم یاد آرہے ہو۔" وہ ہنوز شب خوابی کے لباس میں تھی۔ خمار آلود لہجے میں کہتے ہوئے اس نے آخری جملہ اٹھلا کر کہا۔

"اس مردود کے جانے کے انتظار میں، میں کب سے مبتلا تھا میری جان۔ تم نے یاد کیا اور میں بس ابھی حاضر ہوا اور ہاں میرے آنے سے قبل اپنے گھر کے ملازمین کو اِدھر اُدھر بھیج دو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں جب یہ خوب صورت لمحات

گزاریں تو درمیان میں کوئی اور ہو۔'' محمود بیگ نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ سجل نے اس کی بات پر من وعن تقلید کرتے ہوئے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ملازمین کو چھٹی دے دی تھی۔ وہ خود بھی قیمتی لباس میں ملبوس، ہار سنگھار، کیے اس کی آمد کی منتظر تھی۔ محمود بیگ نے بھی سجل کو انتظار میں زیادہ نہ تڑپایا تھا۔

''اوہ محمود...... بہت یاد آتے ہو تم...... صرف مجھے ہی نہیں اس ننھی جان کو بھی کب سے تمہیں یاد کرتے ہوئے مسلسل کروٹیں بدل رہا ہے۔ مجھے بھی پریشان کر رکھا ہے اس نے۔'' سجل نے اس کی گردن کے گرد دونوں بازو حمائل کرتے ہوئے لگاوٹ سے کہا۔

''میرا بس چلے تو تمہیں کبھی چھوڑ کر ہی نہ جاؤں مگر یہ کم بخت یاور بخت ہمارے درمیان دیوار بنا ہوا ہے۔'' وہ سجل کی زلفوں کو سنوارتے ہوئے بے تابی سے کہنے لگا۔

''اس یاور بخت کے ارادے مجھے آئے دن کچھ خطرناک لگنے لگے ہیں محمود کچھ تو ایسا ہے، جو ہمارے علم میں نہیں، بہت عجیب باتیں کرنے لگا ہے یاور بخت۔ طنز کرتا ہے، تمسخر اڑاتا ہے چند ایک بار تو تمہارا ذکر بھی بلاوجہ میرے سامنے چھیڑ دیا اس نے کچھ تو ہے محمود بیگ جو ہم سے مخفی ہے۔ تمہیں پتا لگانا چاہیے۔'' وہ پریشانی کے عالم میں اسے یاور بخت سے متعلق ہر بات سے آگاہ کرنے لگی۔

''ہونہہ...... تم فکر نہ کرو سجل، میں جلد ہی پتا لگا لوں گا۔ بس ایک بات کا خیال رکھو۔ جب تک یہ بچہ اس دنیا میں نہیں آجاتا تب تک تم نے یاور بخت سے اس کی تمام جائیداد اپنے اور اس بچے کے نام کروا لینی ہے۔ بس پھر لمحہ نہیں لگے گا۔ مجھے اس خبیث کا پتا کاٹنے میں۔'' محمود بیگ سجل کی ہمراہی میں اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھٹاک سے بند ہوا اور تب ہی یاور بخت دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے آئے تھے۔

اسلام آباد جانا تو محض ایک ڈھونگ تھا۔ جو یاور بخت نے سجل اور محمود بیگ کو ملاقات کا موقع دے کر رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے رچایا تھا۔ اسی لیے وہ رات بھر سامان کی پیکنگ کا ڈراما کرتے رہے اور صبح سویرے ملازمہ کو خاص ہدایت دے کر بالائی منزل کے کمرے میں خاموشی سے جا بیٹھے تھے۔ ملازمہ نے بالکل ویسا ہی کہا، جیسا یاور بخت کا حکم تھا۔ سجل کے ٹیلی فون کرنے کی قسم بھی بالائی منزل کی صفائی کے بہانے وہ انہیں سنا آئی تھی۔ وہ مطمئن تھے، یہ یقین تھا کہ محمود بیگ جلد یہاں پہنچنے والا ہے کیونکہ ملازمہ ان کے سختی سے پیش آنے پر محمود بیگ کی پچھلی آمد کا احوال سنا گئی تھی۔ یہ بھی بتا گئی کہ محمود بیگ کی آمد سے قبل سجل ان سب کو چھٹی دے دیا کرتی تھی مگر اس سمیت کچھ ملازمین نے محمود بیگ اور سجل کو ایک دوسرے کے ساتھ دیکھ لیا تھا مگر نوکری جانے کے ڈر سے خاموش تھے۔ سب کچھ جاننے کے بعد اب انہیں انتظار تھا تو صرف محمود بیگ کا...... وہ بالائی منزل کی آڑ لیے محمود بیگ کی آمد اور سجل کے والہانہ استقبال کا منظر ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ہوئے ملاحظہ کر چکے تھے۔ ان دونوں کے کمرے میں بند ہونے کے بعد وہ دبے پاؤں نیچے اتر آئے۔ شو کیس کے دراز سے پستول نکال کر چیک کیا اور پھر آہستگی سے سجل کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔ ان دونوں کے قہقہے مستقبل کے حسین خواب لفظوں کی صورت ان کی سماعت میں انگارے برسا رہے تھے۔

''ویسے تم نے یاور بخت کا انجام کیا طے کیا ہے۔'' سجل نے اس کے مزید نزدیک ہوتے ہوئے پوچھا۔

''موت...... ایک بدترین موت۔'' محمود بیگ نے اٹل لہجے میں جواب دیا۔ سجل خاموش ہوگئی۔ یاور بخت نے دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں گم تھے۔ یاور بخت کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھر گئیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

''بہت خوب، کیا کمال کی چال تھی محمود بیگ۔ ایک ناگن خرید کر میرے گھر میں بھیج دی اور میں احمق اسے اپنے گھر، اپنے دل میں جگہ دے گیا۔'' تالی بجاتے ہوئے یاور بخت نے ان دونوں کے سر پہ بم پھوڑا۔ وہ دونوں انہیں یوں سامنے موجود پا کر بری طرح بوکھلا گئے۔

''یاور جی......! آپ یہاں کیسے......؟'' سجل نے بوکھلاہٹ کے عالم میں انتہائی بھونڈا سوال کیا۔

''یہ میرا گھر ہے سجل بیگم۔ اس کے در و دیوار یہاں کہ ہر چیز میں صرف میں ہی میں ہوں۔'' وہ دانت پیستے ہوئے سجل کی جانب جارحانہ انداز میں بڑھے مگر محمود بیگ سرعت سے ان دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

''مجھ سے بات کرو یاور بخت، ایک کمزور عورت سے کیوں الجھتے ہو۔'' محمود بیگ کی بات پر ان کا دل قہقہے لگانے کو چاہا۔

''واہ...... عورت کی دلالی کرنے والا، عورت کو مہرہ بنانے والا، عورت کو گناہ پر آمادہ کرنے والا، ایک بے غیرت مرد آج مجھے سکھائے گا کہ عورت سے نہیں الجھتے۔ بھئی واہ......'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولے۔ شدید غصے کے عالم میں ان کے کان کی لو بھی سرخ ہونے لگی تھی۔ محمود بیگ نے بڑے اطمینان سے ان کا یہ کاری وار خود پر سہا اور پھر انتہائی سرد لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔

''محمود بیگ تعریف کی ہے تم نے یاور بخت۔ اپنے خاندان کی...... یہ تعریفی جملے تو مجھے خود ادا کرنے چاہیے تھے تمہاری شان میں۔''

''یہ تمہاری اوقات ہے محمود بیگ۔ میرے خاندان پر انگلی نہ اٹھاؤ۔ تمہاری اوقات نہیں میرے خاندان کا نام لینے کی۔ تم جیسا دو ٹکے کا انسان میرے خاندان کے بزرگوں کے پیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں۔'' وہ دانت کچکچاتے ہوئے طیش انداز میں دھاڑے۔ محمود بیگ کے چہرے پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اوقات، دو ٹکے کا انسان، میرا خاندان' تمہارا خاندان، پیروں کی دھول برابر...... یہی تکبر بلکہ تمہارے خاندانی تکبر نے تو تمہیں اس حال میں پہنچا دیا ہے یاور بخت۔'' محمود بیگ کا سلگتا لہجہ انہیں مزید سلگا گیا۔

''بار بار میرے خاندان کو بیچ میں نہ لاؤ محمود بیگ۔ تم جیسا بے ہودہ انسان جس کے نہ باپ کا پتا، نہ ماں کی خبر، وہ بھلا کیا جانے خاندان کی باتیں۔ حیران مت ہو۔ چند دنوں میں تمہارا تمام حسب نسب کھنگال چکا ہوں۔ کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا۔ لاوارثوں کی طرح زندگی گزاری ہے تم نے۔'' یاور بخت حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے گرجے۔ محمود بیگ انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری تحقیق بھی تمہاری طرح نامکمل ہے یاور بخت۔ حقیقت بہت کڑوی ہے۔ میرا خاندان اور تمہارا خاندان ایک ہی ہے۔''

''بکواس بند کر کمینے......'' وہ غضب ناک ہوتے ہوئے محمود بیگ کے گریبان تک پہنچے۔

''یہ بکواس ہی تو سچ ہے یاور بخت۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم اپنے باپ کی جائز اولاد ہو اور میں ناجائز مگر اس فرق کے باوجود میرا اور تمہارا خون ایک ہے یا اس کا نام ایک۔'' محمود بیگ نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان یاور بخت کی گرفت سے چھڑایا اور منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے دھاڑا۔ یاور بخت حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''یقین نہیں آ رہا میری بات کا تمہیں یاور بخت۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ میں صرف آخر تمہیں ہی کیوں برباد کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی خاص وجہ تو ہوگی۔ کچھ تو زیادتی کی ہوگی میرے ساتھ، جس کا حساب میں آج تم سے لے رہا ہوں۔'' محمود بیگ نے ان کی متحیر نگاہوں میں بے خوفی سے جھانکتے ہوئے کہا۔

''کون ہو تم، کیا تعلق ہے تمہارا میرے خاندان سے آخر چاہتے کیا ہو تم مجھ سے؟'' یاور بخت کو زندگی میں پہلی بار محمود بیگ

کے کاٹ دار لہجے اور آنکھوں سے جھلکتی دہشت سے خوف محسوس ہوا تھا۔ ان کا لہجہ اس خوف کی صاف طور پر چغلی کھا رہا تھا۔

"تمہارے ہر سوال کا جواب میں دوں گا یاور بخت مگر سب سے اہم سوال جو تمہیں کرنا چاہیے۔ وہ تو تم کر ہی نہ پائے۔ تمہیں پوچھنا چاہیے کہ محمود بیگ تم نے میرا اب تک کیا کیا بگاڑ دیا۔" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر درشتی سے گویا ہوا۔

"جان گیا ہوں کہ تم نے میرا کیا کیا بگاڑا ہے۔ اس کرائے کی عورت کو اپنی چال بازوں سے میرے گھر تک لے آئے اور اس بدکار نے مجھے میری صبیحہ سے بھی بدزن کردیا۔" یاور بخت دانت پیستے ہوئے سجل کو گھور کر کہنے لگے۔ سجل ان کے اس اشتعال پر استہزائیہ انداز میں مسکراتی ہوئی محمود بیگ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"نہ...... نہ میرے بھائی، تمہارے گھر میں تو بعد میں لے کر آیا۔ پہلے تو میں نے اس شعلہ جوالہ کو تمہارے بستر تک پہنچایا اور تمہیں کیا لگتا ہے اس رات تم دونوں کے درمیان حقیقت میں کچھ ہوا تھا۔ نہیں یار، زندگی میں پہلی بار تو تم نے پی تھی۔ تم ہوش میں کہاں تھے...... سجل نے تو بس تمہاری مدہوشی اور اپنی ذہانت سے فائدہ اٹھایا اور اپنے فریب کے جال میں پھسایا اور پھر جب تم لوگوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہیں تو اولاد کی نوبت کہاں سے آتی۔ اولاد تمہاری کمزوری ہے یہ میں جانتا تھا اور پھر میں نے تمہیں اولاد کے جال میں پھنسایا...... تم بہت آسانی سے پھنستے چلے گئے۔ وہ ڈاکٹرز، رپورٹس، سب میرے ہاتھوں چیک ہوئے تھے پھر میری رانی نے صبیحہ کو کسی بے اختیار پیادے کی صورت پیٹ دیا۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کی خوشی کو در بدر کیا۔ یہ بہت ضروری تھا یاور بخت، صبیحہ کے ہوتے ہوئے میں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ محبت کی دیوی تمہیں میری چالوں سے بچا سکتی تھی۔ سجل کی بھی حقیقت وہ جان گئی تھی۔" محمود بیگ ایک کے بعد ایک راز بے نقاب کررہا تھا۔ یاور بخت کسی مجسمے کی صورت اپنی بربادی کی داستان اس کی زبانی سن رہے تھے۔

"صبیحہ کے جانے کے بعد تم نے پھر کسی ضدی بچے کی طرح اولاد کی خواہش کا رونا رونا شروع کردیا۔ تم اس قابل نہ تھے کہ اپنے جائز باپ کی نسل بڑھاتے، مجبوراً یہ کام بھی مجھے یعنی کہ ناجائز بیٹے کو کرنا پڑا۔ تمہارے نام نہاد خاندان کا وارث، میرا خون ہوگا...... محمود بیگ کی اولاد ہوگا...... واہ کاتب تقدیر نے بھی کیا انجام لکھا ہے تمہارے خاندانی غرور، گھمنڈ اور تکبر کا......" محمود بیگ ہذیانی کیفیت میں قہقہے لگانے لگا۔

"ہاں اب تم پوچھ سکتے ہو یاور بخت کہ میں نے تمہارے ساتھ اتنا برا آخر کیوں کیا؟" ہنستے ہوئے جب وہ بے حال ہونے لگا تو یاور بخت کو عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں کیا، آخر تم نے میرے ساتھ یہ سب کچھ۔ میں نے آخر تمہارا بگاڑا کیا تھا؟" یاور بخت انگارے چباتے ہوئے گرجے۔ محمود بیگ چند ساعتوں تک خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر بولنا شروع ہوا۔

"تم نے نہیں بگاڑا تھا یاور بخت مگر بخت آور نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا اور تمہیں بتاؤں یاور بخت سب کچھ صرف دولت، جائیداد، گاڑی بنگلہ ہی نہیں ہوتا بلکہ جینے کا حق بھی ہوتا ہے، عزت بھی ہوتی ہے، غیرت بھی اور جینے کا مقصد بھی مگر بخت آور نے میرے نصیب میں صرف اور صرف رسوائی لکھ دی۔"

"بہت بے خوف ہوکر میرے باپ کا نام لے رہے ہو محمود بیگ تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں میں تمہاری زبان نہ کھینچ لوں۔" یاور بخت خود پر ضبط کرتے ہوئے بولے۔

"تم سے اب ڈر نہیں لگتا یاور بخت، تمہیں اب میں نے اس قابل کہاں چھوڑا کہ کچھ کہہ یا کر پاؤ اور بخت آور میرا باپ تھا، ناجائز ہی سہی مگر رشتہ تو بنتا ہے۔ میری ماں سے اس نے زیادتی کی تھی، حرمت پامال کی تھی اور پھر اس کے بطن میں میری سانسوں کی دھمک سن کر اس نے میری ماں کو دھکے دے کر گھر سے نکالا تھا۔ وہ بے چاری ملازمہ تھی۔ بے کس مجبور تھی۔ اپنے حق کے لیے نہ لڑسکی۔ زمانے کے ہاتھوں رسوا ہوتی رہی۔ بخت آور اس محل کی اونچی فصیلوں میں چھپا

عیاشیاں کرتا رہا اور میری ماں کچرے کے ڈھیر میں مجھے جنم دے کر زمانے کے ہاتھوں تماشا بنتی چلی گئی۔ اللہ اس محل میں اپنے والوں کی رسی دراز کرتا رہا اور میری ماں کی آزمائشوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ زمانے کی تلخیوں نے ایک دن اسے اس قدر دلبرداشتہ کیا کہ اس نے خودکشی کرلی مگر مرنے سے قبل مجھے اپنے خاندان کا نام اور پتا بتا گئی۔ اس نے اپنی آخری وصیت کی تھی کہ میں اپنا حق ضرور حاصل کروں۔ تب سے یاور بخت تم میرے دشمن تھے، تب سے میں تمہارے تعاقب میں تھا، تمہاری زندگی کا کوئی حصہ مجھ سے مخفی نہ تھا۔ تکلیف تو میں بخت آور کو پہنچانا چاہتا تھا مگر میرے باپ نے مرنے میں جلد بازی کی اور کیوں کہ یہ اصول زمانہ ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا حساب اس کا بیٹا چکاتا ہے تو میں نے تم سے اپنا حساب بے باک کرنا چاہا، میں نے تمہاری زندگی سے جائز رشتے نکال کر ناجائز رشتے بھر دیئے۔ ان رشتوں میں مکر، فریب، دھوکے کی روح پھونک دی۔ ذلت و رسوائی کو تمہارے گھر کی لونڈی بنادیا اور اب بس انجام باقی تھا مگر تمہاری قسمت نے یاوری دکھائی اور مجبوراً مجھے اس راز سے پردہ اٹھانا پڑا مگر یاور بخت ابھی میرا حساب ختم نہیں ہوا۔" محمود بیگ نے اپنی بات مکمل کرکے یاور بخت کو مسکرا کر دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

"تو نیلم نام ہے اس عورت کا۔ چلو اتنی بھاگ دوڑ کے بعد کوئی سرا تو ہاتھ آیا۔" سفر کے دوران فاریہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اب گھر کی طرف رواں تھے۔

"ہونہہ...... کم از کم نام تو پتا چلا۔ اب دیکھتے ہیں نام سے مزید کتنی الجھی ڈوریں سلجھتی ہیں۔" قمر جہاں نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بار بار یہ احساس شدت سے محسوس ہورہا ہے کہ حماد کی اماں اس نیلم کو جانتی ہیں۔ ان کی نگاہوں میں، میں نے اکثر کھوج کو تیرتے دیکھا ہے۔" فاریہ پُرسوچ انداز میں گویا ہوئی۔

"کھوج...... !مگر کیسی کھوج؟" قمر جہاں نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"وہ میرے چہرے میں کسی کو کھوجتی ہیں۔ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں مگر پوچھ نہیں پاتیں۔ عجیب پراسراری باتیں کی تھیں انہوں نے پچھلی مرتبہ۔" اسے ایک بار پھر رضیہ بی بی کی اس دن کی باتیں یاد آئیں تو کہہ گئی۔

"چلیں گے تمہاری رضیہ بی بی کی طرف بھی پھر دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے؟" قمر جہاں نے گاڑی گھر کے گیٹ کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ چوکیدار کے دروازہ کھولنے پر اس نے گاڑی گھر کے اندر داخل کردی۔

"اس بار ساتھ چلیں گے۔" گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں گھر کے اندر آ گئیں۔ لاؤنج میں ہی ان دونوں کا سامنا بڑی بیگم سے ہوا۔

"کہاں گھومتی رہتی ہو تم دونوں سارا دن۔ گھر پر نظر ہی نہیں آتیں؟" بڑی بیگم نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں دادی، بس ایسے ہی باہر گئے تھے۔ مجھے کچھ شاپنگ کرنی تھی تو قمر میرے ساتھ تھیں۔" فاریہ نے ان کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال کر بات بنائی۔

"شاپنگ کی تھی تو سامان، شاپنگ بیگز کہاں ہیں؟" بڑی بیگم نے تعجب کا اظہار کیا۔

"وہ گاڑی میں ہیں۔ صبح نکال لیں گے۔ ابھی تھکن بہت ہوگئی ہے صبح شفٹ پر بھی جانا ہے۔" فاریہ انہیں شب بخیر کہتی سونے چلی گئی۔ بڑی بیگم وہیں بیٹھ گئیں۔ قمر جہاں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟" قمر جہاں نے ان کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”ٹھیک ہوں میں......اس کا فون آیا تھا آج۔“ بڑی بیگم بولیں۔

”کس کا فون؟“ قمر جہاں حیران ہوئیں۔

”دلاور کا......وہ آنے والا ہے۔“ بڑی بیگم نے خبر سنائی۔ قمر جہاں پر یہ خبر بم بن کر گری تھی۔

❀......❀......❀

”میں یہ کیسے مان لوں کہ جو کچھ بھی تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔“ یاور بخت بے یقینی سے بولے۔

”تم مانو یا نہ مانو......کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت کسی کے قبول نہ کرنے سے بدل نہیں جاتی۔ جو مجھ پر، میری ماں پر بیتی ہے۔ وہ درد صرف میں ہی جانتا ہوں۔ میں نے اپنا بچپن ”ناجائز، ناپاک“ جیسی گالی میں گزارا ہے، میری ماں بدکردار عورت کے حوالے سے جانی جاتی تھی۔ ہماری زندگی دگرگوں حالت میں گزاری۔ تب تمہیں اور تمہارے خاندان کو ہماری تکلیفوں سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور آج مجھے بھی تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔“ محمود بیگ نے سرد مہری سے کہا۔

”اتنا کچھ تو کر چکے ہو تم محمود بیگ۔ اپنا انتقام سود سمیت لے چکے ہو مجھ سے۔ اب مزید کیا چاہتے ہو؟“ یاور بخت نے بے چارگی سے کہا۔ محمود بیگ کے لہجے سے امڈتی نفرت اس کی سچائی کی سب سے بڑی گواہ تھی۔

”نہیں یاور بخت سود سمیت انتقام نہیں لیا تم سے، سچا اور کھرا انصاف تھا میرا۔ جس طرح خون کا بدلہ خون، مال کا بدلہ مال، اسی طرح بدنامی کا بدلہ بدنامی۔ جیسے ہم ماں بیٹے کی زندگی ناپاکی کے دلدل میں دھنسی تھی اسی طرح میں نے تمہاری زندگی بدنامی کے جال میں پھسا دی۔“ محمود بیگ سرد مہری سے کہتا ہوا، یاور بخت کے برابر بیٹھ گیا۔

”تو اب کیا چاہتے ہو؟ برابر انتقام تو لے چکے ہو تم۔“ یاور بخت نے اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگ کو بھانپتے ہوئے سوال کیا۔

”انتقام تو پورا ہو گیا۔ اب حق کی باری ہے۔“ محمود بیگ کی مسکراہٹ میں کئی اسرار پوشیدہ تھے۔

”کیسا حق؟“ یاور بخت بری طرح چونکے۔

”جائز و ناجائز کسی کام کے انجام دینے کے طریقۂ کار کے دو رخ ہیں۔ ہمارے باپ نے اپنی اولاد دونوں طریقوں سے پیدا کی۔ نتیجتاً تم جائز وارث ٹھہرے اور میں ناجائز......مگر وارث تو میں بھی ہوں اور اپنے باپ کی جاگیر کا برابر کا حصہ دار ہوں۔ اب یہ تم طے کرو گے یاور بخت کہ میرا حصہ جائز طریقے سے دو گے یا پھر مجھے اپنے باپ کی طرح ناجائز راستہ اختیار کرنا ہو گا۔“ محمود بیگ نے پانسہ پھینکا، یاور بخت کے ہونٹوں کو چپ لگ گئی۔ کچھ دیر تک محمود بیگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے پھر سجل کے مسکراتے ہوئے پُراعتماد سراپے کو دیکھنے لگی۔

”میں تمہیں تمہارا حق دینے کے لیے رضامند ہوں۔ بس ایک شرط ہے میری محمود بیگ۔“ یاور بخت کے لبوں پر ایک پُراسراری مسکراہٹ آئی تھی۔ محمود بیگ اور سجل نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا۔ غالباً ان دونوں کے ہی گمان میں نہ تھا کہ یاور بخت حصہ دینے میں اتنی جلد راضی ہو جائے گے۔

”کیسی شرط یاور بخت؟“ محمود بیگ نے محتاط انداز میں استفسار کیا۔

”میں تمہیں وہ سب کچھ دینے کے لیے راضی ہوں محمود بیگ جو تم چاہتے ہو مگر میری شرط یہ ہے کہ اس ناگن کو تم میرے سپرد کر دو گے۔“ یاور بخت نے سجل کو کاٹ دار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ سجل سر تا پیر لرز گئی۔ اس نے بے یقینی سے پہلے یاور بخت اور پھر محمود بیگ کو دیکھا تھا۔

❀......❀......❀

”کب آ رہے ہیں؟“ قمر جہاں نے دریافت کیا۔

”کبھی بھی، کسی بھی وقت......“ بڑی بیگم نے قمر جہاں کے تاثرات اپنی جہاندیدہ آنکھوں سے جانچتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا وہ ہمیشہ سے ہی ایسے ہیں ایک غیر متوقع انسان رہے ہیں؟“ اس کے سوال پر بڑی بیگم چند ثانیے کی خاموشی اختیار کرنے کے بعد بولیں۔

”نہیں ایسا نہیں تھا وہ......مگر اسے اس کی قسمت نے ایسا بنا دیا۔ غیر متوقع، ناقابل یقین انسان۔ زندگی کے ہر مرحلے نے اسے کڑی آزمائش کے حوالے کر دیا۔ اسی لیے وہ عادی بن گیا ہے، خود سے وابستہ ہر رشتے کو آزمانے کا۔“

”اور اگر کوئی ان کی آزمائش پر پورا نہ اتر سکے تو؟“ قمر جہاں کی آواز خیالوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”تو وہ اسے سزا دیتا ہے۔ ایسی سزا جسے سن کر روح کانپ جائے۔“ بڑی بیگم ماضی کی کسی سنگ دل یاد کے جھروکے میں جھانکتے ہوئے بولیں۔

”آپ نے اسے کبھی روکنے کی کوشش نہیں کی؟ اسے معاف کرنا نہیں سکھایا، درگزر، رحم دلی کیا ان جذبات سے وہ ہمیشہ سے ناواقف ہے۔“ قمر جہاں نے بڑی بیگم کو کریدتے ہوئے کہا۔

”ہماری خاندانی ڈکشنری میں معافی، رحم دلی، درگزر ان لفظوں کا نہ تو کوئی ذکر ہے نہ ہی جگہ ہے قمر......تمہیں ایک مشورہ دوں گی۔ فاریہ اس خاندان کا خون ہے مگر تم دلاور کی بیوی ہو اور بیوی سے خونی رشتہ نہیں ہوتا۔ محتاط رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فاریہ کی نادانیوں پر تم قربان ہو جاؤ۔ اچھی طرح جان لو کہ دلاور کو معاف کرنا نہیں آتا۔“ بڑی بیگم اسے تنبیہ کر کے وہاں سے چلی گئیں۔ قمر جہاں ان کے لفظوں کی سفاکی پر خاموش بیٹھی رہ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

”دیکھو محمود بیگ میں تمہاری باتوں کو حقیقت مان بھی لوں تو میں صرف تمہارا مجرم ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے بابا کا قرض اتار رہا ہوں مگر میرے بابا یا میں اس بدکردار عورت کے قصوروار کسی صورت نہیں۔ میں نے یا میرے خاندان نے اس عورت کا کبھی بھی کچھ نہیں بگاڑا بلکہ یہ عورت میری مجرم بن گئی ہے اور تم کیونکہ انصاف کے خواہاں ہو تو میرے ساتھ بھی انصاف روا رکھو......تم انصاف کرو، اس شر کو میرے حوالے کرو۔ تمہیں تمہارا حق مل جائے گا۔“ یاور بخت نے ذرا آگے کو جھک کر محمود بیگ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ چال بدل چکی تھی۔ کھیل کا حصہ اب یاور بخت بھی بن گیا تھا۔ پہلی چال اس نے ایسی چلی تھی کہ ملکہ گرفت میں آ گئی تھی۔

”محمود بیگ تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اس کی پروا نہ کرو۔ تم مارنا چاہتے ہو نہ اسے۔ آج یہ قصہ تمام کرو۔ اس کے مرتے ہی تمہیں اس کا سب کچھ مل جائے گا۔ یہ محل، یہ جائیداد، کاروبار سب پر تمہارا حق ہے۔ تم حصے دار نہیں حق دار ہو۔“ سجل بازی الٹتی دیکھ کر خوف سے چیخی مگر محمود چپ سادھے رہا۔ یاور بخت نے ایک سرد نگاہ سجل کے پریشان حال وجود پر ڈالی اور پھر محمود بیگ کی جانب جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”جان کا بدلہ جان، مال کا بدلہ مال، زیادتی کا بدلہ زیادتی اسی طرح دھوکے کا بدلہ دھوکہ۔ محمود بیگ اس دھوکے کا مداوا کرو۔ تمہیں تمہارا حق، بنا مانگے لوٹا دوں گا۔“

”محمود بیگ تم منع کیوں نہیں کرتے اسے۔ اس کی پیشکش اس کے منہ پر کیوں نہیں مارتے؟ بتا دو اسے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں اور تم بے غیرت نہیں ہو جو مجھے اس حال میں اس بے درد انسان کے در پر چھوڑ جاؤ۔“ سجل محمود بیگ کو بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی۔

"اولاد کبھی بھی میرا مسئلہ نہیں تھی سجل۔ میرا مسئلہ صرف انتقام اور خاندانی حق تھا۔ اولاد تو میرے اس بھائی کا مسئلہ تھا۔ آج اگر یاور نے میرے مسئلوں کو حل کرنے لگا تو خاندانی خون ہونے کے ناطے میں بھی اپنے بھائی کا مسئلہ سلجھا دوں گا۔" محمود بیگ نے مسکراتی نگاہوں سے یاور بخت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یاور بخت اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بے اختیار مسکرا دیے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا محمود بیگ؟" سجل کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا وہ بے یقینی سے محمود بیگ کو دیکھنے لگی۔

"مطلب بہت سادہ ہے سجل۔ تم یاور کی امانت ہو اور میں اپنے بھائی کی امانت پر نظریں گاڑھوں' اتنا تو بے غیرت نہیں۔" محمود بیگ کی بات مکمل ہوتے ہی کمرے میں یاور بخت اور محمود بیگ کا زوردار قہقہہ گونجا۔ سجل کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح محمود بیگ کی جانب لپکی۔

"ذلیل' کمینے' بے غیرت گھٹیا انسان...... تم نے میرا سودا کر دیا' اپنے بچے کا سودا کر دیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تم نے مجھے بیچ دیا۔"

"جس لڑکی کو اس کا باپ بیچ دے، اسے کوئی بھی بیچ سکتا ہے اور میں نے تمہارے ساتھ کچھ برا نہ کیا۔ تمہارے آگے تمہارا دھوکہ آیا ہے۔" محمود بیگ نے اسے دھتکارتے ہوئے کہا۔ سجل کسی بے مایہ پتھر کی طرح ٹھوکر کھاتی یاور بخت کے قدموں میں جا گری تھی۔

"دل برا نہ کرو سجل...... دھوکہ لوٹ کر واپس آ سکتا ہے۔ اتنے عرصے تک تم مجھے ڈستی رہیں اب خود ڈسے جانے کے لیے تیار رہو۔" یاور بخت نے سفاک لہجے میں اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ سجل کو لگا اس کے نیچے سے زمین سرک گئی ہے اور وہ پاتال میں جا گری ہے۔

❁......❁......❁

"کہیں ایسا نہ ہو کہ فاریہ کی نادانیوں پر تم قربان ہو جاؤ۔" قمر جہاں کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ بڑی بیگم کی تنبیہ ان کے حواسوں پر بری طرح سوار ہو گی تھی۔

"اچھی طرح جان لو کہ دلاور کو معاف کرنا نہیں آتا۔" قمر جہاں کا دل یکبارگی پھر سے دھڑکا۔ وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کہیں میں فاریہ کا ساتھ دے کر کوئی غلطی تو نہیں کر رہی۔ مجھے دلاور کے ماضی کو چھیڑ کر بھلا کیا حاصل ہوگا۔ جو کچھ گزر گیا وہ بدلا نہیں جا سکتا پھر میں کس جستجو میں اس کمرے کے راز جاننے میں فاریہ کی مدد کر رہی ہوں۔ بڑی بیگم ٹھیک کہتی ہیں مجھے ان معاملات سے دور رہنا چاہیے۔" پہلی بار قمر جہاں اس تمام صورت حال کا باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھی۔ بی جی کی باتیں اسے سمجھ آنے لگی تھیں۔ وہ تو اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ بی جی اس کی اور فاریہ کی ان جاسوسی طرز کی سرگرمیوں سے بے خبر ہوں گی مگر آج ان کی باتوں نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ بے خبر نہیں باخبر ہیں۔

"فاریہ واقعی نادان ہے ان زخموں کو کریدنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جن پر کھرنٹ جم گئے ہیں اگر یہ ادھڑ گئے تو صرف تکلیف ہی دیں گے۔ فاریہ تکلیف پر پھاہا رکھنے کے لیے اس گھر میں لوگ موجود ہیں مگر جو تکلیف مجھے حاصل ہوگی اس پر مرہم رکھنے کے لیے کوئی نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے دلاور جو اب تک میرے لیے ایک بہترین ساتھی ثابت ہوا، حقیقت کھلنے پر بدترین شوہر کا روپ دھار لے، پھر میں کیا کروں گی' کہاں جاؤں گی ماں اب حیات نہیں،، بہن شادی شدہ ہے۔ دوسرا کوئی ٹھکانہ نہیں تو پھر کیوں' جو گھر آباد ہے اس کا شیرازہ بکھرنے کی کوشش کروں۔" وہ مضطرب انداز میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"قمر بی بی یہ تو تم جان چکی ہو کہ دلاور کا کردار پراسرار ہے۔ بے شک تم اس کو جاننے کے اسرار میں خود سے ہی بے گانی ہوتی جا رہی ہو مگر یوں سدھ بدھ کھونا بھی اچھی بات نہیں۔ اچھی طرح جان لو قمر کہ تمہارا شوہر ہی اب سب کچھ ہے، ماضی میں وہ جو کچھ بھی کرتا رہا ہو مگر حال میں تو وہ ایک اچھے انسان کے روپ میں تمہارے سامنے ہے۔ تو بس تم حال سے مطلب رکھو۔ ماضی کو بھول جاؤ۔" وہ خود کو سمجھانے لگی۔ دل اب مطمئن ہونے لگا تھا۔ نیند کا خمار بھی آنکھوں میں لوٹنے لگا۔ دلاور کے ماضی سے دور رہنے کا فیصلہ کر کے انہوں نے اطمینان سے خود کو بستر کے سپرد کر دیا تھا۔

اگلے دن شفٹ سے واپسی پر فاریہ نے اسے کال کر کے حماد کی طرف جانے کے متعلق پوچھا تو قمر جہاں نے طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا فاریہ اکیلے ہی حماد کے گھر چلی گئی۔

"ارسل بھائی کی طبیعت اب کیسی ہے فیروز انکل؟" اس نے ان کے روبرو بیٹھ کر فکرمندی سے سوال کیا۔

"وہ ہوش میں آ گیا ہے۔ میرے مالک کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اب وہ پہلے سے کافی بہتر ہے۔ تمہیں حماد نے بتایا تو ہوگا۔ ہسپتال سے اب ڈسچارج ہو گیا ہے ارسل۔" فیروز حسن نے مطمئن سے انداز میں اسے بتایا۔

"اوہ......! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ ارسل بھائی کے ڈسچارج ہونے کا مطلب ہے کہ اب وہ مکمل طور پر ٹھیک ہیں۔" اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہت کڑا وقت دیکھا، بڑی سخت آزمائش تھی مگر اللہ نے سرخرو کیا۔ اسے واپس لوٹا دیا۔ ماریانہ اور حماد نے سمجھو جان لڑا دی اسے واپس لانے میں اور اب بھی وہ دونوں ہی اس کی فزیو تھراپی وغیرہ کروا رہے ہیں۔" فیروز حسین اسے مزید تفصیلات بتانے لگے۔ کہتے ہوئے وہ یوں ہی پوچھ بیٹھے۔

"تمہاری بات تو ہوتی رہتی ہوگی حماد سے؟ اس نے تمہیں کچھ بتایا نہیں۔"

"اب تک اس سے بات ہی نہیں ہو پائی جب بھی کال کی میں نے' شبنم سے ہی بات ہوئی اور وہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر بات ختم کر دیتی ہے۔" اس نے شبنم کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شکایتی لہجہ اختیار کیا۔

"اوہ یہ بات ہے۔ میں حماد سے بات کروں گا کہ تمہیں کال کرے۔ شبنم ابھی میچور نہیں ہے اس کے ان رویوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ تم دل پہ مت لو۔" وہ اس کی شکایت پر اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"نہیں میں تو بس یوں ہی کہہ رہی تھی انکل' اماں بی کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں۔" اس نے نظریں دوڑاتے ہوئے دریافت کیا۔

"نماز پڑھ رہی ہیں بیٹا۔ جب سے ارسل کی خیریت کی خبر ملی ہے تب سے رضیہ بی بی کے شکرانے کے نفل ہی نہیں پورے ہو رہے۔" فیروز حسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ...... اچھا اچھا...... میں ملنا چاہتی ہوں ان سے۔ کیا مل سکتی ہوں؟" اس نے مسکرا کر اجازت چاہی۔

"ہاں کیوں نہیں۔ اپنے کمرے میں ہیں وہ۔ تم ان سے جا کر مل سکتی ہو۔" فیروز حسن کے کہنے پر وہ رضیہ بی بی کے کمرے میں آ گئی۔ وہ مصلیٰ پر بیٹھیں اللہ کے حضور ارسل کے لیے عاجزی سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھیں۔ وہ خاموشی سے مسہری پر بیٹھ گئی۔

"اوہ......! تم کب آئیں؟" رضیہ بی بی مصلیٰ سے اٹھیں تو اسے کمرے میں موجود پا کر حیران ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

"بس کچھ دیر پہلے۔ جب آپ دعا مانگ رہی تھیں۔" فاریہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"اچھا...... خیریت ہے ناں؟ مجھ سے ملنے آئی ہو۔" وہ اس کا چہرہ بغور پڑھتے ہوئے بولیں۔

"آج پھر ایک سوال لائی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس بار آپ سوال کا جواب ضرور دیں۔" فاریہ نے بھی بناء ہیر پھیر کے اپنے آنے کا مدعا ان کے سامنے پیش کیا۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی فاریہ اور دعا بھی یہ ہی کروں گی کہ تمہیں اس کھوج میں ہمیشہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑے۔ ماضی بہت بھیانک ہے، مردہ نہیں ہے سویا ہے۔ مت جگاؤ فاریہ...... ورنہ کچھ باقی نہ رہے گا۔ نہ میں، نہ تم......" رضیہ بی بی نے اس بار اسے متانت سے سمجھایا۔ ان کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ پچھلی ملاقات کو لے کر کافی سنجیدگی سے سوچتی رہی ہیں۔

"کیا مجھے حق نہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے حوالے سے کچھ جانوں۔ اپنے خاندان کی تاریخ کو سمجھوں۔" فاریہ برامناتے ہوئے جذباتی انداز میں گویا ہوئی۔

"ہر انسان کو حق ہے مگر مصلحت بھی کوئی چیز ہے بیٹا اور بہتر یہی ہے کہ تم اس کھوج کو ترک کردو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔" رضیہ بی بی نے نرمی سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے ترک کردوں گی۔ بس اتنا بتادیں کہ یہ نیلم کون تھی' میرا اس سے کیا رشتہ تھا' کیا وہ میری ماں تھی؟" فاریہ نے ان کی ہر بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ رضیہ بی بی چونکیں۔

"تمہیں اس کے نام کا علم کیسے ہوا؟" وہ بہ مشکل کہہ پائیں۔ فاریہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ اندر ہی اندر خوش ہوئی۔

"یہ بتانا ضروری نہیں کہ کیسے معلوم ہوا۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ نیلم کون تھی۔ کیا میری ماں تھی؟" اس نے ایک بار پھر اپنے سوال پر زور دیا۔

"نہیں، وہ تمہاری ماں نہیں تھی۔ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی سچ ہے' یہی حق ہے اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتاسکتی فاریہ۔" انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر اسے جواب دیا اور اس کی جانب سے منہ موڑ گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ میرا نیلم سے کوئی تعلق نہیں اور میرے باپ کا؟" اس نے چبھتا ہوا سوال کیا۔ رضیہ بی بی کا چہرہ پل بھر میں لٹھے کی مانند سفید ہوگیا۔

"تم انجان ہی نہیں نادان بھی ہو فاریہ۔ یہ کھوج چھوڑ دو۔ ورنہ سخت خسارے میں رہو گی نہ خونی رشتے تمہارے ساتھ رہیں گے نہ ہی محبت تمہارا ساتھ دے گی۔ سب کچھ نیست و نابود ہو جائے گا۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو تم۔" بالآخر رضیہ بی بی جھنجھلا کر غصہ ہوئیں۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے یہ ڈانٹ میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔ یہ لہجہ، یہ انداز میرے لیے نیا نہیں۔" فاریہ اس کے غصے پر شدید الجھن کا شکار ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

سان سلبستیان میں صبح کسی سنہرے پھول کی مانند کھلی تھی۔ ہر سُو سونے جیسے ذرات کرنوں کے بطن سے پھوٹتے ہوئے شہر بھر میں بکھر گئے تھے۔ حتیٰ کہ کونچا کا سمندر بھی اپنا نیلگوں رنگ کھو چکا تھا۔ یوں گمان ہوتا تھا جیسے کسی سنہار نے ساگر پر سونے کا پانی چڑھا دیا ہو۔ وہ ننگے پاؤں بھر بھری ریت پر اپنے قدموں کے نشان بناتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مسکرا رہی تھیں اور سامنے منظر پر جمی ہوئی تھیں۔ ماریانہ آسمانی رنگ کے گاؤن میں ملبوس، شبنم کے ساتھ ریت کا گھروندہ بنا رہی تھی۔ گرینی قریب ہی چٹائی بچھا کر بیٹھیں' سینڈوچز بنانے میں مصروف تھیں۔ ان کے مہربان چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح موجود تھی۔ گاہے بگاہے وہ ایک نظر ماریانہ اور شبنم پر ڈال جاتیں۔ چند ایک بار انہوں

نے موبائل پر گفتگو میں مصروف حماد کو بھی مسکرا کر دیکھا تھا پھر انہوں نے فضاء میں ہاتھ بلند کرکے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا اور وہ ان کے اشارے کی تقلید کرتا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اپنی ہستی مسکراتی دنیا کی جانب بڑھنے لگا۔

اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد کئی دنوں تک اس کی فزیوتھراپی ہوتی رہی تھی۔ یہ حماد کی محبت اور محنت ہی تھی جو وہ فزیوتھراپی کے مرحلے سے اتنی جلد گزر کر یوں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا تھا اور اسے مزید ذہنی کثافت اور تھکاوٹ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ماریانہ نے کونچا کے ساحل پر آج پکنک منانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، جیسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ سب اس پل یہاں موجود تھے۔ وہ ان سب سے کچھ دیر قبل کچھ پل کے لیے جدا ہوا تھا۔ ساحل کنارے ٹہلتے ہوئے اس نے گہری سانس کو اپنے اندر اتارا تھا۔ اسے اینا پاول شدت سے یاد آئی تھی۔ کونچا کے ساحل پر اس کے ساتھ بتایا وقت بند آنکھوں کے پردے پر کسی فلم کی مانند چلنے لگا تھا۔ بس کچھ دن قبل کی تو بات تھی وہ زندہ تھی اور اس بیچ پر اس کے ہمراہ تھی۔

"لوگ چلے جاتے ہیں مگر یادیں اپنی چھوڑ جاتے ہیں اور ان ہی یادوں کے سہارے پیچھے رہ جانے والے اپنی زندگی کے ایام پورے کرتے رہتے ہیں۔" ارسل نے اداسی سے سوچا۔

"ارسل...... ارسل...... اب آ بھی جاؤ ناں۔" ماریانہ اسے بلا رہی تھی۔ اس نے ریت کا انتہائی خوب صورت گھروندہ بنایا تھا اور اب اسے دکھانا چاہتی تھی۔ ارسل مسکراتے ہوئے تیز قدموں سے اس کی جانب بڑھنے لگا۔

"میں دوسروں کو ان کی منزلوں تک پہنچاتے پہنچاتے بہت تھک گیا ہوں۔ اب صرف اپنی منزل کی جانب بڑھنا چاہتا ہوں۔ ماریانہ اب صرف تمہاری راہ پر چلنا چاہتا ہوں۔" وہ دل ہی دل میں ماریانہ سے ہم کلام ہوتا اس کے نزدیک آ گیا۔

"دیکھو ارسل' کتنا پیارا گھر بنایا ہے میں نے۔ کھڑکی، دروازے، آنگن، باغیچہ...... سب کچھ ہے اس میں۔" وہ خوش ہوتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ارسل اس کے قریب بیٹھا گیا۔ گھروندے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ ہولے سے بولا۔

"ماریانہ کیا ہم اس ریت کے گھروندے میں رہیں گے۔"

"نہیں تو...... یہ تو بس یوں ہی بنایا ہے میں نے، بچپن سے شوق ہے مجھے ریت کا گھروندہ بنانے کا...... تو بس ایسے ہی بنادیا۔" ماریانہ خجالت سے کہنے لگی۔

"لیکن اب تو بچپن گزر گیا۔ زندگی اب اس موڑ پر لے آئی ہے ہمیں جہاں ہمیں اب سچ مچ کا اپنا گھر بنانے کی ضرورت ہے......" وہ اس کے نرم گلابی ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولا۔ ماریانہ کے ہاتھوں میں ریت بھری ہوئی تھی۔ جو ارسل کے مضبوط ہاتھوں میں بھرنے لگی' ماریانہ کی نیلی آنکھوں نے مسکرا کر ارسل کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"گھر اکیلے نہیں بنتا ارسل...... اس کے لیے کسی کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے۔ محبت' بھروسا' اعتماد' رفاقت چاہیے ہوتی ہے پھر گھر دیکھتے ہی دیکھتے بن جاتا ہے۔"

"کیا یہ ساتھ کسی کا بھی چاہیے ہوتا ہے یا پھر ایک خاص بندے کا؟" ارسل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ نہیں جانتی کہ دوسروں کی زندگی میں ایک خاص انسان کی ذات کس حد تک مرہون منت ہوتی ہے ہاں مگر یہ وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ میری زندگی میں بس ایک ہی انسان ہے جو بہت خاص ہے۔ بس اسی کا ساتھ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چاہیے۔" ماریانہ نے دھیمی سی مسکان چہرے پر سجائے کہا۔

"یوں چاہتوں کا اقرار نہ کیا کرو...... میں پریشان ہوجاتا ہوں۔" اس کی بات پر ارسل نے بے تابی سے کہا۔

ماریانہ اس کی بات پر چونکی۔ پریشانی سے پوچھا۔

''پریشان ہونے لگتے ہو مگر کیوں......؟ میری چاہتوں کا اقرار تمہیں پریشان کیوں کر رہا ہے ارسل؟''

''کیونکہ میں ختم ہو رہا ہوں۔ غرق ہو رہا ہوں۔ اپنا آپ کھو رہا ہوں۔ تمہارے رنگ میں ڈھل رہا ہوں۔ میں چشم ماریانہ میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔'' چاہتوں کے اقرار کا جواب کچھ ثانیے کے لیے ماریانہ کو بھی گنگ کر گیا۔ کئی خاموش پل ان دونوں کے درمیان کسی ساز، سنگم سروں کی مانند محبت کا گیت گنگناتے ہوئے دبے پاؤں گزر گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی سحر انگیز آنکھوں میں کھو گئے تھے اور پھر ریت کا گھروندہ، شبنم کے قدم غلطی سے پڑنے کے باعث بُری طرح ڈھے گیا۔

''اوہ شبنم...... تم نے یہ کیا...... میرا گھر توڑ دیا؟'' ماریانہ اسے ٹوکے بناء نہیں رہ سکی۔

''اوہ سوری آپی...... غلطی ہوگئی۔ میں بابا جانی کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔ تب ہی پتا نہ چل سکا اور یہ مٹی کا گھر ٹوٹ گیا۔ سو سوری آپی۔'' شبنم ہلکے پھلکے انداز میں معذرت کرتی موبائل پر مصروف ہوگئی۔ ماریانہ اس کے لاابالی انداز محض دیکھ کر رہ گئی۔

''اداس نہ ہو...... مٹی کا گھر کسی کی بھی غلطی سے ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ ہم اپنے گھر کی بنیاد اعتماد پر رکھیں گے۔ بے لوث چاہتوں سے در و دیوار رنگیں گے، ایک دوسرے کے لیے ہمارے دلوں میں بستی عزت ہمارا سائبان ہوگا پھر کوئی بھی ہمارے گھر کو نقصان نہیں پہنچائے گا ماریانہ۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے ماریانہ کے گلابی ہاتھوں سے ریت جھاڑنے لگا۔

''ایسا ہی ہوگا۔ بالکل ایسا ہی ہوگا ارسل، ہماری محبت اتنی طاقت ور ہوگی کہ کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔'' ماریانہ نے ارسل کے شانے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ اس کی اس حرکت پر ارسل نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر کہا۔

''تم بہت اچھی ہو ماریانہ...... بالکل میری ماما جیسی۔'' ماریانہ نے اس کی بات پر چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہولے سے مسکرا دی۔

''واہ...... جناب دو ہستیوں کا جوڑا...... اونہوں اونہو......'' حماد کی اچانک آمد اور شوخی سے بھرپور جملے نے ان دونوں کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔

''ارے ارے...... گھبرائیں نہیں، میں تو بس بابا جانی سے بات کروانے کے لیے یہاں حاضر ہوا تھا ورنہ کباب میں ہڈی بننا تو مجھے بالکل بھی نہیں پسند۔'' حماد ان دونوں کی ہڑبڑاہٹ دیکھ کر محظوظ ہوتا کہنے لگا۔ اس کی شرارت پر وہ دونوں بھی ہنس دیئے تھے۔

''بڑے شرارتی ہو گئے ہو تم۔ لگتا ہے جلد تمہاری کھنچائی بھی کروانی پڑے گی۔'' ارسل نے ہنستے ہوئے حماد کے سر پر ایک چپت رسید کی۔

''بھیا جانی...... پلیز ماریانہ آپی کے سامنے، مجھے یوں زدوکوب کرنے سے پرہیز کریں۔'' حماد نے مصنوعی خفگی سے کہا اور مدد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے ماریانہ کو اشارے کرنے لگا۔ ماریانہ نے بھی جھٹ اس کی درخواست قبول کی اور فوراً ارسل سے مخاطب ہوئی۔

''دیکھو ارسل تمہیں شاید خبر نہیں کہ حماد اب تمہارا بھائی کم اور میرا بھائی زیادہ ہے اور ہاں میں اب اس کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی برداشت کرنے والی نہیں۔''

''واہ بھئی واہ...... ارسل میاں آپ نے ذرا دیر کو آنکھیں کیا بند کیں، لوگوں نے تو رشتے ہی بدل لیے...... واہ ری دنیا تیرے لوگ نیارے۔'' ارسل خلاء میں تکتے ہوئے انتہائی متاثر کن انداز میں بولا۔

''بھیا جانی یہ فلاسفی چھوڑیں اور بابا جانی سے بات کریں۔ کب سے منتظر ہیں آپ کے۔'' حماد نے ہنستے ہوئے کہا اور موبائل پکڑا کر وہاں سے چلا گیا۔

''السلام علیکم! بابا جانی۔'' ارسل نے ویڈیو کال پر فیروز حسن کو دیکھتے ہوئے پُرجوش سے انداز میں کہا۔

''وعلیکم السلام بابا کی جان...... میرے شہزادے، میرے دل کے چین۔'' فیروز حسن فرط جذبات کے عالم میں کہتے چلے گئے۔ ان کی نگاہوں میں محبت، آنسوؤں کی صورت جھلملا رہی تھی۔ ارسل انہیں محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بھی ہو گئے تھے۔ ان کا ہشاش بشاش چہرہ، تھکان سے بھرپور نظر آ رہا تھا۔ وہ جب سے ہوش میں آیا تھا۔ تب سے کال پر ان سے بات کرتا رہا تھا مگر ویڈیو کال پر آج بات ہو رہی تھی۔

''آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں بابا۔ یوں لگتا ہے کہ بہت بیمار رہے ہیں۔ آپ اپنا خیال نہیں رکھتے ناں بابا جانی؟'' اس نے فکرمندی سے کہا۔ اس کے یوں پریشان ہونے پر وہ ہولے سے مسکرائے اور کہا۔

''جانتے تو ہو ارسل، تم میں میری جان بستی ہے مگر احساس نہیں کرتے تم، اس حال تک خود کو پہنچا دیتے ہو کہ بس میری جان نکلنے کی کسر باقی رہ جاتی ہے۔'' فیروز حسن آزردگی سے بولے۔ ان کی بات پر ارسل بری طرح تڑپ اٹھا۔

''بابا جانی پلیز، ایسی باتیں نہیں کریں، میں جانتا ہوں مجھ سے بہت سی غلطیاں، کوتاہیاں ہوئی ہیں مگر اب میں ہرگز آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ آپ بس اپنا خیال رکھیں۔ آپ جانتے ہیں ناں بابا جانی آپ کا ساتھ میرے لیے کتنا اہم ہے۔'' وہ محبت کے احساس میں گھرا فیروز حسن سے اپنی کیفیات بیان کرنے لگا۔

''اچھا اچھا اب زیادہ جذباتی نہ ہو...... یہ بتاؤ ماریانہ بیٹی کیسی ہے؟'' فیروز حسن فوراً لہجے میں بشاشت لاتے ہوئے بولے۔

''یہ رہی آپ کی بیٹی اور مجھے لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ کو یہ عزیز ہے اب۔'' ارسل نے ہنستے ہوئے کیمرے کا رخ ماریانہ کی جانب کر دیا۔

''السلام علیکم! انکل کیسے ہیں آپ؟ آپ نے دیکھا ارسل کو ہم باپ بیٹی کے پیار سے کتنی جلن ہو رہی ہے۔'' ماریانہ نے فیروز حسن کو سلام کرتے ہوئے ارسل کی کھنچائی بھی کی۔

''ارے سنا اور دیکھا بھی ہے، بھئی جلنے دو زمانے کو، ہمیں پروا ہی نہیں۔ میرے لیے میری بیٹی کا ساتھ ہی کافی ہے۔'' فیروز حسن ہنستے ہوئے بولے تو ارسال بھی مسکرا دیا تھا۔

''تم بے انتہاء شکی اور وہمی لڑکی ہو۔ یہ شک اور وہم تمہیں بہت نقصان پہنچائے گا فاریہ۔ میں تمہیں ہزار بار کہہ چکی کہ ماضی نہ کریدو۔ جو جان چکی ہو۔ اسی پر بس کرو۔ شبنم، نیلم اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' رضیہ بی بی اس کے سوالوں سے بری طرح چڑ گئی تھیں۔

''رضیہ بی بی ایک بات یاد رکھیں۔ پیچھا تو میں چھوڑنے والی نہیں۔ یہ ساری حقیقت تو میں معلوم کر کے رہوں گی۔ یہ نیلم کون ہے، میرے خاندان سے اس کا کیا تعلق ہے اور شبنم کی حقیقت آخر ہے کیا۔ یہ تو میں معلوم کر کے رہوں گی۔ اتنا تو میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ نے میرے خاندان کے ساتھ ضرور کوئی زیادتی کی ہے۔ تب ہی حقیقت پر یوں پردہ ڈالے بیٹھی ہیں۔ صرف ایک بار مجھے اس گھر میں آ جانے دیں پھر میں اس قدر مجبور کر دوں گی آپ کو کہ ہر حقیقت آپ خود مجھے بتائیں گی۔'' فاریہ شدید طیش کے عالم میں کہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''یہ...... یہ تو بالکل اپنے باپ جیسی ہے۔ اُف میرے اللہ بچپن میں تو یہ ایسی نہ تھی پھر کیسے......؟ یہ اگر اس گھر میں

آ گئی تو تباہی ہو جائے گی اور یہ کون ہے، کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے...... یہ اس کے گھر کے لوگوں کو پتا چل گیا تو پھر قیامت برپا ہو جائے گی میرے مولا۔" رضیہ بی بی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

فاریہ انتہائی ناخوشگوار انداز میں رضیہ بی بی کے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے فیروز حسن صوفے پر براجمان تھے اور انتہائی خوشگوار انداز میں وڈیو کال پر مصروف تھے۔ وہ اسے لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر بے ساختہ کہہ گئے۔

"آؤ فاریہ...... ادھر آؤ۔ سان سیاستیان میں بات ہو رہی ہے۔ وہاں ارسل، حماد، شبنم، ماریانہ کے ہمراہ ساحل کنارے پکنک منا رہے ہیں۔"

"اچھا...... واقعی؟" فاریہ پُراشتیاق انداز میں ان کی جانب بڑھی۔ چند لمحوں والی بےزاری ایک دم ختم ہو گئی تھی۔

"ارسل، ماریانہ...... بھئی ان سے ملو۔ یہ ہیں فاریہ۔ ہمارے حماد کی خاص دوست۔" وہ ارسل اور ماریانہ سے اس کا خوشگوار انداز میں تعارف کروانے لگے۔ وہ دونوں فاریہ سے بات کرنے لگے مگر فاریہ کی نظریں ان کے عقب میں موجود حماد اور شبنم پر تھیں۔ وہ دونوں اردگرد سے بےنیاز ایک عمر رسیدہ عورت کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ حماد نے سینڈوچ کھاتی ہوئی شبنم کو چھیڑا اور وہ منہ پھلا کر بیٹھی تو حماد اب اسے منانے کی کوشش میں سینڈوچ اس کے ہاتھ سے چھین کر ساحل کی جانب بھاگنے لگا۔ شبنم کھلکھلاتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی...... فاریہ کی آنکھوں میں مرچیاں سی بھر گئی تھیں۔

"اوکے فاریہ...... بہت اچھا لگا تم سے بات کر کے پھر بات ہو گی تم سے۔" ماریانہ نے اس کی بےتوجہی محسوس کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ کال منقطع کر کے فاریہ فیروز حسن سے اجازت لیتی وہاں سے چلی گئی۔

"تم سے مجھے پہلی نظر میں ہی نفرت تھی شبنم اور آج یہ نفرت مزید بڑھ گئی ہے۔ تم مجھے حماد سے دور کر کے اس کے قریب رہنا چاہتی ہو۔ ہونہہ...... گھٹیا لڑکی تمہاری حقیقت تو میں معلوم کر کے ہی رہوں گی اور حماد سے شادی ہو جانے دو پھر دیکھنا میں تمہارے ساتھ کرتی کیا ہوں۔" گاڑی بخت محل کی جانب رواں کرتے ہوئے شدید غصے کے عالم میں وہ بڑبڑائی۔ پہلے رضیہ بی بی اور اب شبنم نے اس کی سوچ کے دھاروں کو کسی اور ہی راہ پر موڑ دیا تھا۔

❁......❁......❁

"کتنے اچھے لگ رہے ہیں ناں یہ دونوں ساتھ؟" گرینی کافی دیر سے ان دونوں کو ایک دوسرے کی ہم راہی میں ساحل کنارے چہل قدمی کرتا دیکھ رہی تھیں۔ بالآخر اپنے دل کی بات حماد سے کہہ گئیں۔ ذرا فاصلے پر موجود شبنم جو موبائل سے تصاویر کھینچنے میں مصروف تھی۔ ان کی بات پر چونکتے ہوئے ارسل اور ماریانہ کو دیکھنے لگی۔ دل میں ایک ہمک سی اٹھی۔

"کاش اسے بھی حماد کا حوالہ دے کر سراہا جائے۔" اسی خواہش کے تحت وہ وہاں سے اٹھ کر حماد کے نزدیک نامحسوس انداز میں آ بیٹھی۔

"ایسا لگ رہا ہے گرینی، جیسے وہ دونوں بنے ہی ایک دوسرے کے لیے ہوں۔" حماد نے بھی مسکراتے ہوئے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس پل اسے فاریہ بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔ وہ شام جب کراچی کے ساحل کنارے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چہل قدمی میں مصروف تھے۔ کتنا حسین پل تھا وہ۔ ڈھلتا ہوا سورج اور فاریہ کا خوب صورت ساتھ۔

"کاش تم اس پل میرے ساتھ ہوتیں۔ زندگی کتنی مکمل اور پُرسکون ہو جاتی پھر میری۔" حماد نے تصور میں فاریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بڑی دلکش سی مسکان تھی۔ شبنم کی نگاہ اچانک ہی حماد کے چہرے پر جا ٹھہری۔ وہ کھوسی گئی۔ کونچا بیچ میں اس پل اسے حماد سے زیادہ اہم اور پُرکشش نظارہ کوئی اور نہیں لگ رہا تھا۔

"فاریہ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ وہ باتیں جو پہلے بھی کئی بار تم سے کر چکا ہوں اور وہ بھی جواب تک ان کہی ہیں۔" حماد فاریہ کی تصویر موبائل میں یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ تصور میں ہی وہ اس سے مخاطب تھا۔ شبنم نے اس کا ارتکاز موبائل پر مرکوز پا کر ذرا سا جھانک کر دیکھا اور جی جان سے جل کر رہ گئی۔ فاریہ کا دلکش مسکراتا چہرہ اس پل اسے دنیا کا بدصورت ترین چہرہ لگا۔

"فاریہ اب سب کچھ پرفیکٹ ہے۔ بھیا جانی اب صحت یاب ہو گئے ہیں اور ماریانہ آپی جیسی بہترین، پُروقار لڑکی ان کی زندگی میں شامل ہو گئی ہیں۔ سب کچھ میرے رب نے بہت خوب صورتی سے مکمل کر دیا ہے۔ اب اگر میری دنیا میں کوئی کمی ہے تو وہ ہے تمہاری اور دیکھنا تم، بہت جلد میں اس کمی کو بھی مکمل کر دوں گا۔ بہت جلد تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرلوں گا۔" وہ خود سے ہی نہیں فاریہ سے بھی عہد کر رہا تھا۔ فاریہ سے بات کرنے کی غرض سے وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ شبنم اسے دور جاتا دیکھتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں یاس و حسرت اور بےبسی پوشیدہ تھی۔ گرینی جو کافی دیر سے اسے گم سم بیٹھا دیکھ رہی تھیں اور خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہی تھیں۔ حماد کے وہاں سے جاتے ہی اس سے مخاطب ہوئیں۔

"بہت پیار کرتی ہو ناں تم حماد سے؟" گرینی کے سوال پر وہ بری طرح چونک گئی۔ آہستگی سے وہ اثبات میں سر بھی ہلا گئی۔

"بہن بھائیوں کا رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے۔ بہت انمول، بہت پاکیزہ اور گہرا۔" گرینی نے اپنے مخصوص مہربان انداز میں اس آفاقی رشتے پر تجزیہ کیا۔ شبنم ان کی بات پر بری طرح چونکی۔

"مگر میں اور حماد بھائی بہن نہیں ہیں۔" بےساختگی میں اس کی زبان سے پھسلا۔

"پھر کون ہیں؟ حماد نے تو یہی بتایا تھا کہ بہن ہو اس کی۔" گرینی کو تعجب نے آ گھیرا۔

شبنم جز بز ہوتی انہیں دیکھتی رہی۔ زبان سے نکلا جملہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ وہ کون تھی۔ ایک پرانی گھریلو ملازمہ کی نواسی۔

"کزن ہوں...... ہم ساتھ رہتے ہیں۔ حماد نے تب ہی بہن کہہ دیا ہوگا۔" بروقت اسے یہی جواب سوجھا۔ تو آہستگی سے کہہ دیا۔ گرینی اس کی بات پر اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

❁......❁......❁

فاریہ گاڑی سے اتر ہی رہی تھی کہ حماد کی کال نے اسے موبائل کی جانب متوجہ کر دیا۔ وہ لب بھینچے غصے کے عالم میں اسکرین کو گھورتی رہی۔ حماد سے اسے فی الوقت بات کرنی ہے یا نہیں...... وہ اسی سوچ میں مبتلا تھی اور پھر دل نے بڑی نادانی کے عالم میں فیصلہ سنایا۔

"بالکل بھی نہیں کرنی چاہیے بات۔ حماد کو اس بددماغ شبنم سے بات کرنے کی، اس کے ساتھ وقت بتانے اور مجھے بھلانے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔" حماد کی مسلسل آتی کال کا سلسلہ بند کرنے کی غرض سے اس نے موبائل بند کر دیا۔ مزاج ہنوز برہم تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا قمر جہاں کے کمرے میں داخل ہوئی۔

قمر جہاں اسی پل غسل خانے سے نہا کر نکلی تھی۔ اس کا نکھرا نکھرا وجود، بھینی بھینی خوشبوؤں میں مہکتی بھیگی زلفیں اور تن پر سجا دیدہ زیب جوڑا فاریہ کو سخت حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"آپ تو کہہ رہی تھیں کہ طبیعت خراب ہے جبکہ مجھے تو آج آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بجی سنوری محسوس ہو رہی ہے۔" وہ طنز کیے بنا نہ رہ سکی۔ قمر جہاں نے اسے ایک نظر سنجیدگی سے دیکھا۔

"تمہاری دادی نے تمہیں بتایا نہیں؟"

"کیا نہیں بتایا دادی نے؟" فاریہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا باپ آنے والا ہے۔ کبھی بھی، کسی بھی وقت ہوسکتا ہے کہ ابھی یا پھر رات میں یا صبح سویرے اور اپنی آمد کے بعد اگر اس نے مجھے گھر پر نہ پایا تو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میری غیر موجودگی اسے کس قدر مشتعل کردے گی۔" قمر جہاں اپنی بات مکمل کرکے اپنے بالوں کو خشک کرنے لگی۔

"واہ......! تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ پاپا کے غصے سے آپ ڈر گئیں اور اسی لیے میرے ساتھ نہیں گئیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب آپ اس کھوج میں مزید میرا ساتھ بھی نہیں دے پائیں گی قمر جہاں۔" فاریہ کھردرے لہجے میں ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

"بہت سمجھ دار ہو...... بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔" قمر جہاں نے اس کا لہجہ، اس کا طنز نظر انداز کرتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔

"مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی قمر۔ میری تلاش میں ایک آپ ہی میرے ساتھ تھیں اور آج اپنے مفاد کے لیے آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی۔ بہت بزدل ہیں آپ۔" غصے اور طنز کے بعد وہ ان کی ہتک پر اتر آئی۔

"تو کیا تم نہیں ہو بزدل؟ اتنی بہادر ہو کہ اپنے باپ کے غیض و غضب کے سامنے ڈٹ جاؤ، کھڑی رہ پاؤ۔ تم تو اپنی ہو دلاور کی۔ تمہاری محبت میں تو وہ ممکن ہے کہ سو خون بھی معاف کردے مگر میں بیوی ہوں۔ بیوی کو معاف کرنے کی عادت نہیں ہے تمہارے باپ میں۔" قمر جہاں، فاریہ کی مسلسل بدتہذیبی پر غصے سے چراغ پا ہوتی ہوئی بولیں۔

"یہ...... آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کس نے کہا یہ سب آپ سے؟"

"تمہاری دادی نے۔ سب جانتی ہیں وہ۔ کسی بات سے بھی بے خبر نہیں ہیں۔ اس عمر میں بھی ان کی نظر گھر کے ہر فرد پر مرکوز ہے۔ یہ ہماری غلطی تھی جو انہیں لاعلم اور بے خبر سمجھتے آرہے تھے۔ وہ مکمل طور پر باخبر اور باعلم ہیں۔" قمر جہاں اب مکمل طور پر فاریہ کی جانب متوجہ تھی۔ فاریہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گئی۔

"اور ہاں اگر تمہیں اتنی ہی کھوج ہے اپنے ماں باپ کے ماضی کی تو میں تمہیں سب سے آسان راستہ بتاتی ہوں۔ جاؤ جا کر اپنی دادی سے پوچھو وہ تمہارا اگلا پچھلا بہت خوب جانتی ہیں ورنہ اپنے باپ سے پوچھو کہ تمہاری ماں کون تھی اور نیلم کون ہے۔" وہ غصے سے کہتی اس کی جانب سے رخ موڑ کر اپنے بالوں کو سلجھانے لگی۔

"آپ کے مشوروں کے لیے بہت شکریہ۔" فاریہ چیخ کر کہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ ایک زوردار آواز سے بند ہوا تھا۔ قمر جہاں بے بسی سے سر تھام کر رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

"تمہیں معلوم ہے ارسل، میں بہت ڈر گئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں تمہیں کھونے والی ہوں۔ تم بالکل ہوش و خرد سے بیگانے ہوگئے تھے۔ تمہیں کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔ میری بھی نہیں......" وہ ارسل کا ہاتھ تھامے ریت پر چل رہی تھی۔

"ایک بات پوچھوں ارسل؟" ارسل کو خاموش پا کر اس نے جھجکتے ہوئی پوچھا۔

"پوچھو ماریانہ۔ اجازت کیوں مانگ رہی ہو۔ تم بناء اجازت کوئی بھی سوال پوچھ سکتی ہو۔" ارسل نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا اینا پاؤل کا صدمہ اتنا گہرا تھا کہ تم نے ہم سب سے دامن چھڑانے کی کوشش کی؟" ماریانہ نے اس کی

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کھو دینے سے ڈر لگتا ہے ماریانہ۔ میں نے اپنا بہت ہی قیمتی رشتہ، اپنی ماں کو اسی طرح کے ایک حادثے میں کھو دیا تھا۔ صدمہ بہت شدید تھا۔ بہت وقت لگا مجھے سنبھلنے میں، سنبھل بھی گیا تو ڈر دل میں بیٹھ گیا۔ جن سے میں بہت محبت کرتا تھا۔ میرے بابا جانی، حماد، اماں بی، شبنم...... ان سب سے میں دور ہوگیا۔ مجھے لگتا تھا کہ میں جن سے زیادہ محبت کرتا ہوں وقت انہیں مجھ سے چھین لیتا ہے۔ بس اسی لیے میں نے خود کو تنہا کرلیا پھر تم مل گئیں مجھے...... نہ جانے کیا بات ہے تم میں، تم سے میں دور نہیں رہ پایا۔ تمہارے معاملے میں مکمل طور پر بے بس ہوگیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں اس ڈر سے آزاد ہونے لگا اور پھر اینا...... وہ مجھے اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگی اور میں اس کی تبدیل شدہ شخصیت سے متاثر ہونے لگا تھا۔ پورے خلوص کے ساتھ اس کی مدد کی ٹھان لی اور پھر وقت نے اسے بھی مجھ سے چھین لیا۔ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوا۔ ایک بار پھر میں اسی اسٹیٹ آف مائنڈ میں جا پھنسا، جس کا پہلے شکار ہوا تھا۔ میں نے تم سب سے دامن چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ بس خوف زدہ ہو کر یادوں میں جینے لگا تھا۔" ارسل دھیرے دھیرے اسے اپنی کیفیت سمجھانے لگا۔ وہ اتنے دنوں میں بہت اچھی طرح جان گیا تھا کہ ماریانہ اور حماد اس کے لیے کتنا پریشان اور ہلکان رہے ہیں۔ جتنے خلوص اور محنت سے اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹانے کی کوشش ان دونوں نے کی تھی، ارسل ان کی محبتوں کا مقروض ہوگیا تھا۔

"لیکن یادوں کی دنیا میں چند پل تو گزارے جاسکتے ہیں، مگر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ اسی لیے میں اور حماد تمہیں واپس لے آئے۔ ہماری دنیا میں۔" ماریانہ نے اس کے کاندھے پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے محبت سے کہا۔ ارسل اس کے اس اپنائیت اور مان کے اظہار پر مسکرا کر دیکھنے لگا۔

"میں تم لوگوں کے لیے ہی تو لوٹ آیا ہوں ماریانہ اور اب کبھی بھی تم لوگوں سے دور جانا نہیں چاہتا۔ تم نے کہا تھا تم میرے اندر سے ہر طرح کا خوف نکالنے کی کوشش کروں گی۔ تم میرے اندر سے ہر ڈر، ہر خدشے کو نکال پھینکو۔ مجھے بے خوف ہو کر جینا سکھا دو۔" ارسل رک گیا، ماریانہ نے اپنے بڑھتے قدم بھی روک دیے۔ وہ اسے اپنے مضبوط حصار میں گھیرے اس سے مدد مانگ رہا تھا۔

"ارسل...... تمہیں اب ڈرنے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں اب ہر پل تمہارے ساتھ ہوں ناں، رفتہ رفتہ تمہارے ہر خوف کو تم سے دور کردوں گی۔ بس تمہیں ہر موقع پر میرا ساتھ دینا ہوگا۔ مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔ یقین رکھو۔ اب ہمیں کوئی بھی جدا نہیں کرسکتا۔ موت کے علاوہ یہ اختیار میں کسی کے پاس نہیں رہنے دوں گی۔" وہ اس کے سارے خدشات دور کرتی اس کے بالوں کو چھیڑ گئی۔ اس کی شرارت پر ارسل نے جواباً اس کے بال بھی خراب کردے۔ بکھرے بالوں میں وہ اب ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے تھے۔

❁......❁......❁

کمرے میں سکوت طاری تھا۔ وحشت اس قدر تھی کہ وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔ کوریڈور کی دیوار پر نصب یاور بخت کی تصویر کے سامنے ان کے قدم رک گئے۔ وہ تصویر کے روبرو تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ پلکیں جھپکیں تو آنسو پلکوں کی باڑ سے ٹوٹ کر زیرِ چشم جھریوں کی لکیروں میں آٹھہرے۔ وہ کافی دیر تک اس تصویر کے سامنے کھڑی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتی رہیں۔ ان کے لب خاموش تھے مگر آنکھیں مسلسل بول رہی تھیں۔ بولتے بولتے تھک گئیں تو ان کے قدموں نے بند کمرے کی جانب رخ کیا۔ دروازے کا لاک کھول کر اندر داخل ہوئیں تو ایک مانوس سی خوشبو نے ان کا استقبال کیا۔

"فاریہ کے پرفیوم کی خوشبو تو دماغ چکرا دیتی ہیں۔" وہ ناگواری سے بڑبڑائیں۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ کمرے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر صندوق کی جانب بڑھنے لگیں۔ صندوق کا تالا کھول کر وہ بے چینی سے اس میں کچھ تلاشنے لگیں۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد ان کا مطلوبہ بیگ انہیں مل گیا۔ وہ اس بیگ کو بے قراری سے کھولنے لگیں۔ ایک سفید کرتا نکلا تھا غالباً چند ماہ کے بچے کا تھا۔ اس کرتے کو وہ بے قراری سے چومنے لگیں۔

"صبیحہ، صبیحہ...... دیکھو میں دلاور کے لیے کیا لایا ہوں۔" ماضی سے ابھرتی آواز انہیں بری طرح چونکا گئی۔

"کیا لائے ہیں آپ میرے شہزادے کے لیے؟" وہ ننھے دلاور کو گود میں اٹھائے عاصم کے قریب چلی آئی تھیں۔

"یہ سفید کرتا...... اس جمعہ کو تم میرے بیٹے کو یہ سفید کرتا ضرور پہنانا۔ سفید رنگ میرے بیٹے پر بہت جچتا ہے۔" عاصم ننھے دلاور کو اپنی گود میں لے کر ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولے تھے۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ سفید رنگ ہمارے بیٹے پر واقعی بہت جچتا ہے۔" وہ کرتے کا ناپ جانچتیں مادرانہ شفقت سے بولی تھیں۔

"آہا...... میرا بیٹا، تم دیکھنا صبیحہ میرا بیٹا، شہزادوں جیسی زندگی جئے گا اور تمہیں تو اپنی ملکہ بنا کر رکھے گا۔" عاصم فرط جذبات میں کہہ رہے تھے۔

"صرف مجھے......؟ میرا شہزادہ اپنے ماں باپ دونوں کو بادشاہ، ملکہ کی طرح رکھے گا جناب۔" انہوں نے عاصم کی گود سے دلاور کو لے کر فضاء میں اچھالتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تھا۔

"نہ جانے میں اس وقت زندہ بھی ہوں گا یا نہیں...... اپنے شہزادے کو پروان چڑھاتے میں کہیں زیر نہ ہو جاؤں۔" عاصم اپنی چھوٹی سی دنیا پر مشتمل بیگم اور بیٹے کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہولے سے بولے تھے۔

"عاصم خبردار جو اس طرح کی باتیں کی تو اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔ میری عمر میں آپ کو لگ جائے۔" صبیحہ شدید خفگی کے عالم میں کہتی چلی گئیں اور عاصم انہیں اپنی بانہوں میں بھر کر ہنسنے لگے تھے۔

ماضی نے انہیں پکارنا بند کر دیا تھا۔ ہاں البتہ وہ خوشیوں سے بھرپور قہقہے کسی بے چین روح کی طرح بند کمرے کے در و دیوار سے ٹکرانے لگے۔ وہ اس کرتے کو مٹھی میں بھینچ کر بری طرح روتے ہوئے بیٹھتی چلی گئیں۔ ان کی آہ و زاریاں در و دیواروں سے سر پھوڑ کر کمرے میں بازگشت کرنے لگی تھیں۔

"دلاور...... میرے بیٹے......" اپنے بیٹے کا نام لیتے ہوئے وہ سسک کر رو رہی تھیں۔

❁......❁......❁

جناح ٹرمینل پر بین الاقوامی فلائیٹ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ مسافر قطار در قطار اپنا سامان اٹھائے اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے بے چین تھے۔ وہ سفید شرٹ اور گرے کوٹ پینٹ میں ملبوس ایک تفاخر کے عالم میں ٹرمینل سے برآمد ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا اور باقی سامان، ٹرالی میں لدا ہوا تھا۔ ٹرمینل سے نکلتے ہی اس نے بے نیازی کے عالم میں نظریں گھما کر چاروں اطراف دیکھا اور پھر ناگواری سے نفی میں سر ہلاتا ہوا موبائل کی جانب متوجہ ہوا۔

"صاحب جی، گاڑی تیار ہے۔" اسی لمحے ڈرائیور مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے حاضر ہوا۔ اس نے چونک کر ڈرائیور کو دیکھا۔ سامان اٹھانے کا اشارہ کر کے وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر براجمان ہو گیا تھا۔ اس کے اشارہ کرتے ہی گاڑی سرعت سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔ راستے بھر وہ دوڑتے بھاگتے مناظر کا تعاقب کرتا رہا مگر ان مناظر میں نہ کوئی دلکشی تھی، نہ ہی کوئی رنگینی اس لیے جلد اکتا گیا۔ نشست سے پشت ٹکا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کے

لبوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ ڈرائیور نے بیک ویو مرر میں اسے ایک نظر دیکھا اور پھر راستے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"کتنی دیر ہے پہنچنے میں؟" آنکھیں موندے موندے اس نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"صاحب جی! بس آنے ہی والا ہے۔" ڈرائیور نے فوراً مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"ہونہہ...... تمہیں کس نے بھیجا تھا ایئرپورٹ۔" اس نے سابقہ لہجے میں سوال کیا۔

"جی بڑی بیگم صاحبہ نے۔" ڈرائیور نے سرعت سے جواب دیا۔ جواب سن کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

گاڑی ایک موڑ کاٹتے ہوئے محل نما سفید بنگلے کی جانب کی گئی تھی۔ چوکیدار نے مخصوص گاڑی کو پہچان کر جھٹ سے دروازہ کھولا۔ گاڑی سرعت سے اندر داخل ہوئی۔ وہ سامان اپنے کمرے میں رکھوانے کی ہدایت کر کے سیدھا بڑی بیگم کے کمرے میں آیا مگر انہیں وہاں نہ پا کر بری طرح چونکا۔

"بی جی...... کہاں گئیں آپ؟" وہ ان کی تلاش میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر بند دروازے سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ لحظہ بھر کو ٹھٹکا اور پھر اس جانب بڑھنے لگا۔ دروازے کا لاک کھلا تھا۔ وہ ناب گھماتا ہوا، کمرے کے اندر داخل ہوا۔ دبی دبی سسکیوں نے اس کا استقبال کیا۔

"دلاور...... میرے بچے دلاور......" وہ بدستور کرتا سینے سے لگائیں ہچکیاں لیتی رو رہی تھیں۔ وہ گہری سانس لیتا ان کی جانب بڑھا۔

"میں آ گیا ہوں بی جی۔" وہ انہیں اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں بھرتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ اس کی آواز سن کر انہوں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ آنسو ایک تواتر سے آنکھوں سے بہہ نکلے۔ انہوں نے سامنے موجود شخص کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی مگر آنکھوں میں نمی کے باعث وہ چہرے دھندلا گیا۔

"آپ کیوں آئیں بی جی یہاں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کمرے میں ہم سب کی خوشیوں کے مقبرے موجود ہیں۔" وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے ہولے سے بولا۔

"ان مقبرے کی اب حفاظت نہیں ہوتی مجھ سے۔ یہ مقبرے ایک ایک کر کے اب کھنڈر بنتے جا رہے ہیں دلاور۔ ہم سب، ہماری داستانیں سب کچھ یوں لگتا ہے بے نقاب ہونے والا ہے۔" بڑی بیگم ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہنے لگیں۔

"کون کر رہا ہے یہ جرأت...... نام بتائیں اس کا؟" اس نے درشتی سے استفار کیا۔

بڑی بیگم خاموشی سے یک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ کس کا نام لیں...... گھر کے بنائے گئے قانون کی خلاف ورزی کرنے والی بہو بھی تھی اور پوتی بھی۔ کس کو بچائیں، کس کو آگ میں جھونکیں۔ سوال مشکل تھا۔ وہ الجھ کر رہ گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.naeyufaq.com

رانی بنی راج کرے

عرشیہ ہاشمی

وہ مجسم حیرت تھی۔ اسے اس سب کی ذرا بھی امید نہیں تھی، بھاری قدموں اور بوجھل دل کے ساتھ وہ دروازے پہ کھڑی سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔

"زور لگا کے دبا حرام خور......" تائی امی اپنے تخت پر لیٹی موبائل فون پر مصروف ہونے کے باوجود اپنے پیر دباتی اپنی چھوٹی بہو منال کو دھمو کا جڑنا نہ بھولی تھیں۔ تائی امی کا یہ روپ نیا تو نہیں تھا لیکن منال کے ساتھ ان کا یہ رویہ امرینہ کو حیرت میں مبتلا کر گیا تھا اور سب سے زیادہ حیرت اور دکھ اس کو منال پہ تھا۔ اپنی مرضی کے خلاف جو لڑکی پتا تک ہلنے نہیں دیتی تھی، وہ اس قدر جاہلانہ رویہ کیسے برداشت کر رہی تھی۔ امرینہ سے یہ منظر مزید نہ دیکھا گیا تو وہیں سے واپس پلٹ آئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

امرینہ منال کی ماموں زاد بہن تھی، ماموں زاد ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی بہت اچھی دوست بھی تھی۔ ان دونوں کو یکجان دو قالب کہا جاتا تھا۔ اسکول کے بعد کالج میں بھی امرینہ اور منال کا ساتھ قائم تھا۔ امرینہ صلح جو، نرم دل اور ملنسار لڑکی تھی جبکہ منال اپنی ضد پوری کروانے کے لیے آسمان تک سر پر اٹھا لیتی تھی۔ ماں پاپا کی لاڈلی اور سر چڑھی بیٹی تھی۔

"منال...... کسی کا تو لحاظ کر لیا کرو رمشہ آپی کتنی بڑی ہیں تم سے۔" رمشہ آپی سے منال کے مزاج ذرا کم ہی ملتے تھے اس پر امرینہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"امرینہ...... اگر وہ بڑی ہیں تو خود عزت کروائیں ناں اپنی...... غلط بات تو میں کسی کی برداشت نہیں کرتی۔ چاہے وہ کوئی میرا اپنا ہی کیوں نہ ہو۔" منال نے برا سا منہ بنا کے جواب دیا تو امرینہ نے اسے سمجھانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"یار...... تمہیں پتا ہے ناں، یہ میرے بس سے باہر ہے، ناجائز بات پر میں بولے بنا رہ نہیں سکتی۔" امرینہ کے گھورنے پر منال نے بے چارگی سے جواز پیش کیا۔

"اچھا...... بس یہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے اس پر بھی نظر کرم کر لو۔" مسکراتے ہوئے امرینہ نے منال کی توجہ چائے کی طرف دلائی جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی رمشہ آپی نے رکھی تھی پھر چائے پینے کے دوران دونوں کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔ منال شام تک امرینہ کے گھر رہی پھر حدید بھائی کے لوٹنے کے بعد ان کے ساتھ بائیک پر گھر چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

آج اتوار تھا اور امرینہ کے گھر والوں کا ارادہ آج منال کے گھر جانے کا تھا۔ امرینہ اور رمشہ نے مل کر صبح صبح گھر کا سارا کام کیا، یونیفارم دھو کر پھیلائے اور اب وہ تیاری میں مصروف ہو گئی تھیں۔

"رمشہ آپی...... آپ ابھی تک ناراض ہو منال سے؟" آنکھوں میں کاجل لگاتے ہوئے امرینہ نے بالوں میں برش کرتی ہوئی رمشہ کو نکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم......" رمشہ نے آئینہ میں اپنے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے مبہم سا جواب دیا۔

"ہم م م...... ایک تو میں اس ہم...... سے بہت تنگ ہوں۔ فیس بک پر بھی ہم اور یہاں بھی ہم...... سیدھا جواب دیں ناں۔" امرینہ بے زاری سے بولی۔

"تمہیں سیدھی بات سننی ہے ناں...... تو سنو مجھے منال کی یہ عادت زہر سے بھی زیادہ بری لگتی ہے کہ بندے کو اگر کوئی بات ناگوار لگے بھی تو اس طرح بھری محفل میں تھوڑا ہی رسوا کیا جاتا ہے؟ ادب آداب، احترام، لحاظ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" رمشہ نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔

"لیکن رمشہ آپی میں تو اس بارے میں منال کے حق میں ہوں...... دیکھیں ناں بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں جہاں جواب دینا ضروری ہوتا ہے اور ہم میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ جواب دے سکیں۔ منال اگر اپنا دفاع کر سکتی ہے تو یہ اچھی بات ہے ناں۔" کیک ہاتھ میں پکڑے اب وہ اسٹول پر اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"جو بھی ہے لیکن اپنے سے بڑوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔" رمشہ نے شاید امرینہ کی بات سے اتفاق کر لیا تھا۔

"اچھا چھوڑیں...... موڈ صحیح کریں اپنا۔" بات کو ختم کرتے

ہوئے امرینہ بولی۔

"رمشہ...... امرینہ...... جلدی کرو بیٹا دیر ہو رہی ہے۔" مائرہ بیگم کی آواز پر رمشہ نے جلدی جلدی اسپرے کیا اور الماری سے چادر نکالنے لگی۔

❁......❁......❁......❁

صاف ستھرا چمچماتا ہوا گھر خاتون خانہ کی سلیقہ مندی اور نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ مائرہ بیگم کے دل میں ایک سکون سا بھر گیا تھا۔

"آئیں مائرہ باجی...... بہت دیر کردی آپ نے؟" سنبل نے آگے بڑھ کر استقبال کیا پھر کچھ ہی دیر میں ٹی وی لاؤنج میں محفل جم گئی اور اس محفل کی شان منال تھی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تو سنبل نے منال سے چائے کے کپ ٹرے میں رکھ کر سرو کرنے کو کہا لیکن منال کے ابرو تن گئے۔

"ماں...... میں یہاں صرف پانی پینے آئی تھی۔ آپ خود لے آئیں۔" تند لہجے میں کہتی وہ باہر چلی گئی اور سنبل احمد اپنی اکلوتی بیٹی کی نااہلی اور بدلحاظی پر تلملا کر رہ گئیں۔

"ارے...... تم اپنی امی کی ہیلپ کیوں نہیں کرتی؟" سنبل آنٹی کو چائے لاتے دیکھ کر رمشہ نے منال کو ٹوکا تو منال کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"آپ بہت فرماں بردار اور سگھڑ ہیں ناں تو آپ ہی کیوں نہیں کرتی ہیلپ۔" منال غصے سے پھنکاری۔

"ارے آنٹی...... آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں، مجھے بلا لیتیں ناں میں ہیلپ کرتی آپ کی۔" امرینہ نے آگے بڑھ کر سنبل احمد سے چائے کی ٹرے تھامی اور سب کو چائے سرو کرنے لگی۔ منال کو ماں کے چہرے پر ناگواری صاف نظر آ رہی تھی۔ احتجاجاً وہ واک آؤٹ کر گئی۔

امرینہ سب کو چائے سرو کرنے کے بعد پلٹی تو منال کو نہ پا کر سنبل آنٹی کی طرف دیکھا اور وہاں اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ وہ دو کپ چائے چھوٹی ٹرے میں رکھ کر منال کے کمرے میں آ گئی۔

"منال...... یہ کیا بچگانہ حرکت ہے؟" منال بیڈ پر بیٹھی آنسو آنکھوں میں سجائے ہوئے تھی امرینہ نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور منال کے سامنے آ بیٹھی۔

"کک...... کچھ نہیں۔" دونوں ہاتھوں سے رخسار صاف کرتے ہوئے اس نے گویا اپنی حالت چھپانے کی کوشش کی۔

"رو کیوں رہی ہو؟ ایک تو تم نے آنٹی کو تنگ کر رکھا ہے اوپر سے رو رو کر خود کو اور اپنے چاہنے والوں کو تکلیف دیتی ہو۔" امرینہ کے لہجے میں سرزنش تھی۔

"کیا......! میں نے تنگ کر رکھا ہے؟ تمہیں حقیقت نظر نہیں آتی امرینہ...... میں کس تکلیف سے گزر رہی ہوں، تمہیں تو احساس تک نہیں۔" پہلے حیرت واستعجاب اور پھر دکھ بھرے لہجے میں وہ گویا ہوئی۔

"اوہ میرے خدایا...... کیا بنے گا اس بے وقوف لڑکی کا۔" امرینہ نے اپنا سر پیٹا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ یہ میری سوتیلی امی ہیں۔" منال نے قدرے وقفے کے بعد حیرت کا بم پھوڑا تو امرینہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہر آنے جانے والے کے سامنے ذلیل کرتی ہیں۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

”پورا دن امی نے مجھے کام پر لگائے رکھا۔“ وہ سسکیاں لینے لگی اور منال کی ان بیوقوفانہ باتوں اور سوچ پر امرینہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

”منال ایسی بات نہیں ہے..... گھر کا کام کون نہیں کرتا‘ ہر لڑکی اپنے گھر کا کام کرتی ہے اور ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے شان تمہیں کم ہو جائے گی تمہاری کیا۔“

”تمہیں تو سب آسان لگتا ہے ناں مگر یہ کام شام مجھ سے نہیں ہوتے پھر بھی اتنا کام کرتی ہوں میں..... آج بھی میں نے آٹا گوندھا‘ چاول صاف کیے پھر بھی.....“ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر منال ایک بار پھر رونے لگی۔

”منال آنٹی اگر تمہیں کام کا کہتی ہیں تو صرف اس لیے کہ سسرال میں تمہیں کوئی طعنہ نہ ملے..... لڑکیوں کو سارے کام آنے چاہیں منال۔“ امرینہ نرم لہجے میں اسے سمجھانے لگی تھی۔

عرفان احمد کی بے جا حمایت نے ہی منال کو سر چڑھا رکھا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے بہت فکر مند تھی لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ گریجویشن مکمل ہونے کے بعد اس کی منگنی کر دی گئی۔ حالانکہ عرفان احمد حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے کزن زمان بھائی سے کہا بھی تھا کہ منال ابھی چھوٹی ہے اور بہت زیادہ لاڈلی بھی میں اسے خود سے دور بھی نہیں کر سکتا لیکن ان کے بے حد اصرار پر عرفان احمد کو راضی ہونا پڑا تھا۔ لیکن فوری شادی کے وہ حق میں نہیں تھے اس لیے ان سے کچھ وقت لیا تا کہ وہ اپنے دل کو سمجھا سکیں اور منال کو بھی تھوڑا ذمہ دار بنا سکیں وہ لوگ منگنی کی رسم کر کے چلے گئے تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

”منال..... اٹھ جاؤ بیٹا آج بہت کام ہے۔“ منال صبح کے نو بجے بھی نہ اٹھی تو سنبل احمد اسے جگانے کے لیے آ گئیں۔ منال نے کمبل سر تک اوڑھ لیا جس سے صاف ظاہر تھا کہ ابھی اس کا اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

”منال.....“ امی نے لاڈ سے اس کے بال سہلاتے ہوئے پھر سے آواز دی تو منال اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”خیریت ہے ماں؟ صبح صبح کاموں کی فکر پڑ گئی آپ کو۔“ نیند سے بوجھل آنکھیں لیے اس نے سنبل احمد سے سوال کیا۔

”ہاں منال..... آج تمہاری تائی امی (ساس) آ رہی ہیں‘ ان کے آنے سے پہلے سارے کام ختم کرنے ہیں۔“ انہوں نے کمبل کو تہہ کرتے ہوئے کہا۔

”تو وہ کون سا صبح صبح آ جائیں گی‘ تین گھنٹے لگتے ہیں سفر میں۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔ سنبل احمد بیڈ شیٹ درست کرنے لگی تو ناچار منال کو اٹھنا ہی پڑا۔

پھر منال اور سنبل احمد نے مل کر گھر کو چمکایا۔ سنبل احمد نے کولڈ ڈرنکس فریج میں رکھ دیں اور عرفان صاحب کو فون کر کے ضروری سامان لکھوا دیا۔

”منال..... بس اب برتن نکال لو الماری سے اور پھر جا کر تیار ہو جاؤ۔“ سنبل احمد نے الماری سے برتن نکالتے ہوئے کہا۔

دوپہر کے ساڑھے تین بج رہے تھے جب تسنیم بیگم کی آمد ہوئی۔ منال تو سلام کر کے احوال دریافت کرنے کے بعد کمرے میں چلی آئی جبکہ سنبل احمد انہیں لے کر ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔

”منال کہاں ہے؟“ کافی دیر بعد تسنیم بیگم کو خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔

”اپنے کمرے میں ہے..... دراصل آج تھوڑا کام کروایا ہے‘ اس لیے تھک گئی۔“ سنبل احمد نے بتایا تو تسنیم بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

”دراصل کمزور بھی ہے ناں..... آج کل کی لڑکیاں ڈائٹنگ کر کے سوکھ کے کانٹا ہو جاتی ہیں..... اب انہیں کون سمجھائے کہ لڑکی کو صحت مند ہونا چاہیے۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”میری منال بہت ہی لاڈ پیار میں پلی ہے..... گھر کا کام بھی اتنا نہیں آتا اسے نہ ہی کھانا پکا سکتی ہے..... ہم اسی لیے ابھی اس کی شادی کے حق میں نہیں تھے۔ عرفان نے بتایا تھا زمان بھائی کو۔“

”فکر کس بات کی ہے سنبل..... آ جائے گا سب کچھ‘ ابھی تو اس نے پڑھائی ختم کی ہے‘ سیکھ جائے گی۔“ تسنیم بیگم نے ان کا ہاتھ تھام کر اپنائیت بھرے لہجے میں تسلی دی۔ اسی اثنا میں منال ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

”کیا سیکھ جاؤں گی میں تائی امی؟“ وہ تسنیم بیگم کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

”گھر کے کام کاج منال بیٹا..... کھانا پکانا اور باقی کام بھی۔“ تسنیم بیگم نے اپنی بات کو وہیں سے جوڑا۔

”مجھے سارے کام آتے ہیں تائی امی اور کھانا پکانا بھی آتا ہے۔ آلو کا سالن اور فرنچ فرائز بھی..... مجھے چائے بنانا بھی آتی ہے اور پراٹھا بھی پکا سکتی ہوں۔“ منال نے چہکتے ہوئے انگلیوں پر ساری ڈشز گنوائیں۔ تسنیم بیگم اس کی بچکانہ باتوں پر مسکرا دیں۔

منال تائی امی سے اقرا آپی‘ سویرا اور صائمہ کی بابت پوچھنے لگی۔ شام کو منال خلاف معمول کچن میں موجود تھی‘ احتیاطاً سنبل احمد بھی اس کی نگرانی کر رہی تھیں۔ خاموشی سے دوسرے چولہے پر قورمہ پکاتے ہوئے ان کا دھیان منال کی طرف ہی تھا۔ منال نے پانی ڈالا اور ڈھکن سے دیگچی کو ڈھانپ دیا لیکن سنبل احمد کو اس وقت منال کو ٹوکنا پڑا جب منال نے ابلتے ہوئے پانی میں چاول ڈالے اور ڈھکن واپس رکھ دیا۔

”منال ڈھکن ہٹاؤ..... جب بھی چاول کھولتے ہوئے پانی میں ڈالیں تو انہیں ڈھانپنا بالکل نہیں چاہیے کیونکہ اس طرح چاول پھولتے نہیں ہیں۔“ سنبل احمد نے ڈھکن دیگچے سے اٹھایا تو منال کی بھنویں تن گئیں۔

”ماں..... مجھے اچھی طرح پکانا آتا ہے..... پکاؤں تو آپ پکانے نہیں دیتیں اور جب نہ پکاؤں تو ہر کسی کو میری شکایتیں لگاتی ہیں۔“ منال نے بنا سوچے سمجھے جو منہ میں آیا بول دیا۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ باہر صوفے پر تائی امی بیٹھی ہیں‘ وہ کیا سوچیں گی۔

”منال..... زبان سنبھالو اپنی۔“ سنبل احمد نے اسے اس کے تلخ رویے اور بدزبانی کا احساس دلایا تو منال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تسنیم بیگم کچن میں چلی آئیں۔

”ارے سنبل..... میری بیٹی سے اتنی سختی سے بات مت کرو اور رہنے دو سارے کام..... اب منال کوئی کام نہیں کرے گی۔“ وہ منال کو اپنے سینے سے لگائے باہر لے آئیں۔

”کیا ہو گا اس لڑکی کا۔“ سنبل احمد نے منال کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

”تم نہیں جانتی بیٹا..... یہ سب دکھاوا ہے..... بھلا کیا کبھی پہلے ایسا ہوا ہے کہ بہو کو گھر میں سجا کر رکھا گیا ہو؟ اپنی حالت درست کرو منال بیٹا‘ میں نہیں چاہتی کہ سسرال جا کر تمہیں کوئی تکلیف ہو۔“

”ماں ہو سکتا ہے آپ کا خدشا درست ہو لیکن مجھے لگتا ہے تائی امی کبھی نہیں بدلیں گی اور وہ مجھے بھلا طعنے کیوں دیں گی جبکہ وہ تو ہماری اپنی ہیں..... طعنے تو غیر لوگ دیتے ہیں ناں؟“

”میری بچی..... کیسے سمجھاؤں تمہیں تم خود سادہ اور صاف دل کی ہو ناں تو سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہو..... دنیا اتنی سادہ اور شریف نہیں ہے۔“ اور پھر منال کو دنیا کی سمجھ آ گئی..... ماں کی کہی ہر بات یاد آئی‘ شادی کے چوتھے دن جب زمان تایا ابو نے ٹوکا تو منال کو سمجھ میں آئی کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

”منال کو کام پر لگاؤ تسنیم..... کس لیے اتنا خرچ کر کے شادی کرائی تھی شان کی؟“ تسنیم بیگم نے جب پانی کا گلاس زمان انکل کو دیا تو زمان انکل نے باآواز بلند منال کے کانوں تک اپنے خیالات پہنچائے..... منال حیران رہ گئی تھی۔ اسے یاد آیا کیسے وہ جب ان کے گھر آیا کرتے تو شہد سے بھی زیادہ میٹھے بن جاتے تھے۔ زمان انکل کے بعد تائی امی نے بھی خود پر چڑھایا خلوص اور ہمدردی کا چولا اتار پھینکا تھا۔

شان کی بہنیں‘ سائرہ اور مائرہ انتہائی بدزبان اور سازشی تھیں۔ تینوں ماں بیٹیاں آپس میں جب بھی بات کرتی منال کے خلاف بولتیں اور ایسے میں منال کا وہاں سے گزر ہوتا تو تینوں چپ ہو جاتیں‘ منال کو ان کی یہ عادت عجیب و غریب لگتی‘ کبھی کبھی یہ رویہ اسے بہت زیادہ پرائے پن کا احساس دلاتا تھا تو وہ اپنے کمرے میں آ جاتی‘ تب اسے اپنی ماں کی باتیں یاد آتیں تو اس کے دل میں موجود ساری شکایتیں ڈھل جاتیں۔ منال نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا کبھی میکے جا کر سسرال کی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ اپنی ابتر حالت کا ذمہ دار ہمیشہ خود کو ہی ٹھہرایا تھا۔

”منال..... یہ کیا حال ہو گیا ہے تمہارا؟ آنکھوں کے گرد یہ سیاہ حلقے اور چہرہ کس قدر مرجھا گیا ہے۔“ ماں اس کے

چہرے کی ویرانی دیکھتیں تو تڑپ اٹھتیں۔

"ماں بخار تھا کل سے...... دیکھیں ناں ایک دن میں کیا حالت ہوگئی...... شان نے پھل انڈے سب کچھ لا کر دیئے ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر گئے لیکن میرا کچھ کھانے کو دل ہی نہیں کرتا۔" اپنی آنکھوں میں اترتی نمی کو ضبط کرتی وہ ماں کو کھوکھلے الفاظ میں تسلی دے رہی تھی۔ اب وہ ماں کو بتاتی بھی تو کیا کہ اگر وہ ایک انڈہ تک کھالے تو گھر میں انکوائری شروع ہوجاتی ہے اور شان کا لایا ہوا فروٹ اس کے حصے میں آتا ہی کب تھا۔ پھر اللہ نے منال کی گود بھردی بے بسی اور لاچاری کے ان حالات میں بھی اس کے "اپنوں" کو رحم نہ آیا' اپنی دونوں بیٹیوں کو بٹھا کر کھلاتے اور بہو بیگم سے سارے گھر کا کام کروایا جاتا اور جب منال کو کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو سب نے منہ پھیر لیا تھا' لڑکیاں تو پورا دن اپنے کمروں میں رہتیں مبادا کہ منال کا کوئی کام نہ کرنا پڑ جائے۔ جب ڈلیوری کے دن نزدیک آئے تو منال نے ماں کو بلوالیا۔ تین گھنٹے کے سفر کے بعد جب وہ حدید کے ہمراہ زمان بھائی کے گھر پہنچیں تو منال ہاتھ میں پائپ اور جھاڑو پکڑے فرش دھوتی ہوئی نظر آئی جبکہ دروازے کی دستک سننے کے بعد تسنیم بیگم کمرے سے برآمد ہوئیں اور استقبال کے بعد خود ہی صفائی دینے لگیں۔

"میں نے منال سے کہا بھی تھا رہنے دو لیکن نہیں مانی' ابھی آپ کے آنے سے قبل ہم ساس بہو فرش دھو رہے تھے۔ بھئی میری بہو کام میں لگی ہو تو مجھ سے بیٹھا ہی کہاں جاتا ہے۔" ہاتھ نچاتے وہ کہہ رہی تھیں۔ سنبل احمد دل ہی دل میں ان کی شاطرانہ فطرت کا اندازہ لگا گئی تھیں۔ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو وہ بھی ان کی بات پر یقین کرلیتیں پھر ہسپتال میں جب منال تکلیف میں تڑپ رہی تھی تو تسنیم بیگم گھر میں آرام سے سو رہی تھیں۔ سنبل احمد پچھتا رہی تھیں کیسے بے قدرے لوگوں کو اپنی بیٹی دے دی مگر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا سوائے صبر کرنے کے۔

❀......❀......❀......❀

جتنے دن وہ وہاں رہی ان لوگوں کے طور طریقہ دیکھتی رہی تھیں اور بیٹی کی کمزوری اور اس کی حالت بھی سمجھ میں آ گئی تھی اس لیے جانے سے پہلے وہ منال کو سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"اپنی صحت کا خیال اگر تم نہیں رکھو گی تو کوئی اور بھی نہیں رکھے گا اور اس گھر کے تو کسی بھی فرد سے مجھے کوئی امید نہیں ہے۔"

"نہیں ماں...... سب میرا خیال رکھتے ہیں' بس آج کل مہمانوں کا آنا جانا زیادہ ہے تو فرصت نہیں ملتی...... ورنہ تائی امی تو میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔" منال ابھی بھی ان لوگوں کے عیبوں پر پردے ڈال رہی تھی جو پچھلے تین دن سے اس کے کمرے میں جھانکنے بھی نہیں آئے تھے۔

"مجھے اب واپس جانا ہوگا تو تم ابھی سے کام مت شروع کرلینا۔ سردیوں کا آغاز ہے اگر پانی والے کام کیے تو بے بی کو ٹھنڈ لگ جائے گی' اپنا نہیں تو حیدر کا خیال رکھنا۔" سنبل احمد اپنی اس بیٹی کو سمجھا رہی تھیں جس نے کبھی بھی گھر کے کام نہیں کیے تھے۔

"ماں...... کاموں کے کرنے سے کیا ہوتا ہے...... انسان گھس تو نہیں جاتا اور اپنے گھر میں ہی کام کیے جاتے ہیں۔" سنبل احمد بیٹی سے اس قدر سمجھداری والی باتیں سن کر حیران رہ گئی تھیں۔

حیرت تو انہیں اس کی اتنی بڑی تبدیلی پر بھی تھی' اس کی زبان درازی سے انہیں خوف آتا تھا' یہاں آ کر تو گویا وہ اپنی زبان کہیں رکھ کر بھول گئی تھی۔ جس نے ساری زندگی اپنی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کیا' وہ یہاں اتنی تکلیف میں بھی ہر کام کررہی تھی اور جسے ہر غلط اور ناجائز بات سن کر نہ صرف غصہ آجاتا تھا بلکہ وہ اگلے بندے کا لحاظ کیے بنا طبیعت صاف کردیتی تھی' آج ان بے قدرے اور ظالم لوگوں کی ہر بات خاموشی سے سن کر برداشت کررہی تھی۔ ان کے دل میں بے پناہ درد اٹھنے لگا۔ کاش اس درد کی ہلکی سی رمق بھی زمان یا تسنیم بیگم کے دل میں جاگ جاتی تو وہ اپنے گھر میں موجود دو بیٹیوں کو دیکھتے ہوئے منال کو بھی بیٹی سمجھتے...... جس گھروں کے در و دیوار کانچ کے ہوں اس کے مکین دوسروں کی دیواروں پر پتھر نہیں برسایا کرتے لیکن جہاں ضمیر ہی مردہ ہوں وہاں احساس کی توقع بے کار ہی ہوتی ہے۔

❀......❀......❀......❀

"منال کا کیا حال ہے پھوپو؟" امرینہ نے سنبل احمد کی

واپسی پر فون کر کے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے وہ' اب تو چلنے پھرنے لگی ہے ماشاء اللہ۔" سنبل احمد نے خوشدلی سے جواب دیا۔

"نواسے کی بہت بہت مبارک ہو آپ کو اور بے بی کیسا ہے' کیا نام رکھا ہے؟" وہ بہت شوق سے منال کے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ماشاء اللہ صحت مند ہے، حیدر نام رکھا ہے اس کے دادا ابو نے۔ تم سناؤ کیسی ہو تم اور بھابی کا کیا حال ہے؟ آؤ ناں کسی روز۔" انہوں نے باقاعدہ حال احوال پوچھنے کے بعد اپنے گھر آنے کا دعوت نامہ بھی دے دیا۔

"سب ٹھیک ہیں پھوپو...... ہم ان شاء اللہ آئیں گے اور پہلے تو منال کی طرف جاؤں گی میں...... کتنا عرصہ ہوگیا اسے دیکھے ہوئے۔" منال کا تذکرہ اسے اداس کررہا تھا اور یہ اداسی اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ آواز میں بھی اتر آئی۔

"کیوں نہیں امرینہ بیٹا۔" اور یہاں آ کر امرینہ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا...... اس پر یقین کرنا اس کو مشکل ہوگیا تھا۔ اس نے منال کو ہی وہاں دیکھا تھا۔ دل میں وہم بھی بار بار سر اٹھا رہا تھا کہ شاید جو اس نے دیکھا' وہ آدھا ادھورا سچ ہو یا اس کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

"بہرحال میں کل پھر جاؤں گی حیدر کی مبارک باد بھی دینا ضروری ہے۔" لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ آنے والا کل اسے کس حیرت کدہ میں مبتلا کرنے والا ہے۔

❀......❀......❀......❀

"بس بس...... یہیں اتار دیجیے بھائی۔" سفید رنگ کے لوہے کے دروازے کے پاس امرینہ نے ٹیکسی رکوادی اور باہر آ کر ڈرائیور کو کرایا تھمایا...... ابھی وہ دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھا ہی رہی تھی کہ اندر سے کسی کی چیخ و پکار کی آواز سنائی دی۔

"اٹھاؤ اس گندگی کی پوٹ کو اور نکلو یہاں سے۔ دوبارہ ہمارے کمرے میں اسے بھیجنے کی زحمت نہ کرنا۔" بولنے والے کی آواز میں نہایت حقارت تھی۔

"سائرہ...... یہ ننھا سا بچہ تمہارا بھی کچھ لگتا ہے۔ تمہارے بھائی کا بیٹا' تمہارا خون ہے یہ۔" منال کے منمنانے کی آواز سنائی دی۔ اتنے میں امرینہ نے دروازے پر دستک دینا چاہی لیکن وہ اندر سے کھلا ہونے کی وجہ سے پورا کھل گیا۔ اندر کا منظر باہر کھڑے با آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ منال نے حیدر کو گود میں اٹھا رکھا تھا جبکہ اس کی نند سائرہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ برآمدے میں رکھے لکڑی کے بڑے سے تخت پر نیم دراز تسنیم بیگم یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھیں ان کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ روزانہ کا معمول ہو۔

"منال......!" امرینہ نے قدم اندر بڑھا کر منال کو پکارا...... منال جو کہ دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی یکلخت پیچھے مڑی' حیرت' شناسائی اور شرمندگی کے احساسات میں سب سے زیادہ نمایاں لاچاری کا احساس تھا جو امرینہ اس کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

"خاموش ہوجاؤ سائرہ...... بھابی کے ساتھ اس طرح بات کرتے ہیں؟" امرینہ پر نظر پڑتے ہی تسنیم بیگم اٹھیں اور سائرہ کو ڈپٹنے لگیں۔

"امی آپ ڈرتی ہوں گی' لیکن میں کسی سے نہیں ڈرتی' اپنے باپ کا کھاتی ہوں ابھی کسی اور کا نہیں۔" سائرہ کو شاید امرینہ کے سامنے ماں کی ڈانٹ سے سبکی محسوس ہوئی تب ہی ڈھٹائی سے بولی۔

"چپ کر جا...... بے وقوف کہیں کی۔" انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے اسے لتاڑا تو وہ کمرے میں چلی گئی۔

"ارے آؤ ناں امرینہ بیٹی...... دروازے پر کیوں کھڑی ہو۔" امرینہ جو گرگٹ کی طرح انہیں رنگ بدلتے دیکھ رہی تھی اندر آئی اور منال کے گلے لگ گئی۔ منال اس سے مل کر خوب روئی' شادی کے بعد وہ پہلی بار امرینہ سے مل رہی تھی۔ منال کی حالت دیکھ کر امرینہ کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

"ارے کیا ہوا جو بھابی نے ایک تھپڑ لگا دیا۔ ارے بھابیاں تو نیل و نہل کروا دیا کرتی ہیں...... گھروں سے نکلوا دیتی ہیں ایک تھپڑ ہی تو مارا تھا...... حق ہے منال کا...... پر یہ سائرہ تھوڑی جذباتی سی ہے۔ بے وقوف آگے سے الجھنے لگ گئی۔" سائرہ کی حمایت میں وہ گویا صفائی پیش کررہی تھی امرینہ نے منال کی

طرف دیکھا تو منال حیرت سے تسنیم آنٹی کو ہی دیکھ رہی تھی۔
”منال...... بیٹھنے کو نہیں کہو گی؟“ امرینہ نے مسکراتے ہوئے منال کو مخاطب کیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
”ارے کیوں نہیں تم آؤ ناں بیٹھو...... میں بس ابھی آتی ہوں۔“ منال نے اسے برآمدے میں تخت کی طرف اشارہ کیا اور خود اندر کی طرف جانے لگی۔
”ارے تم کہاں چلی؟“ امرینہ تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
”میں حیدر کا پیمپر چینج کرلوں امرینہ‘ اس نے پیمپر گندا کردیا۔“ امرینہ کو بتاتے ہوئے منال اندر چلی گئی۔
”اور تم سناؤ بیٹا گھر میں سب کیسے ہیں؟ کیا کرتی ہو آج کل؟“ تسنیم بیگم اب قدرے خوشگوار انداز میں اس سے گفتگو کررہی تھیں تو امرینہ کو بھی جواب دینا پڑا۔
”آنٹی جی سب ٹھیک ہیں‘ میں نے ابھی حال ہی میں ایم اے کے لیے ایڈمیشن بھیجا ہے سائرہ مائرہ کیا کررہی ہیں آج کل؟“ اپنے بارے میں بتاتے ہوئے اس نے ان سے ان کی بیٹیوں کی بابت پوچھا۔
”کرنا کیا ہے بیٹا...... اللہ زندگی اور صحت دے میری بچیوں کو...... سائرہ کے سر میں ہر وقت درد رہتا ہے‘ جس کی وجہ سے وہ پڑھائی نہیں کرسکتی‘ بس سات کلاسیں پڑھی ہیں اس نے اور مائرہ چھوٹی ہے اس لیے لاڈلی بھی بہت ہے‘ اتنی سخت اور مشکل پڑھائیاں وہ کیسے کرسکتی تھی۔ اس نے آٹھویں پاس کی بس۔“ سائرہ اور مائرہ کے بارے میں دی گئی تفصیلی معلومات پر امرینہ کو ذرا حیرت بھی ہوئی۔
”امرینہ...... ادھر اندر ہی آجاؤ حیدر کے کپڑے چینج کررہی ہوں میں۔“ منال کی آواز کے تعاقب میں امرینہ نے دیکھا تو تخت کے ساتھ والے کمرے میں ہی منال بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ امرینہ اٹھی اور بیگز اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی اور گفٹ کے بیگز منال کی طرف بڑھائے۔
”یہ کیا ہے امرینہ؟“ منال نے شاپنگ بیگز پکڑتے ہوئے پوچھا۔
”یہ اس گھپلو کے لیے گفٹس ہیں۔ کھول کر دیکھو۔“ حیدر کو امرینہ نے گود میں اٹھالیا۔ اب وہ اس کے پھولے پھولے گال سہلا رہی تھی۔

”بہت بہت مبارک ہو منال‘ بہت پیارا بیٹا دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے۔ اللہ تعالیٰ اس گھپلو کو لمبی زندگی دے۔“
”منال...... تم خوش تو ہو ناں؟“ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بالآخر امرینہ کے دل میں اٹھنے والا سوال لبوں تک آ ہی گیا۔ منال نے نظریں اٹھا کر اپنے بچپن کی سہیلی کو دیکھا جو بنا کہے اس کا ہر درد جان لیا کرتی تھی۔
”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ منال کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں تو امرینہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔ وہ پیار سے اس کا سر سہلا رہی تھی۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ جو اس کے دل کا درد کم کردیتے۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو منال امرینہ سے الگ ہوئی اور اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔
”صرف ایک جواب دو منال کہ تم یہ سب کیوں برداشت کررہی ہو؟“ اس نے منال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
”میں شان سے دور نہیں رہ سکتی امرینہ اور اب تو حیدر بھی ہے‘ میں اپنی ماں کی تربیت پر حرف نہیں آنے دے سکتی تھی امرینہ اس لیے میں نے خود کو بدل لیا۔“ اس کی آنکھیں ویران لگ رہی تھیں۔ امرینہ کو اس کے مختصر جواب نے ساری مجبوریوں کی روداد کہہ سنائی تھی۔
”اور شان بھائی...... انہیں تمہارا یہ حال نظر نہیں آتا۔ وہ کچھ نہیں بولتے؟“ اب کی امرینہ کے لہجے میں سختی سی در آئی۔ اسے اس شخص پر غصہ آرہا تھا جو اس کا سرپرست تھا۔ وہ کیسے اپنی ذمہ داری سے غافل ہوسکتا تھا۔
”انہیں نہیں پتا‘ ان کے سامنے سب ٹھیک رہتے ہیں اور میں نے کبھی ان سے شکایت نہیں کی۔“ منال کے لہجے کی اداسی امرینہ کے دل میں اترنے لگی‘ اس کا جی چاہا کہ منال کو یہاں سے لے جائے لیکن دل کی ماننے میں ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے۔
”شکایت...... تم کتنی بے وقوف ہو منال...... ظلم کرنے والا تو ظالم ہوتا ہے لیکن ظلم سہہ کر تم برابر کی اس ظلم میں حصے دار ہو...... تم شان بھائی کو بتاؤ ان کی حقیقت۔“ اب کہ امرینہ نے اسے لتاڑا۔
”نہیں...... میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے بیٹا ماں سے جھگڑے‘ یہ لوگ تو ویسے بھی میرے ناکردہ گناہ بھی میرے

کھاتے میں ڈال دیتے ہیں پھر کیا فائدہ اس سب کا۔“ منال نے قطعیت سے منع کیا تو امرینہ کا جی چاہا اپنا سر ہی پیٹ لے۔
”ویسے تو کسی کی موت کی دعا مانگنا مکروہ ہے لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہاری ساس کی موت کی دعا بڑی شدت سے مانگوں۔“ امرینہ غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔
”کیوں بھئی...... میری ساس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟“ حیدر سوچکا تھا اس کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے منال نے پوچھا۔
”یار...... ان سے کہو کہ وہ خود کو اس قدر قابل نفرت نہ بنائیں کہ لوگ اپنی خوشی اور اطمینان کے لیے ان کی موت کی دعائیں مانگنے لگیں۔“ امرینہ کا حرف حرف سچ اور صحیح تھا۔ منال محض سوچ کر ہی رہ گئی۔
”میری بات کان کھول کر سن لو...... آئندہ کوئی غلط بات برداشت نہیں کرو گی تم اور نہ ہی خود پر ظلم ہونے دو گی۔ حیدر کے بارے میں سوچو...... کمزور ماں تو کبھی بھی اولاد کو بہادری کا سبق نہیں دے سکتی۔“ امرینہ اسے نصیحت کررہی تھی‘ اپنے حق کے لیے بولنا سکھا رہی تھی۔
”اچھا میری ماں...... لیکن تم ماں کو کچھ مت بتانا۔“
”ٹھیک ہے میں پھوپھو کو کچھ نہیں بتاؤں گی لیکن اپنے دفاع کے لیے تم ضرور بولو گی۔ وعدہ کرو۔“ اسے ابھی بھی منال سے اس کی کوئی امید نہیں تھی۔
”نہیں وعدہ نہیں کرتی لیکن کوشش کروں گی کیونکہ میں ایک ماں ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ حیدر بھی میری طرح کمزور بنے۔“ اب منال مسکرا رہی تھی۔ امرینہ کو قدرے سکون ملا۔
”ارے میں نے تمہیں چائے پانی کا تو پوچھا ہی نہیں‘ تم حیدر کے پاس بیٹھو میں کچھ لے کر آتی ہوں تمہارے لیے۔“ منال باہر چلی گئی۔ امرینہ نے منال کی زندگی کو نیا رخ دینے کے لیے سوچ لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ سسٹم میں نئی تبدیلیاں لانے کے لیے اسے ریفریش کرنا ضروری ہوتا ہے اور تسنیم بیگم کو ریفریش کرنے کا اس نے سوچ لیا تھا اور یہ جھٹکا اسے آج ہی دینا تھا۔ وہ سب کچھ سوچنے کے بعد مطمئن ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

حیدر کی سالگرہ پر سنبل احمد‘ عرفان احمد اور ان کے ساتھ ساتھ منال اور اس کی فیملی بھی مدعو تھی۔ پورا گھر خوب صورت غباروں اور فریش پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ تسنیم بیگم اپنے پوتے اور بہو پر واری صدقے جارہی تھیں لیکن اس دلار میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی۔ سائرہ اور مائرہ بھی بھابی‘ بھابی کہتے تھکتی ناں تھیں۔ منال کا رنگ پہلے جیسا کھلا ہوا تھا‘ چہرے کی جھریاں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بالکل ہی غائب ہوچکے تھے۔ منال کی خوشحالی پر اس کے سب پیارے مطمئن تھے۔ منال چھری لینے کے لیے کچن کی طرف بڑھی تو امرینہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔
”تم نے ان سب پر کیا جادو کردیا منال...... کیا راز ہے اس سب کا؟“ وہ منال سے اس کی خوشحال زندگی کا راز پوچھ رہی تھی۔
”جادو تو آپ کا ہے میڈم...... کیلے کے اس بابرکت چھلکے نے تائی امی کی سوئے ہوئے احساس کو جگادیا اور سائرہ مائرہ کو تو کام کرنے کی عادت ہی نہ تھی...... تائی امی کی سارے کام میں نے خوشدلی سے سنبھال لیے‘ پاؤں میں فریکچر کی وجہ سے...... وہ ایک قدم بھی خود نہ چل سکتی تھیں تو میں ان کا سہارا بنی‘ بس پھر انہوں نے خود کو بدل لیا۔ شاید جو وقت پہلے میرے خلاف استعمال کرتی تھیں اب اس وقت میں انہوں نے کئی مہینے بیڈ پر حقیقت کو دیکھتے ہوئے گزار دیے...... جس مشکل وقت میں ان کی بیٹیاں ان کے پاس نہ ٹھہرتی تھیں میں نے ایک بیٹی بن کر ان کی دلجوئی کی اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔“ پوری کہانی سنانے کے بعد وہ مسکرادی...... آج اس کے لہجے میں درد کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اس کے چہرے پر اگر کچھ تھا تو طمانیت کا احساس تھا۔

❀

www.naeyufaq.com

میرے بن کرآؤ

سیما بنت عاصم

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حمیدہ کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہوتا ہے‘ گھر میں سب سے بڑی اولاد ہوتی ہے اور گھر چلانے کے لیے ملازمت کررہی ہوتی ہے۔ حمیدہ کے باپ بھائی دونوں نکھے ہوتے ہیں جب کہ اماں بھی پھوڑ اور لوور پھیرنے والی خاتون ہوتی ہیں۔ گھر کے کاموں سے اماں کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، حمیدہ ہی کام پر جانے سے پہلے گھر کے تمام کام کرکے جاتی ہے۔ گھر تقریباً حمیدہ کی تنخواہ پر ہی چل رہا ہوتا ہے۔ گلناز حمیدہ کی پڑوسن ہوتی ہے۔ جس کو حمیدہ کا بھائی فہد پسند کرتا ہے پر گلناز کی ماں فہد کا رشتہ کرنے کے حق میں نہیں ہوتی اور نفیس سے اس کی شادی کردیتی ہیں۔ اقبال محلہ کا بدمعاش ہوتا ہے اور وہ حمیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہے پر حمیدہ راضی نہیں ہوتی‘ حمیدہ کی ماں اقبال کو سبز باغ دکھا کر اس سے پیسے بٹور لیتی ہے پر اقبال مکار آدمی ہوتا ہے‘ وہ حمیدہ کی ماں سے پیسے نکلوالیتا ہے۔ حمیدہ جس جگہ نوکری کررہی ہوتی ہے وہاں سے اس کے باس کی نیت خراب ہوجاتی ہے۔ حمیدہ نوکری چھوڑ دیتی ہے پر گھر اس کی تنخواہ سے چل رہا ہوتا ہے تب وہ اپنی دوست ثمینہ سے مدد مانگتی ہے اور وہ اس کو دوبارہ نوکری کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ حمیدہ اخبار میں اشتہار دیکھ کر کئی جگہ درخواست دے آتی ہے اور ایک جگہ حمیدہ کی ملاقات سعد بن مصطفیٰ ہمدانی سے ہوجاتی ہے۔ حمیدہ پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوجاتی ہے۔ ثمینہ اس کو سمجھاتی ہے کہ اس عمر میں محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی مرد صرف دھوکہ دیتا ہے پر حمیدہ کا دل نہیں مانتا۔ حمیدہ کی ماں رشتے کروانے کا بھی کرتی ہیں جو بھی کوئی جوڑ کا رشتہ اس نے نہیں کروایا ہوتا۔ ایک ایسا ہی رشتہ اس کے پاس آتا ہے جس میں لڑکی کا باپ چھ لاکھ لڑکی کو جہیز میں دینے کی بات کرتا ہے۔ حمیدہ کا اماں فوراً فہد کا رشتہ طے کردیتی ہیں اور جہیز کی رقم کے ساتھ لڑکی کو رخصت کرنے کی بات کرتی ہے پر دوسرے دن لڑکی اپنے گھر والوں سے لڑ کر سسرال آ بیٹھتی ہے۔ وقت کے ساتھ حمیدہ کو ثمینہ کی بات پر اعتبار آنے لگتا ہے اور وہ اقبال سے شادی کی حامی بھر لیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

ایک پل میں ہوگئے گم
تیرے واسطے‘ رابطے
اور تم......!

سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کی کال اس وقت آئی تھی...... جب فیصلہ ہوچکا تھا۔ کبھی کبھی معذرت یا وضاحت کے تمام لفظ بے معنی ٹھہرتے ہیں۔ حمیدہ بھی اپنے دل کو مضبوط کرچکی تھی۔

”میں نے آپ کو اتنا چاہا...... اتنا چاہا کہ میرا دل خالی ہوگیا مگر آپ اپنی مجبوریوں کی زنجیر میں جکڑے بے بس انسان ہیں...... شاید کسی کی محبت کے اہل بھی نہیں ہیں۔“

”کہہ دو...... جو تمہارے دل میں ہے‘ سب کہہ دو‘ اپنے اندر کا سارا غبار نکال دو مگر پلیز مجھ سے ناراض مت ہو۔“ اور وہ بھی شاید اپنا سارا غبار نکال دینے پر آمادہ تھی۔

”آپ کے پاس سب کے لیے وقت نہیں تھا مگر میرے لیے وقت نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں رشتوں کی اہمیت تھی‘ میں تو شاید کہیں بھی نہیں تھی اور یہ بات مجھے بہت پہلے سمجھ لینی چاہیے تھی‘ آپ کو میری اور میری محبت کی ضرورت نہیں تھی تو مجھے بھی اپنی محبت سمیٹ لینی چاہیے تھی مگر شاید میں اپنی حیثیت واوقات بھول گئی تھی۔“

”حمیدہ......“ وہ تڑپ اٹھے۔ ”تم میرے لیے عزیز تر ہو...... محبت کسے کہتے ہیں‘ تم ہی نے مجھے بتایا...... تم ہی نے تو مجھے بے لوث محبت کے معنی سکھائے ہیں۔“

”آپ کی زندگی میں میرا کیا مقام ہے‘ اس کا احساس

آپ نے خود بار بار دیا ہے...... میں آپ کا ویٹ کرتی رہی اور آپ موبائل بند کیے گم رہے کہ آپ کی بیٹی بیمار تھی۔ آپ کو یاد ہی نہ رہا کہ ایک عام سی لڑکی کو آپ نے ملاقات کا وقت دیا تھا' آپ فیملی کے ساتھ ہوں تو میں آپ لیے اجنبی بلکہ صفر...... آپ نے یہ پروف کرنا تھا کہ آئی ایم جسٹ اے کلائنٹ...... شاید یہی ہوتی ہے ہم جیسی لڑکیوں کی حیثیت واوقات کہ تنہائی میں محبت کا یقین بخشتے رہیں اور فیملی کے ساتھ ہوں تو نظریں بدل کے گزر جائیں...... ایسے بہت سے لمحات میں مجھے محسوس ہوا کہ آپ کی زندگی میں' میں کہیں نہیں' آپ میرے نہیں یا پھر میرے لیے نہیں۔"

"میں اگر تم پر اپنی مجبوریاں عیاں رکھتا تو یہ میری عزت نفس کی توہین تھی اور تم سمجھتیں ہو کہ میں اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر تمہیں پھنسا رہا ہوں ورنہ میری زندگی جہنم سے بدتر تھی اور تمہاری محبت نے میری زندگی میں اجالا کر دیا ہے۔"

"میں بار بار آپ پر اپنی محبت جتاتی رہوں اور آپ کی طرف سے خاموشی رہے...... تو یہ محبت نہیں بے وقوفی ہے...... کاش آپ عام آدمی ہوتے' ہم چھٹ پٹی پر سفر کرتے...... تھرڈ کلاس ہوٹلوں میں چائے پیتے مگر آپ کے پاس میرے لیے وقت تو ہوتا...... محبت کا ایک لو دیتا احساس' کاش صرف میرے نام رہتا۔ کبھی دو گھڑی وقت نکال کے سوچیے گا' آپ کی محبت نے مجھے انتظار اور اضطراب کے سوا دیا ہی کیا ہے؟ شاید بساط سے بلند پرواز یونہی انسان کے پرخچے اڑات دیتی ہے۔ میں اپنی حیثیت واوقات بھول گئی تھی۔ آپ تو شاہ ہیں' آپ کی جنبش لب کسی کی قسمت بدل سکتی ہے اور میں خاک کا ادنیٰ ذرہ۔"

"مانو گی...... اس روز میرا موبائل گھر پر رہ گیا تھا' مجھے کچھ خبر ہی نہیں تھی۔"

"اب وضاحتوں کا وقت گزر چکا ہے...... چاہت کے اس سفر میں' میں ہمیشہ سے تنہا تھی...... انسان تنہا چلتا ہے تو جلدی تھک جاتا ہے...... سمجھ لیں کہ میں بھی تھک گئی ہوں۔"

"تم سب سچ کہہ رہی ہو...... دیکھا جائے تو میں اس سے زیادہ کا مستحق ہوں بلکہ معافی کے قابل بھی نہیں' تب بھی اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا' خدارا مجھے بددعا نہ دینا۔"

"کتنا آسان ہوتا ہے ناں محبت کے چند سبز باغ دکھا کر راہ بدل لینا کیونکہ محبت آپ مردوں کے لیے کوئی دلکش کھلونا ہوتی ہے مگر کبھی کسی ٹوٹے ہوئے دل میں جھانکیں تو معلوم ہو کہ ضرب جتنی کاری ہو' آہ اتنی ہی بلند ہوتی ہے پھر بھی...... پھر بھی میں آپ کو بددعا نہیں دوں گی سعد بن مصطفیٰ کیونکہ جو چیز اپنی تھی ہی نہیں' اس کے چھن جانے کا کیا غم مگر یاد رکھیے گا جو لوگ اپنی خطاؤں سے محبت گنواتے ہیں پھر محبت ان کے لیے...... ایک بددعا ہی بن جاتی ہے۔" اس نے کال ڈراپ کر دی تو سعد بن مصطفیٰ نے پھر کئی بار کال کی بیل مسلسل ہوتی رہی مگر اس نے کان نہیں دھرے' اماں اس کے سر پر سوار ہو گئی تھیں۔

"اے حمیدہ...... یہ کب سے تیرا فون بج رہا ہے۔"

"اسے بجنے دو اماں اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" حمیدہ نے شدت کرب سے آنکھیں موند لیں' شاید ثمینہ ٹھیک ہی کہتی تھی' شادی شدہ مرد کی محبت پانی پر لکھی تحریر ہوتی ہے' دو آنسو ٹوٹ کر پلکوں سے گرے تھے۔

"کچھ لوگوں کے نصیب میں منزل نہیں صرف راستے کی دھول ہوا کرتی ہے اور میں تو فقط راہ گزر تھی...... منزل نہیں۔" حمیدہ نے آخری بار محبت کے مرقد پر آنسو بہائے تھے۔

سزا یہ ہے کہ آنکھوں سے چھین لیں نیندیں......!
قصور یہ تھا کہ اس کے ساتھ جینے کے خواب دیکھے تھے

❁......❁......❁......❁

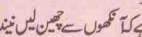

اتنا سہل بھی نہیں ہوتا' عرصہ سے کسی نکتے پر مرتکب دل و دماغ کو ہٹا کر ایک نئے رستے پر سفر کے لیے آمادہ کرنا' حمیدہ بھی بار بار بکھری تھی اور بالآخر ثمینہ کے کندھے پر سر رکھ کر بلک اٹھی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں شادی شدہ مرد کی محبت پانی پر لکھی تحریر ہوتی ہے۔"

"مجھے رشک آتا ہے ان لوگوں پر جو جسے چاہتے ہیں اسے حاصل بھی کر لیتے ہیں۔" حمیدہ نے ایک کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"کیا ہوتی ہے یہ محبت اور کیا دیتی ہے یہ محبت' اضطراب' کرب اور نارسائی۔"

"بات نصیبوں کی ہے' محبت کرنے والے سب ہی دل ٹوٹتے نہیں ہیں۔ کچھ منزل کو پا بھی لیتے ہیں اور خوش بھی رہتے ہیں۔"

"ہاں سچ کہتی ہو' ہم وہ سیاہ نصیب ہیں جو سونے کو ہاتھ لگا میں تو پیتل بن جائے' ہم جیسے حرماں نصیبوں کو تو محبت کرنا ہی نہیں چاہیے۔ خواب' خواہش اور قسمت میں اتنا فاصلہ کیوں ہوتا ہے؟"

"جانے بھی دو حمیدہ...... زندگی میں انسان کو سب ہی کچھ نہیں مل جاتا' اس محبت کو بھی ایک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔"

"میں اس محبت کو بھول بھی جاؤں تو اس اذیت کی تلافی کیسے ہو' اس کی محبت نے مجھے ہمیشہ آزار ہی تو بخشے۔ اضطراب' ذلت بھرا انتظار سعد بن مصطفیٰ نے مجھے کبھی ایک پل بھی نہیں دیا مگر کم از کم محبت کے جواب میں محبت کا احساس تو ہم قدم ہونا چاہیے...... لگتا تھا بس ایک خواب ہے' بس چند لہو کو گرماتے جملے' جو مجھے یک دم اٹھا کر کھڑا کر دیا کرتے تھے' میرے خوابوں کی دنیا مہک اٹھتی' میں ہر تلخ حقیقت سے منہ چھپا لیتی اور اسے تو شاید یاد بھی نہ رہتا ہو کہ چند لفظوں ایک آدھ اڑتی پھرتی ملاقات کو زاد راہ بنا کر ہم جیسی خوابوں میں زندگی ڈھونڈنے والی لڑکیاں کتنی دور نکل جاتی ہیں۔"

"جانے بھی دو حمیدہ بھول جاؤ' اپنے دل سے اس خیال کو بھی نکال دو۔"

"سب کچھ یہاں......" حمیدہ نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "دل سے ہوتا ہے اور جب اس دل کو ٹھیس لگتی ہے ناں تو رشتے میں دراڑ آ ہی جاتی ہے۔ میں نے اس محبت پر فاتحہ پڑھ لی' ہمارا ملن نصیب میں درج نہیں تھا اور جب وہ نہیں تو کوئی بھی سہی۔"

"یہ خود کے ساتھ ناانصافی ہے حمیدہ' سعد بن مصطفیٰ نہ سہی مگر خود کو یہ سزا بھی نہ دو' اس سے تو بہتر ہے تمام زندگی اس بے انت محبت کے نام کر دو...... تمہیں رونا ہے تو کھل کر رو لو مگر یہ نہ کرو۔"

"ایک آنسو ہے' جو میرے اندر ٹھہرا ہوا ہے...... اس آنسو کو رستہ ملے تو شاید میرے اندر کا غبار ڈھل جائے مگر شاید میری آنکھیں بنجر ہو گئی ہیں۔"

"جب ہم خود کو حالات کے سپرد کر دیتے ہیں تو اندر باہر ایسا ٹھہراؤ آ ہی جاتا ہے' محبت کا خواب دلکش سہی مگر اس کی تعبیر بہت بھیانک ہوتی ہے۔"

"کچھ خوابوں کو تعبیر کبھی نہیں ملتی شاید اس لیے کہ ان خوابوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی...... وفا انمول سہی مگر اس کا انجام صرف تنہائی ہے۔"

"تو جب تنہا ہی رہنا ہے تو کیوں اپنی زندگی داؤ پر لگاتی ہو حمیدہ۔"

"کچھ راستے بے نشاں اور کچھ تعلق بے نام ہوتے ہیں۔ مجھ پر شادی شدہ کا ٹھپہ لگ گیا تو اماں سرخرو ہو جائیں گی...... میں منظر سے ہٹ جاؤں تو شاید باقی سب کچھ ٹھکانے پر آ جائے۔ سچ کہا ہے کسی نے محبت مرد کے لیے ایک لمحہ اور عورت کے لیے ساری زندگی ہوتی ہے...... سمجھو آئندہ زندگی اسی محبت کو خراج ادا کرتے گزرانی ہے۔" حمیدہ کا فیصلہ اٹل تھا۔

❁......❁......❁......❁

نکاح بہت خاموشی اور سادگی سے ہوا تھا اور ان کے پاس تھا ہی کیا جو دھوم دھڑ کا مچتے' پالے سے اماں نے کیا معاملات طے کیے حمیدہ کو غرض نہ تھی انہیں تو بس اپنی شرط

سے سروکار تھا۔ حمیدہ بالے کے ساتھ رخصت ہوکر سدھاریں تو چار سو سناٹا ہی سناٹا تھا۔ حمیدہ کے اندر ٹھہرا آنسو ہنوز بے اماں رہا۔

بالے نے اپنے گھر والوں کو کیسے راضی کیا یہ ایک الگ کہانی تھی۔ نکاح میں تو سب ہی مارے باندھے بیٹھے نظر آئے تھے جیسے سب ہی نے کوئی کڑوا گھونٹ پیا ہو...... حمیدہ نے بیاہ کر سسرال کی دہلیز پر قدم رکھا تو نہ کوئی رسم نہ چاؤ چونچلے اور نہ ہی استقبال' نہ کوئی سجاوٹ بالے کے سوا کسی کو اس نکاح سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اس کے تیور بھی کچھ دیر بعد کھل گئے تھے۔

''یہ جھمکے بڑے اچھے لگ رہے ہیں...... میری اماں نے اپنی بہو کے لیے بڑے چاؤ سے بنوائے تھے۔'' اس نے جیب سے سگریٹ نکال کے سلگائی اور ایک گہرا کش لیا۔ چرس کی بدبو سے حمیدہ کا دماغ پھٹنے لگا۔ حمیدہ نے سر جھکا لیا مگر بالے نے اس کا سر اٹھا کر بغور آنکھوں میں جھانکا۔

''سارا کاجل بہہ گیا ہے لگتا ہے تو بہت روئی ہے کیا اماں سے جدائی کے غم میں؟''

''تو اور کیا؟'' وہ دوبارہ سر جھکا کر بدقت بولی۔

''اچھا...... میں سمجھا اس سفید کار والے سے بچھڑنے کا دکھ ہے جو اکثر نکڑ پر تجھے چھوڑ کے جاتا تھا۔'' اس کی آنکھیں لہو رنگ ہوگئیں۔ حمیدہ گنگ رہ گئی۔ اس کی پست ذہنیت کی پہلی پرت کھلی تھی۔

''حق طلاق اسی لیے تو نہیں لکھوایا۔ خانہ پری کے لیے شادی کرلو اور اپنے کھوٹے مقدر کو رو کر پھر سے میکے کی دہلیز پکڑ لو' باقی کی زندگی پھر سے اپنے کنبے کا بوجھ ڈھونے کے بہانے چھرے اڑاتے گزار دینا۔'' اس نے سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر چھوڑا' اگلے پل وہ پیٹھ موڑ کے بے تھے بیل کی طرح اونچے اونچے بے ہنگم خراٹے لینے لگا تھا۔ حمیدہ کے سینے میں اٹکی سانس بمشکل آزاد ہوئی تھی اور آئندہ کی زندگی کیسے گزرے گی اس کا بخوبی ادراک ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

حمیدہ کی شادی کے بعد نا صرف گھر کا شیرازہ بکھر گیا تھا بلکہ دو وقت کی روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے تھے۔ اس کے ذمہ دار وجود نے جس طرح گھریلو اور بیرونی ذمہ داریوں کا بار ایک ساتھ اٹھا رکھا تھا وہ بس اس کا ہی کا حوصلہ تھا۔ گھر کے کام کاج اب اماں کے تو بس کے نہ رہے تھے۔ اس پر بہو بیگم کے ناز نخرے الامان الحفیظ۔ سارے گھر میں ابتری راج کرتی نظر آرہی تھی۔ گھر میں چار سو دھول ہی دھول اڑتی نظر آنے لگی تھی اور وہ جو حمیدہ کا خیال تھا کہ اس کے منظر سے ہٹنے پر سب کچھ ٹھکانے پر آجائے گا خام ثابت ہوا تھا۔ اگرچہ اس نے ملازمت سے استعفیٰ نہیں دیا تھا مگر پرائیویٹ آفس تھا' اس کی نوکری زیادہ پرانی نہیں تھی جو بیشتر مراعات کا حصول ہوتا۔ سو گھر کا جو نظام اس کی تنخواہ کی سبب چلتا تھا اب منہ چڑا کر رہ گیا تھا۔

وقت مقررہ پر ادائیگیاں نہ ہوسکیں تو سارے کھاتے بند ہوگئے۔ قرض خواہوں کا دروازے پر تانتا بندھ گیا نتیجتاً ایک جھک جھک' چخ چخ کا سامنا اماں کو تھا۔ ابا یا فہد میاں کی صحت پر کون سا اثر پڑنا تھا۔ ان کے وہی لیل ونہار تھے۔ بس نہ چلتا بیوی کے قدموں تلے تھگلی لگا دیں' گھر کے معاملات و مسائل سے تو پہلے بھی ان کا لینا دینا نہ تھا اب تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ صفیہ ان ہی کے بل بوتے پر گھر بھر میں دندناتی پھرتی تھی اپنی مرضی سے سوتی' جاگتی' کھاتی پیتی تھی اور اماں تھیں کہ اس گھڑی کو سر پکڑ کر کوستیں جب اسے بیاہنے کی ٹھانی تھی۔

زندگی عجیب گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔ وہ سمجھتی تھیں کہ حمیدہ کو بیاہ کر بہو لے آئیں گی تو ایک ساتھ دو فکرات سے خلاصی پائیں گی۔ حمیدہ کا پہاڑ جیسا بوجھ سر کے گا اور بہو آئے گی تو ساتھ لکشمی بھی لائے گی۔ فہد میاں کا قبلہ درست ہوگا اور انہیں سکھ کا سانس نصیب ہوگا مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے پڑ گئی تھیں۔ بہو بیگم کے لیل ونہار فہد میاں سے بڑھ کر بگڑے ہوئے تھے۔ اماں چاہتیں کہ

اب وہ گھر کا کام دھندہ سنبھالے مگر انہیں تو کچھ آتا ہی نہ تھا اگر آتا تو فون پر یہاں وہاں کالیں ملا کر گپیں ہانکنا جوابا ہر وقت ان کے موبائل کی بھی گھنٹیاں بجتی رہتیں۔ موبائل سے فرصت پاتیں تو اماں کے گھر کی حاضری لازمی تھی۔ بے پروائی' پھکڑ پن میں اور گھر گھر پھرنے میں اماں سے دس ہاتھ آگے تھیں' اس دن انہوں نے کہیں جانے کو پر تولے۔

''اماں میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' وہ جھٹ برقع پہن کے کھڑی ہوگئی۔

''ہائیں مجھے تو سو کام ہیں۔ دس گھر پھرنا ہے تو کہاں میرے ساتھ ماری ماری پھرے گی۔'' وہ دنگ رہ گئیں۔

''تو میں گھر میں رہ کر کیا کروں گی؟''

''اری سارا گھر ابلا پڑ رہا ہے' صفائی ستھرائی کر برتن بھانڈے مانجھ۔''

''اماں تم سے ہزار بار کہا ہے یہ گھر کے کام دھندے مجھ سے نہیں ہوتے۔''

''تو تجھ سے ہوتا ہی کیا ہے؟ سارا دن پلنگ توڑنا یا کالیں کرنا سننا' اب بھلے برتن بھانڈے ملیے پڑے رہیں مگر پیٹ میں تو اپنے وقت پر ہی آگ لگے گی ناں...... چولہا چوکی سنبھال۔''

''چولہا چوکی سنبھال کے کیا کروں' راشن کے سارے ڈبے خالی پڑے ہیں۔''

''تو فہد سے کہتی...... پرچون والے سے ادھار پکڑ لاتا۔''

''پرچون والا خود گھر آیا تھا' اس کا تین مہینے کا ادھار باقی ہے۔ آج دودھ والا بھی نہیں آیا۔ ورنہ چائے بنا کے روٹیاں تل لیتی۔'' اب اماں منہ پھوڑ کے بتاتی کیا اچھی لگتیں کہ دودھ والے نے بھی پرچون والے کی طرح مزید ادھار دینے سے صاف انکار کردیا ہے اور ابا نے ٹھیک ہی تو کہا تھا...... دنیا کی ہر لڑکی حمیدہ نہیں ہوتی' دلہن بیگم کو تو پیر پھیلا کے سونے اور کھانے کی عادت تھی' وہ کہاں تک ان حالات میں گزارا کرتیں اور کاہے کو کرتیں۔ فہد نے تو انہیں بڑے سبز باغ دکھائے تھے۔ ادھر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ اماں حسب عادت دس گھر جھانک کر لوٹتیں تو وہ گدھے گھوڑے بیچے سوتی نظر آتی' گھر جوں کا توں پڑا ملتا...... وہ کڑھ کر رہ جاتیں' پیٹ دہائیاں دیتا تو یہاں وہاں کھا لیتیں۔ اس روز بھی گھر لوٹیں تو چولہا اوندھا پڑا تھا۔ انہوں نے خاک نہ پروا کی۔

''میں تو پڑوس کی رضیہ سے کہہ آئی ہوں وہ چاول بھجوا دے گی۔'' اماں پیر پسار کے لیٹ گئیں' صفیہ ہنس کے کمرے میں گھس گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے رضیہ کا بیٹا نیاز کے چاول کی پلیٹ بھر کے لایا تھا اس نے چپکے سے اڑا لی اور اب کمرہ بند کرکے چٹخارے لے لے کے چاول کھائے پھر پیر پسار کے لمبی تان لی۔ اب اس سے بھلا کون منہ ماری کرتا۔ اماں فہد سے کچھ کہتیں تو وہ بیوی کی حمایت میں منہ کو آتا۔

شادی کو اتنے دن گزر گئے اور فہد میاں کا خمار ہی نہ اتر رہا تھا۔ اسے چار سو صفیہ ہی صفیہ نظر آتی تھی اور صفیہ بھی ہر آن سج سنور کر بجلیاں گرانے کو تیار اس روز بھی سولہ سنگھار کیے ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

''تم اچھی ہو مگر ڈریس اچھا نہیں ہے۔''

''شادی سے پہلے تو میں تمہیں ہر لباس میں اچھی لگتی تھی۔''

''میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا' لباس سے عورت کا کردار عیاں ہوتا ہے' یہ برائے نام آستین' گہرے گلے تمہیں زیب دیتے ہیں کیا؟''

''اوہو...... اب میرا موڈ آف نہ کرو...... کوئی اور بات کرو۔''

''اچھا جناب...... ویسے صبح ہی صبح یہ تیاری کس سلسلے میں؟''

''بھول گئے...... اماں کے گھر جانا ہے۔'' اس نے مسکارا شدہ پلکیں پٹپٹائیں۔

''اماں کے گھر؟ کل رات ہی تو تم آئی ہو پورے چار

دن بعد۔"

"تو وہ میری اماں کا گھر ہے میں روز جاؤں گی اور تمہیں لے کے جانا ہوگا۔" فہد کو فکر لاحق ہوئی اس کی جیب میں کل دو سو روپے تھے اور صرف آنے جانے کا کرایہ اسی روپے بنتا تھا اب وقت آ گیا تھا کہ اپنے پوشیدہ ہنر آزما کر کسی سے دو چار سو روپے کی جگاڑ کی جائے۔ صفیہ اور اس کے گھر والوں کے سامنے جو ڈینگیں ماری تھیں کچھ اس کا بھرم بھی تو رکھنا تھا اور وہ یہی سوچ کر کمرے سے نکلا تو اماں سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"اٹھ گیا تو نیستی، دلہن کہاں ہے؟"

"کیوں اماں...... دلہن کا کیا تم نے اچار ڈالنا ہے؟"

"ارے کیا برتن بھانڈے کیا میرا باپ قبر سے اٹھ کر دھوئے گا؟"

"اماں وہ سو رہی ہے۔ تم دھو لو ناں۔"

"ارے تو وہ کب نہیں سوتی...... اس کم بخت کا تو چلن ہی الٹا اور نرالا ہے بجائے اس کے کہ وہ گھر کا چولہا چوکی سنبھالے میں اس کے آگے روٹی رکھتی ہوں اور وہ کھا کے پھر پیر پسار لیتی ہے۔" انہوں نے فہد میاں کو شرم دلانی چاہی مگر فہد میاں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"تو اماں تم اپنے گھر کا کام کرتی ہو مجھ پر احسان تھوڑی کرتی ہو۔"

"ارے کم بخت...... اس بڑھاپے میں تو مجھ سے اپنی بیوی کی چاکری کروائے گا۔"

"اوہو اماں، صبح ہی صبح میرا دماغ مت چاٹو۔ کچھ ناشتہ کھانے کو ہے تو دو۔"

"ارے کچھ نہیں ہے، جا ہوا کھا۔ دودھ والے، راشن والے سب نے کھاتا بند کر دیا ہے...... ہزاروں کا قرض بنتا ہے پہلے وہ اتارو پھر آگے مانگنا جب تک مٹی پھانکو۔" ان کی آواز بلند تھی فہد میاں نے ایک چور نظر اپنے کمرے کے دروازے پر ڈالی۔

"آہستہ بولو اماں، صفیہ سنے گی تو کیا سوچے گی۔"

"ارے جو دیکھ رہی ہے، وہی سوچے گی...... وہ خود کہاں کی راج کماری ہے موئے جھوٹے بے ایمان فریبی۔" اماں کو چھ لاکھ کا دکھ بھلائی نہ بھولتا۔ ناچار فہد میاں کو جیب میں پڑی رقم کو ہوا دکھانی پڑی۔

"لو کچھ کھانے پکانے کو لے آؤ۔"

"یہ دو سو روپے؟ اس میں تو صرف ہانڈی کا سودا ہی آئے گا۔"

"ہاں تو پکا لیں ناں ہانڈی۔"

"ہانڈی پکانے کے لیے راشن بھی چاہیے ہوتا ہے۔ وہ کہاں سے آئے گا؟" اماں کو یاد آیا حمیدہ مہینے کی شروع تاریخوں میں سب کا حساب کرتی تھی۔ راشن والا، دودھ والا، پان چھالیہ کا خرچ۔

"تو اماں یہ سب کیا صرف میرے کرنے کے کام ہیں؟"

"تو اور کون کرے گا؟"

"تم یا ابا۔"

"تمہارے ابا ایسے ہوتے تو رونا کاہے کا تھا انہوں نے کبھی کچھ کیا ہے جواب کریں گے۔ اس دو سو میں ہانڈی کا سامان آ بھی گیا تو میری پان چھالیہ کے پیسے؟"

"وہ تو میرے پاس نہیں ہیں۔" صاف کورا جواب وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہی دو سو روپے لیے چل پڑی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

حمیدہ جب سے اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی، اس گھر کا عجیب ہی ماحول دیکھا تھا۔ بالے کے سارے گھر پر اس کی کنواری بہن کا راج تھا۔ جس کی زبان کی رفتار تیز گام کو بھی شرماتی تھی۔ اس رانی کو گھر کے کاموں سے کوئی شغف نہ تھا، وقت بے وقت دروازے میں لٹکے رہنا جیسے اس نے خود پر فرض کر رکھا تھا، اس پر ناز نخرے...... رانی کی اس مزاج کی تیزی و تندی کے سبب دیگر بیاہی بہنوں سے اس کی ایک پل نہ بنتی تھی جو گھر کے افراد سمیت گھر کی ہر شے پر اپنا حق تصور کرتی اور بال بچوں سمیت تھے سے صبح و شام آن دھمکتیں لہٰذا رانی اور ان کے درمیان معرکہ ایک عام سی بات تھی اور وہ جو حمیدہ کا بالے کی محبت کا گمان تھا، جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا تھا۔ شادی کی پہلی رات اس کا رویہ حمیدہ کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ وہ اپنی اس بے اعتنائی پر قائم تھا بلکہ اس کی بے رخی میں روز افزوں اضافہ ہی ہوا تھا۔

شادی کے اگلے ہی روز اس نے حمیدہ کو سیاہ برقع تھما دیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ عورتوں کا کھلے منہ پھرنا اسے پسند نہیں اور میکے جانے کا تو وہ نام بھی نہ لے وہ اس کے باپ بھائی کی طرح بے غیرت نہیں ہے جو حمیدہ کے ٹکڑوں پر پلتے تھے اور حمیدہ ان کے حلق پر انگوٹھا رکھ کے دھڑلے سے غیر مردوں کے ساتھ آتی جاتی تھی۔

حمیدہ نے حمیت اور اپنائیت سے اسے بدلنا چاہا، اس کا دل مٹھی میں کرنا چاہا تو وہ اور شیر ہو گیا...... حمیدہ بھوکی پیاسی رہ کر رات کھانے کے لیے اس کا انتظار کرتی اس نے اور تاخیر سے گھر آنا شروع کر دیا، بات بات پر بھڑک اٹھتا تھا۔

"بیوی ہے تو بیوی بن کے رہ تھانیدارنی نہ بن، میں نے نہیں کہا تھا تجھ سے بھوکی مرنے کے لیے اور سن لے کہ میرے آنے جانے کا کوئی وقت نہیں ہوتا تو روٹی کھا لیا کر۔" حمیدہ کیا بتاتی کہ اس روٹی کا اس کو کیسا بھاری خراج ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ زندگی کے لیے اس نے بڑے سنہرے خواب دیکھے تھے۔ اب تو بس سمجھوتا یا گزارا تھا مگر اس میں بھی دو کوڑی کی اوقات تھی، بالے کی دونوں بیاہی، زبان دراز بہنیں آنے بہانے آبراجمان ہوتیں اور کھانا کھا کر ہی ٹلتی...... وہ روٹیاں پکا پکا کر ہلکان ہو جاتی گھر میں لمبے لمبے جالے لٹکے تھے، کچن کی دیواروں اور اشیاء پر میل اور چکنائی کے غلاف پڑے تھے اس نے بالے کی توجہ دلا کر کچھ رقم حاصل کرنا چاہی۔

"دیکھ حمیدہ...... ہمارے چال چلن یا رہن سہن کو بدلنے کی کوشش مت کر ہم جیسے ہیں تجھے بھی ہمارے ساتھ اسی طرح گزارا کرنا ہوگا۔" اور وہ جو حمیدہ کا محبت سے اسے بدلنے کا خیال تھا خام ثابت ہوا۔ وہ اگر کبھی ٹوک ہی دیتی۔

"دیکھ بالے تو نہیں تم کہتے ہیں۔" وہ بدک اٹھتا اپنا یا گھر کا حلیہ بدلنے کو سمجھاتی تو بگڑ جاتا اور اس کا وہی ایک جواب۔

"او حمیدہ...... اپنی اوقات میں رہ ہمیں بدلنے کی کوشش تجھے مہنگی پڑے گی، یہ کنبہ تیری کمائی پر نہیں چلتا جو تیری جوتی کے نیچے دب کے رہے، تمیز سکھانی ہے تو جا کے اپنے ماں باپ کو سکھا۔" یا پھر عادت کے مطابق اس کو دو کوڑی کا کر دیتا۔

"او...... ہم جیسے ہیں ویسے ہی رہیں گے، ہمیں بدلنے کے بجائے تو اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر ہمارے ہاں کی عورتیں، جیسے رہتی ہیں تجھے بھی ویسا ہی رہنا ہوگا۔" ذرا جو وہ بجتی سنورتی اس کی تیوریاں چڑھ جاتیں۔

"اتنا ہار سنگھار کس کے لیے کیا ہے؟"

"بیوی کس کے لیے بجتی سنورتی ہے؟"

"دیکھ حمیدہ...... مجھے یہ بازاری عورتوں والے ناز نخرے نہ دکھایا کر...... ہم اپنی زنانیوں کو سر نہیں چڑھاتے ہیں۔"

"اچھا تو کیسے رہتی ہیں تمہارے گھر کی عورتیں، ذرا میں بھی تو سنوں۔" اس دن وہ کہہ ہی بیٹھی۔ "دن بھر تم گم رہتے ہو، رات گئے آتے ہو تو نیند یا نشے میں دھت ایک عورت سے نکاح پڑھا کر کہا اسے کونے میں ڈال دیتے ہیں؟" اس کا گلا رندھ گیا۔

"نہ...... تو تو کیا چاہتی ہے...... ہر وقت تیرے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہوں مجھے سو کام ہوتے ہیں۔" اور اس کے کام حمیدہ سے بڑھ کر کون جانتا تھا جوے بازی، تاش کے پتے یا مے نوشی۔ حمیدہ نے حلق کے ذریعے دل میں اترنا چاہا تو کیڑے نکالنا شروع۔

"سالن کس نے پکایا ہے؟"

"کون پکا سکتا ہے...... تمہاری بہن کو تو کچھ آتا ہی نہیں اور محلہ والے تو آ کر پکانے سے رہے۔"

"نمک بہت کرارا ہے۔" اگلے ہی پل اس نے

پلیٹ دیوار پر کھینچ ماری۔

"یوں کہو کہ تم مر کے بھی میری تعریف نہیں کر سکتے۔"

"دیکھ خاموش ہو جا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"تو اچھا ہو بھی کیا رہا ہے، ساری زندگی برباد ہو کر رہ گئی ہے میری۔" وہ بوتل کے جن کی طرح حمیدہ کے سر پر آ کھڑا ہوا اور اگلے ہی پل حمیدہ کے بال اس کی مٹھی میں تھے۔

"تجھے ہزار بار سمجھایا ہے اور کہا بھی ہے منہ بند رکھا کر، ہماری زنانیاں منہ نہیں کھولتیں۔" اس نے جھٹکا دیا تو حمیدہ جا کر دیوار سے ٹکرائی۔ وہ تن فن کرتا نکل گیا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شامت اعمال اس دن اماں چلی آئیں اور حمیدہ کے سوا کون تھا جو ان کے دکھڑے سنتا۔

"حمیدہ تیرے بغیر تو وہ گھر بکھر کر رہ گیا ہے۔ جانے مجھ سے کیا بھول ہوئی جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ گھر کا طور طریقہ، چلن کارخانہ سب تیرے دم سے تھا۔" ان کے جاتے ہی بالا سانپ کی طرح پھنکارتا حمیدہ کے سر پر آن سوار ہوا۔

"کیا لینے آئی تھی تیری اماں؟"

"اماں مجھ سے ملنے آئی تھیں، میرے پاس ہوتا ہی کیا ہے، جو وہ لینے آئیں گی؟"

"تیرے پاس نہ سہی، میرے گھر میں تو بہت کچھ ہے، سب سمجھتا ہوں میں۔ تجھ جیسی بیویاں ہی شوہروں کی محنت کی کمائی میکے والوں کے حلق میں اتارتی ہیں۔"

"ہونہہ...... محنت کی کمائی۔" اپنے دو نمبر کاموں کو وہ محنت کی کمائی کہہ رہا تھا۔

"پچھلی گلی میں تو گھر ہے، وہ اگر آ جاتی ہیں تو تمہارا کیا جاتا ہے۔" نہ نہ کرتے بھی وہ کہہ گئی۔

"خوب جانتا ہوں میں تجھے اور تیری اماں کو...... پوچھ ذرا کتنا مال کھلایا ہے اب سب سود سمیت واپس لوں گا ...ذرا وقت آنے دے۔" وہ بکتا جھکتا پھر سے گھر سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

فہد شاپر لے کر گھر میں گھسا تو سامنے ہی اخبار پڑھتے ابا نے آہٹ پر کونا ہٹا کے اسے دیکھا مگر وہ آنکھیں چرا کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔ صفیہ پلنگ پہ پیر پسارے مزے سے سو رہی تھی۔ فہد نے جھنجوڑا تو وہ آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔

"اوہو...... سوتے سے جگا دیا...... ابھی بارہ ہی تو بجے ہیں۔ ایسی بھی کیا مصیبت آ گئی ہے؟"

"تمہیں سونے کے سوا بھی کچھ آتا ہے...... رات رات بھر کچن میں بند ہو کے موبائل پر بات کرو گی تو دن میں نیند ہی آئے گی ناں۔"

"ہاں تو اپنی اماں سے ہی بات کرتی ہوں۔"

"پتا نہیں یہ کیسی اماں ہیں جنہیں یہ پروا نہیں کہ بیٹی کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔"

"دیکھو میری اماں کو کچھ نہ کہنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" فہد جان گیا کہ اب خاموشی ہی میں عافیت ہے وہ اپنی اماں کے خلاف ایک لفظ نہیں سنتی تھی۔

"اچھا...... دیکھ میں تیرے لیے کیا لایا ہوں لے کھانا نکال۔" صفیہ نے شاپر کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

"ارے یہ چار روٹی اور ایک پلیٹ سالن؟ یہ تو بس ابا ہی کھا جائیں گے۔"

"ارے تو ان کے لیے لایا ہی کون ہے یہ تو بس تیرا اور میرا ہے جلدی نکال بھوک لگ رہی ہے بلکہ ایسا کر برتن یہیں سے لے لے۔" صفیہ نے شوکیس سے برتن نکالے تو ان پر دھول پڑی تھی، اب دھونے ناگزیر تھے۔ وہ برتن لے کر باہر آئی تو ابا اسے دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئے اور متوقع نظروں سے اسے دیکھا، وہ رخ موڑ کر بے اعتنائی سے کچن میں گھس گئی اور برتن دھو کر ٹرے میں سجائے اور بے گانگی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔

"دیکھا تم نے حمیدہ کی ماں۔" ابا نے انہیں بڑی شکستہ نظروں سے دیکھا تھا۔ "اس لڑکے نے ہمیں

بھولے منہ نہیں پوچھا۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، دنیا کی ہر لڑکی حمیدہ ہے؟ وہ بیٹی نہیں بہو ہے...... میری حمیدہ چٹنی بھی بناتی تھی تو پہلے ہمارے آگے رکھتی تھی، خود آدھا پیٹ کھاتی، لوگ بیٹوں کی تمنا کرتے ہیں، ان کے لیے منتیں مانتے ہیں کہ بیٹے جوان ہو کر ان کا سہارا بنیں گے، کیا یہی دن دیکھنے کے لیے......؟"

"کسی دانشور نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ بیٹی ہمیشہ بیٹی رہتی ہے اور بیٹا تب تک بیٹا رہتا ہے جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی...... بیٹے بہو کا سکھ بھی قسمت والے اٹھاتے ہیں۔"

"ارے مر کھپ گئے تمہارے دانشور...... فہد ہمارا اپنا تھا ہی کب جو پرایا ہونے کا ماتم کریں۔ حمیدہ چلی گئی اب ہمیں کون پوچھے؟ شاید دوسروں کے سہارے پر زندگی محتاجی ہی کہلاتی ہے۔" اماں نے سادہ مگر بڑی گہری بات کہی تھی۔

"ہمارے نصیب میں یہ دن دیکھنے بھی لکھے تھے۔ فاقوں کی نوبت آ گئی ہے، سارا گھر سنبھال رکھا تھا حمیدہ نے، سب بکھر کر رہ گیا...... ارے آج اگر وہ ہوتی تو کاہے کو کیڑے پڑتے اس گھر میں۔" نہ نہ کرتے بھی انہیں حمیدہ یاد آ ہی جاتی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اسے کہنا بچھڑنے سے محبت تو نہیں مرتی
بچھڑ جانا...... محبت کی صداقت کی علامت ہے
محبت ایک فطرت ہے
تو فطرت کب بدلتی ہے
سو جب، ہم دور ہو جائیں
نئے رشتوں میں کھو جائیں
تو یہ مت سوچ لینا تم
محبت مر گئی ہوگی
نہیں...... ایسا نہیں ہوگا
میرے بارے میں سن کر جب
تمہاری آنکھ بھر آئے
چھلک کر ایک بھی آنسو
پلک پر جو اتر آئے
تو بس اتنا سمجھ لینا
جو میرے نام سے اتنی
تیرے دل کو عقیدت ہے
تیرے دل میں بچھڑ کر بھی
ابھی میری محبت ہے
محبت تو بکھر کر بھی
سدا آباد رہتی ہے
محبت ہو کسی سے تو
ہمیشہ یاد رہتی ہے!

"وہ کہتی ہے کہ میری زندگی میں سب رشتوں کی اہمیت ہے اور وہ تو کہیں بھی نہیں......" سعد بن مصطفیٰ ہمدانی ایک بار پھر سڑک ناپنے نکل کھڑے ہوئے تھے، نہ جانے کیوں ایک وحشت سی انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی...... یک دم ہی دل زندگی سے اچاٹ ہو جاتا تھا، ایک غیر محسوس اضطراب کے ناگ بڑھ بڑھ کر انہیں ڈستے تو وہ بے قرار ہو جاتے، جانے کیوں ایک ہی چہرہ بار باران کی چشم تصور میں چھپ دکھاتا...... ایک سراپا بار بار سامنے آن کھڑا ہوتا...... وہ مضطرب ہو کے رہ جاتے، نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ وہ تو دنوں کا شمار تک بھول گئے تھے مگر یہ وقت کس اضطراب میں گزرا...... ان وقتوں کی اذیت کا حساب و شمار کرنا بھی چاہتے تو ناکام رہتے۔

وہ یونہی چلتے چلتے دور نکل جاتے...... کبھی رات آنکھوں میں بتا دیتے، سگریٹ کے ان گنت ٹوٹوں سے ایش ٹرے بھر جاتی مگر ان کا اضطراب کم ہو کے نہ دیتا۔ حمیدہ...... بظاہر ایک عام سی لڑکی تھی۔۔ وہ عام سی لڑکی جب دور چلی گئی تو احساس ہوا وہ کتنے ادھورے اور تنہا رہ گئے ہیں۔ وہ خود میں خالی پن سا پاتے اور دور دور تک سناٹا اور وہ ہوتی۔

"دنیا کی ہر چیز ہم تھوڑی بہت کوشش سے حاصل

کر سکتے ہیں مگر محبت صرف اور صرف قسمت سے ملا کرتی ہے۔"

انہیں لگتا ان کی زندگی اس معصوم و بےلوث محبت کرنے والی لڑکی کی کسی بددعا کے زیر اثر آ گئی ہے۔ شاید وہ اس کی زندگی میں اہم ترین تھی جس نے چاہت کا احساس دیا اور وہ اس سے کبھی کہہ ہی نہ سکے کہ اس کے بن کتنے ادھورے ہیں۔ اس کی بےلوث محبت کے طفیل جانا تھا کہ وہ اب تک کتنے تشنہ رہے ہیں۔ ان کے اندر یہ کیسا خلا تھا، جو بھر کے نہ دیتا...... ایک مرد کی پُرسکون زندگی اور تکمیل میں عورت کی خوب سیرت و محبت کا کیا کردار ہوتا ہے؟ اور پھر یہ خلا پھیلتا گیا...... پھیلتا ہی چلا گیا شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھی کہ محبت صرف اور صرف قسمت سے نصیب ہوتی ہے۔ انہوں نے کرب سے آنکھیں موند لیں مگر یہ بات تب سمجھ میں آتی ہے جب وہ محبت کہیں کھو جاتی ہے۔

"حمیدہ......" ان کے لبوں نے بےآواز جنبش کی۔

"جانے وہ سادہ و معصوم لڑکی کہاں اور کن حالوں میں ہوگی۔"

❁......❁......❁......❁

اس روز بھی اماں گھر میں داخل ہوئیں تو صفیہ حسب عادت پیر پسارے موبائل پر گفتگو میں مصروف تھی۔ انہیں دیکھ کر کھٹ موبائل آف کر دیا تھا۔

"اری تو نے اب تک روٹی نہیں پکائی۔"

"اماں آٹا گوندھ تو دو پھر پکا دوں گی۔"

"ہائیں آٹا میں گوندھوں؟ مجھے تو عرصہ ہوا گھر کا کوئی کام کیے بھلا کرے حمیدہ کا کبھی مجھے گھر کے کسی کام کو ہاتھ تک نہ لگانے دیا۔"

"تو بازار سے منگوا لو۔"

"اے کہاں تک بازار سے منگواؤں؟"

"گھر ہوٹل سے چلتا ہے یا موبائل سے؟" انہوں نے ازار بند سے بندھی تھیلی بہو کے سامنے پھینک دی۔

"کیا آسمان سے نوٹ برس رہے ہیں، اتنے پیسے کہاں سے لاؤں؟"

"اور وہ جو فہد نے دس ہزار دیے ہیں...... پلاٹ کا سودا ہونے کے بعد۔"

"اے فہد ایسے بھر بھر کے دینے والا ہوتا تو رونا کا ہے کا تھا...... اسے تو بس بڑی بڑی باتیں کرنا آتی ہیں۔"

"ایسے گن تھے بیٹے میں تو بیاہنے کیوں آئی تھیں؟"

"تو تو کون سی کم ہے...... تجھے نہ کوئی کام نہ دھندا بس گپیں لگانا، آوارہ گردی یہی تو چھن تھے تیرے جو ماں باپ کو بھاری پڑ گئی تھی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی بلا میرے سر تھوپ دی۔"

"ہاں تو میں نے کب انکار کیا ہے۔" وہ اکڑی۔ "سو کیڑے ہیں مجھ میں تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے" کیوں میری جان کو چمٹے ہوئے ہو۔"

"تو تیرے ماں باپ کی آنکھوں پر کیا پٹی بندھی ہوئی تھی، آؤ دیکھا نہ تاؤ اور بنا چھان پھٹک، ارے فہد کے گن تو تجھے سارا محلہ بتا دیتا۔ ایک تیری اماں تیری جان کو چمٹی رہتی ہے ماں بیٹی کی ایسی محبت دیکھی نہ سنی۔"

"سب سمجھتی ہوں میں، تمہیں ان کا آنا کھلتا ہے...... دو چار گھڑی ان سے دکھ سکھ کی کہہ لیتی ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے۔"

"ہئے ہئے ایسے کون سے دکھ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں تجھ پر میں بھی تو سنوں۔"

"جاؤ جی جاؤ، اپنے کام سے کام رکھو میرے منہ نہ لگو۔"

"اری چل چل، خوب جانتی ہوں میں تیرے کرتوت...... فہد پر جال ڈال کے پھنسا لیا، زبردستی آ کے بیٹھ گئی، گھر والوں نے پیسے کا چارہ نہ ڈالا ہوتا تو کون بیاہتا تجھے۔"

"پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کے دیکھو تمہارے گھر کتنوں کا وقت بے وقت آنا جانا رہتا ہے گھر کو بازار بنا رکھا ہے۔"

"اے ہے...... ایسے کون سے ناتھے نگوڑے میرے

گھر کے پھیرے ڈالنے لگے۔"

"وہ پڑوس کی ہاجرہ کا بیٹا پرلے درجے کا لفنگا کاہے کے لیے آنے بہانے چکر لگاتا ہے؟ اور آپ بھی گھنٹہ گھنٹہ بھر اس سے میٹھی میٹھی باتیں بگھارتی ہو۔"

"اے لڑکی منہ سنبھال کے بات کر تجھ پر اللہ کی مار تو مجھ بڑھیا پر عیب لگا رہی ہے......" وہ دنگ رہ گئیں۔

"جاؤ جی...... میرا منہ نہ کھلواؤ ایسے شریف زادے عزت دار ہوتے تو اپنی بیٹی بالے جیسے دو نمبر کے گھر میں کیوں بیاہتی۔" وہ نخوت سے کہہ کر کمرے میں گھس گئی۔

پھر یوں ہوا کہ صفیہ بیگم فہد میاں کی بابت کھٹک ہی گئیں...... اس کے ہزار جھنجوڑنے پر بھی فہد میاں نہ جاگتے، دن چڑھے ان کی صبح ہوتی، اس دن بھی صفیہ نے بمشکل جگایا۔

"تم کام پر نہیں گئے؟"

"کون سا کام؟" فہد میاں کی آنکھیں پوری نہ کھلی تھیں۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ آج کل اسٹیٹ کا کام چل رہا ہے۔"

"اوہ...... ہاں۔" فہد کے دماغ کی کھڑکیاں روشن ہوئیں۔

"میں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ یہ ہوائی روزی ہے مجھے روز تھوڑی جانا پڑتا ہے۔"

"یہ کیسا کام ہے...... آمدنی کچھ نہیں اور کام کا کہہ کے روز نکلتے ہو اس طرح رہا تو ہم کیسے الگ گھر لے سکیں گے۔ یہاں میرا دم گھٹتا ہے۔"

"ارے میری جان...... میں نے کہا ناں میں جلد ہی تمہیں الگ فلیٹ لے دوں گا۔"

"مجھے بےوقوف نہ بناؤ...... ملک کا وزیراعظم بھی روز آفس جا کر بیٹھتا ہوگا پر تم ان سے بھی بڑھ کر ہو؟ کام پر نہیں جاؤ گے تو ہم کیسے گھر اور گاڑی لیں گے۔" یہ وہ سبز باغ تھے جو فہد میاں اپنی ڈینگ باز فطرت کے سبب اسے دکھاتے رہے تھے مگر صفیہ ان سے چار ہاتھ آگے تھی۔ اس گھر کا بگڑا انتظام اس کے سامنے تھا، پیسے کی کمی کے سبب ایک چیخم پکار پڑی تھی۔ ابا اور فہد کا نکما پن اتنے دنوں سے اتنا تو جانچ رہی تھی کہ فہد کے سارے دعوے وعدے کھوکھلے تھے۔

"مجھے نہیں پتا، اپنے سارے وعدے پورے کرو ورنہ مجھے اماں کے گھر چھوڑ دو۔"

"تمہارے سر میں تو اماں کی بغل میں گھسے رہنے کا خناس بھرا رہتا ہے۔"

"تمہارا گھر رہنے کے قابل کہاں ہے، اس گھر میں کھانے تک کو تو ہے نہیں۔"

"یہ سب میرا ہیڈک ہے...... میں کرلوں گا، تم دماغ نہ کھپاؤ۔"

"ارے کیوں نہ کھپاؤں...... سارا دن تم پلنگ توڑتے ہو یا سج بن کے نکل جاتے ہو۔" فہد کا موبائل بج اٹھا تھا رانگ کال تھی۔ اس نے کچھ دیر ہوں ہاں کے بعد ڈراپ کی اور صفیہ سے کہا۔

"سنو...... اس دن جو تمہاری اماں نے تمہیں سونے کا سیٹ دیا تھا ذرا اس کے بندے نکال دو۔"

"کس خوشی میں؟" اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"ارے ایک انسان کی موت اور زندگی کا سوال ہے، بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، جان خطرے میں ہے، میں تمہیں ایسے ہزار بندے بنوا دوں گا، بس میرا ایک پلاٹ بک جائے۔" صفیہ سوچ میں پڑ گئی...... ان بندوں کی قلعی اترتی تو دو ٹکے کے نہ تھے اس کا کیا جاتا۔

"صرف بندوں کے لیے اتنی سوچ بچار، بیویاں تو سنا ہے سر کے تاج کے لیے جان وار دیتی ہیں۔" صفیہ نے الماری سے بندے نکال کے دے ہی دیے، فہد نے خوشی سے بندے ہتھیلی پر رکھ کے تولے۔ کچھ تو کام بن ہی جاتا...... دس بارہ ہزار سے تو کیا ہی کم کے پڑتے...... تب تک صفیہ و دیگر کا منہ بند کیا جا سکتا تھا۔ جو آئے روز اس کی جان کھاتی رہتی تھیں اور وہ بندے جیب میں رکھ کر گھر سے نکل آئے۔

حمیدہ پر ہر دن ایک کڑا عذاب بن کے گزرتا' بالے کے لیل ونہار بدلنے تھے نہ بدلے اور اس دن تو حد ہی ہوگئی اس نے کپڑوں کا ایک ڈھیر ان کے سامنے لا پٹخا۔

"کپڑوں پر استری کر کے رکھ۔"

"میں نے کبھی مردانہ کپڑوں پر استری نہیں کی۔"

"اچھا......" اس نے سفاک لہجے میں کہتے ہوئے استری کی حرارت انتہا درجے پر رکھ دی۔ "اس استری کی جلن تجھے بتائے گی کہ استری کیسے ہوتی ہے۔" اس کا پھنکارتا ہوا لہجہ و انداز خطرناک تھا۔

بالے کے ارادے جان کر حمیدہ نے بچنا' سنبھلنا چاہا تھا مگر اس نے حمیدہ کی کلائی زور سے دبوچ لی۔ اگلے ہی پل سارا گھر حمیدہ کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیوں کی کھال جل گئی تھی مگر وہاں سننے والا کون تھا۔

رات گئے وہ لوٹا تو حمیدہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

"اے...... چل ٹانگیں دبا میری۔" وہ پلنگ پر پیر پسار کے پڑ گیا۔ حمیدہ کے دائیں ہاتھ کی کھال جل گئی تھی وہ سفاکی سے رخ پھیر گیا۔

"دوسرا ہاتھ تو سلامت ہے ناں' اسی سے دبا۔"

"دباتی ہے یا......" نفرت سے کہتا اٹھ بیٹھا تو حمیدہ اسی ایک ہاتھ سے دباتی رہی۔ تیز بخار سے چکراتے سر کے ہمراہ یہ مشقت' اس کی نظروں تلے اندھیرا چھانے لگا تو کہہ بیٹھیں۔

"اب بس بھی کرو...... میرا سر دکھ رہا ہے۔"

"چل...... چل بہانے مت بنا...... دبا دبا۔"

"جانے کس بات کی سزا دے رہے ہو مجھے' تمہیں تو محبت کا دعویٰ تھا۔" انہیں لگتا بالا انہیں جان بوجھ کے اذیت دیتا ہے۔

"محبت......" وہ منہ پھاڑ کے ہنسا اور پھر اٹھ بیٹھا۔

"ہاں...... ہاں کہہ دے' کہہ دے جو کچھ تیرے دل میں ہے۔ آج یہ بھی پوچھ لے کہ شادی کے بعد سے اب تک میں نے تجھے ہاتھ تک نہیں لگایا...... پوچھ ناں کیوں؟"

"میں بیوی ہوں...... تمہاری۔" شدت ضبط سے حمیدہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"بیوی...... ہاہاہاہا...... واہ کیا بات ہے' کبھی بیوی دو نمبر عورت بن جاتی ہے' کبھی دو نمبر عورت بیوی۔" اگلے پل حمیدہ کے بال اس کی مٹھی میں تھے۔

"مجھے غور سے دیکھ...... میں وہی بے ڈھنگا سانڈ ہوں جس کی شکل پر تجھے تھوکنا بھی منظور نہ تھا...... میں نے تیری ماں کو ہزار لالچ دیئے' وعدے کیے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو تیرے انکار کی وجہ سے پھر بالکل اچانک ایک دم تو کیسے مان گئی؟" حمیدہ گنگ رہ گئی مگر وہ اپنے اندر کا زہر نکالنے پر آمادہ رہا۔

"وہ محبت نہیں' محبت کا جھانسا تھا' میں اسے جل نہ دیتا تو وہ کیسے تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتی۔ اب تو تو سمجھ جا کہ میں نے تجھ سے انتقام لینے کے لیے شادی کی ہے' میں تیرے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تجھے اپنا لیتا اور تو نے جو گل کھلایا تھا اس پر میرے نام کا ٹھپہ لگا کے دنیا کے لیے پارسا بن جاتی۔ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں...... سمجھی تو۔" حمیدہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے جھپٹ کر بالے کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا سوچ کے اور کس بل بوتے پر تم نے اتنی گھٹیا بات کہی میں...... میں تمہارا منہ نوچ لوں گی' ٹکڑے ٹکڑے کردوں گی تمہارے۔" اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں چٹخنے لگیں۔

"چل او چل...... میرے سامنے زیادہ پارسا مت بن...... وہ جو سفید کار میں...... ہزار بار تجھے چھوڑنے آتا تھا' اسے میں کیا ساری دنیا دیکھتی تھی...... یاد رکھ میرا نام بالا ہے بالا اپنی ذلت اور بار بار ٹھکرانا مجھے یاد ہے...... میں تیری اس شکل کو کسی اور کے قابل نہیں چھوڑوں گا یہ یاد رکھنا۔" اس نے اپنا گریبان حمیدہ کی گرفت سے چھڑایا۔

"میں اگر چاہوں تو ابھی اور اسی وقت تجھے طلاق دے سکتا

ہوں مگر پہلے دنیا کے سامنے تیرا "کارنامہ" تو آجائے...... میری قابل نفرت شکل کو تو نے اپنے مطلب کے لیے قبول کرلیا اور میں تیرے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تجھے اپنا لیتا...... اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں۔" حمیدہ کے کردار پر اچھالی گئی کیچڑ اس کے سارے وجود کو داغ دار کر گئی تھی۔ وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس لمحے حمیدہ کے دل نے شدت سے زمین پھٹ جانے کی دعا کی تھی۔

زندگی کے ہر ہر پل نے حمیدہ سے بھرپور خراج وصول کیا تھا مگر حیات کا یہ رخ کڑا ترین تھا۔ اس کی جلد بازی و جذباتیت کے ایک فیصلے کا ایسا بھیانک انجام بھی ہوگا' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب از خود اس نے اپنے آپ کو ناقابل قبول قرار دے کر بالے جیسے گھٹیا انسان کو اپنا لینے کا فیصلہ کرلیا تھا تو یہ اس کی وقتی جذباتیت و جلد بازی تھی پھر بھی وہ تو سمجھتی تھی اپنی محبت و خدمت سے ان سب کے دل جیت لے گی مگر یہاں تو دل میں زہر بھرا تھا اور نگاہوں پر شک و شبہ کی پٹی...... بالے کے دل و دماغ میں اس کے لیے اتنا تنفر اور گند بھرا ہوا تھا اس کو اپنا آپ لائق نفرین محسوس ہونے لگا تھا اور بھلا جرم ہی کیا تھا اس کا...... بس ایک معصوم سی محبت...... جو شبنم کے قطرے کی مانند شفاف تھی...... اچانک چشم تصور میں ایک چہرہ عود کر آیا اور دو موتی پلکوں سے ٹوٹ کر گرے۔

بجھتی شام سے پوچھا میں نے
جس کو بچھڑے مدت بیتی......
کچھ تو بتا وہ کیسا ہے؟
کیا اب بھی اس کی آنکھوں میں
کہیں میرا عکس بھی بستا ہے
کر کے یاد وہ میری باتیں
روتے روتے ہنستا ہے
کچھ دیر تو شام خاموش رہی
پھر ہنس کے مجھ سے کہنے لگی
دکھ جس کا تجھے یوں ڈستا ہے
تیری حد سے دور کہیں
اب ساتھ کسی کے بستا ہے!

❁......❁......❁......❁

اماں اس گھڑی کو کوستیں جب فہد میاں کو بیاہنے کا خیال ان کے دل و دماغ میں آیا تھا۔ فہد میاں پہلے کون سے ان کے بس میں تھے...... اب تو بالکل ہی کاٹھ کے الو بن کے رہ گئے تھے۔ بہو بیگم موبائل سے فرصت پاتیں تو اماں کے در کی حاضری لازمی تھی...... اماں ان کی ہٹ دھرمی و ڈھٹائی پر چیختی چلاتی رہتیں اور فہد میاں بیگم کے پیچھے نکلتے چلے جاتے' فہد میاں کی اسی بے حسی و کمک کے سبب صفیہ سسرالیوں یا سسرال کو خاطر میں نہ لاتی...... بس فہد میاں سے مطلب رکھتی...... صبح و شام اس کے در کی حاضری میں ایک وقت کی بھی کمی پڑ جاتی تو اماں تڑپ کر آن پہنچتیں...... بیٹی کے کمرے میں گھسی کھسر پھسر کرتی رہتیں اور وہیں سے نکل جاتیں۔ اس روز نکلیں تو ایک گٹھڑی بغل میں دبی تھی...... اماں نے لپک کر جالیا۔

"اے یہ گٹھڑی کہاں لیے جارہی ہو؟"

"میرے رشتے داروں میں شادی ہے' بہن نے میرے کپڑے منگوائے ہیں۔" صفیہ کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"اری تیری بہن ایسی کون سی حور ہے جو تیرے کپڑے پہن کے سج جائے گی' دکھا گٹھڑی ذرا میں بھی تو دیکھوں۔" انہوں نے زبردستی گٹھڑی چھین کر کھول لی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... ان کے گھر کا بیشتر سامان...... جو گاہے بہ گاہے غائب ہوتا رہا تھا...... کپڑے لتے' چھوٹا موٹا سامان۔

"اوئی اللہ یہ تو وہی موبائل ہے جو رات سے غائب ہے۔" شامت اعمال ایک روز صفیہ اپنا موبائل چارج نہ ہونے پر ان کا اٹھا لیے گئی تھی اور تب ہی سے اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو ایسی ایسی بے ہودہ کالیں ان کے پاس آرہی تھیں کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

اماں کو لگا دنیا ان کی نظروں کے سامنے گول گول

گھومنے لگی ہے اور واہ رے ان کی چوری اور سینہ زوری...... اماں گٹھڑی بغل میں دبا چمپت اور دونوں کی مہابھارت شروع۔

"ارے تو کیا گھر کے سامان پر میرا حق نہیں ہے؟"

"ارے تیرا ناس جائے...... میں نے کیا تیرے گھر والوں کا بھرنا بھرنے کے لیے یہ کپڑے لتے بنوا کے دیے تھے۔"

"ہاں تو تم نے تو دے دیے ناں...... اب میں جس کو چاہے دوں۔"

"ارے یوں کہہ کہ تم ذات کے فقیر ٹھگ ہو۔ تمہارا گھر گھرانا' بیٹیوں کے دیے پر ہی پلتا ہے۔"

"منہ سنبھال کے بات کرو میرے گھر والے کیا تم سے روٹی مانگنے آ رہے ہیں۔"

"روٹی مانگنے نہیں...... روٹی کھانے تو آتی ہے تیری ماں...... جب تو بنا مانگے سب سمیٹ کر اس کی بغل میں دبا دیتی ہے تو فقیروں کی اولاد۔"

"ہاں تو کیوں آئی تھیں ہم فقیروں میں رشتہ لینے۔ اپنے جیسی کوئی مہارانی بیاہ لاتیں ناں۔"

"اری چل چل...... میں تیرے در پہ ناک رگڑ کر رشتہ مانگنے نہیں گئی تھی' نہ تجھے بیاہنے...... بھوکے ننگے لوگ اٹھا کر سبز باغ دکھائے اور زبردستی بیٹی تھوپ دی چھ لاکھ تو کیا چھ آنے کے جہیز کی اوقات نہ تھی۔" اماں کی اس گل افشانی پر ایک نیا تماشہ دیکھنے کو ملا...... صفیہ بیگم پر دورہ پڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں مڑ گئے' منہ سے جھاگ برآمد ہونے لگے۔ اماں انہیں لے کر بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچیں...... پرائیویٹ کلینک کی روایت کے عین مطابق دواؤں کا انبار منگوا کر ڈرپ لگا دی گئی...... فہد میاں کلینک میں پھٹکے تک نہیں ان کی جیب میں پھوٹی کوڑی ہوتی تو خبر لیتے سسر صاحب کو اطلاع دی' حسب مقدور تسلی سے نوازا گیا اور پھر یہاں سے وہاں تک سارے موبائل بند۔ اماں بے چاری اکیلی ہلکان ہوتی رہیں' لے دے کے تگڑا بل بھرا...... وہی بات تھی کہ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر...... فہد میاں کے دکھائے گئے جھوٹے خوابوں کا نشہ اترا تو بہو بیگم کی اصلیت بھی کھل کر سامنے آ گئی اور آخرکار ان تمام مناظر کا ڈراپ سین ہو ہی گیا۔ ان کے آئے روز کے جھگڑے جڑ پکڑ گئے۔

"تم...... جھوٹے...... دھوکے باز...... فراڈی ہو۔"

"اور تم کون سی آسمان سے اتری حور ہو...... تمہارے ابا چھ لاکھ کا وعدہ کر کے مکر گئے۔"

"میرے ابا تمہاری طرح دنیا کو ٹھگتے نہیں پھرتے سمجھے تم...... دو کوڑی کی اوقات نہیں تمہاری اور باتیں کتنی بڑی بڑی کرتے ہو۔"

"اور تم...... تمہاری اصلیت کیا ہے' دن رات موبائل سے چپکی کن لوگوں سے باتیں کرتی رہتی ہو؟"

"وہ سب میرے واقف کار ہیں' جان پہچان ہے میری۔"

"جاؤ جاؤ...... میرا منہ مت کھلواؤ...... اس دن میں تمہیں لینے گیا تو تم اپنے بہنوئی کے کندھے پر سر رکھے چھم چھم آنسو بہا رہی تھیں' اتنی خبر وہ اپنی ٹی بی ماری بیوی کی نہیں رکھتا جتنی خبر وہ دن میں سو سو بار فون کھڑکا کے تمہاری لیتا ہے۔"

"کیا...... کیا میری بہن ٹی بی کی مریضہ ہے؟"

"تو اور کیا...... تم سب کو دائمی بلکہ خاندانی ٹی بی کا مرض ہے...... جیسے خالی سوکھی ہڈیوں پر کھال منڈھ دی گئی ہو اس پر بھی تمہیں اپنے حسن کا غرور ہے ہنہ' جہیز تمہارے ابا نے دیا نہیں جو دیا سب دو نمبر کیوں کہ تم خود دو نمبر ہو۔" فہد میاں کو بندوں کی قلعی اترنے پر ہی ان سب کی اصلیت پتا چل سکی تھی۔ جب فہد میاں اسے لتاڑنے پر تلے تو اماں بھلا کاہے کو پیچھے رہتیں۔

"ارے رہنے دے...... یہ بے شرم لوگ ہیں ان پہ نہیں پانی پڑنے والا۔"

"اور تم کون سی عزت دار ہو رشتہ کروانے کے لیے جوڑ توڑ کوئی تم سے سیکھے...... بیٹا تمہارا فراڈ' میاں تمہارا نکما......"

"میری اماں سے زبان چلاتی ہے۔" فہد نے اسے ایک جھانپڑ رسید کیا تو اس کی زبان اور کھل گئی وہ...... وہ ان کے آباؤ اجداد کھنگالے کہ سننے والوں نے سن کر دانتوں تلے انگلیاں داب لیں' ادھر اس نے اپنی اماں کو فون کھڑکایا ادھر اماں حاضر' تب تک دلہن بیگم کا بوریا بستر بندھ چکا تھا۔ صفیہ والدہ صاحبہ کے ہمراہ جانے کو تیار تھیں۔

"صفیہ اب اس گھر میں نہیں رہے گی۔" ساس صاحبہ کا حتمی فیصلہ تھا۔

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہو آخر......" اماں سٹ پٹائیں۔

"ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے' فہد جھوٹا' نکما اور فراڈی ٹھگ ہے۔"

"تو تم ایسے کون سے آسمان سے اترے ہو جہیز بچانے کے لیے چھ لاکھ کے بہانے سے بیٹی تھوپ دی۔ چھ لاکھ کا وعدہ اب بھی پورا کر دو تو فہد کوئی کاروبار کر لے۔"

"جب بیٹی کے بسنے کے ہی آثار نہیں تو چھ لاکھ کیا ڈبونے ہیں۔" کورے جواب پر اماں کی رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی۔

"تو ہی کما اپنے گھر والوں کے جوتے اگر کما کے دینے قابل ہو جائے تو مجھے لینے آ جانا ورنہ نہیں۔" صفیہ بیگم اماں سمیت یہ جا وہ جا...... اماں اور فہد میاں دیکھتے رہ گئے۔ لو جی' آئے بھی' وہ گئے بھی وہ' ختم فسانہ ہو گیا۔

کچھ دن گزرے تو فہد میاں کی چڑھی اتری اور پچھتاوؤں نے گھیر لیا' صفیہ بھی غنیمت تھی انہیں بیٹی دیتا کون...... کم از کم کوئی شریف عزت دار تو ہرگز نہیں...... انہیں انہی جیسوں نے رشتہ دیا تھا اور یہ بات وہ خود بھی جانتے تھے...... صفیہ لاکھ بری سہی پر بیوی تو تھی۔ وہ اس کی کمی محسوس کرتے۔ اس لیے ایک روز اسے لینے جا پہنچے۔

"اسے رکھنا ہے تو الگ گھر لے کر رکھو۔" ساس صاحبہ کا حکم نامہ ملا۔

"اس گھر میں بھی صفیہ اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہے۔"

"یوں کہو...... تمہیں خود بیٹی کے در پہ پڑ کے روٹیاں توڑنی ہیں۔"

"چلو یونہی سہی...... میری بیٹی ہے...... اسے الگ رکھ لو گے تو ہم ایک دوسرے کو سہارا ہی دیں گی۔"

"اور اگر نہ رکھوں تو......؟" فہد میاں نے صاف دھمکایا۔

"تو طلاق کے پیپر تیار کروا لو اور ڈھائی لاکھ مہر کے بھی تیار رکھنا۔" فہد میاں کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں یہاں تو لینے کے دینے والا معاملہ پڑ گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اس روز حمیدہ علی الصبح آئی تو ان کا منہ اترا ہوا تھا اماں اس کو دیکھ کر دہل اٹھیں۔

"حمیدہ تو اس وقت...... خیریت تو ہے؟"

"کیوں اماں یہاں آنے کے لیے بھی وقت دیکھنا پڑے گا مجھے۔" وہ تلخی سے کہہ کر برقع کی ڈوریاں کھولنے لگی تو اماں سنبھل گئیں۔

"ارے نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا...... جم جم آؤ...... سو بار آؤ میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ خیریت سے تو آئی ہو...... کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟" حمیدہ کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا اور کسی سنگین صورت حال کی ترجمانی کر رہا تھا...... اماں اپنی تسلی چاہ رہی تھیں۔

"کسی نے کیا کہنا ہے اماں جب ایک بات طے ہے کہ میں ان سے نہیں جیت سکتی۔" اماں جانتی تھیں بالے سمیت اس کا سارا گھرانا ٹیڑھا' بددماغ ہے مگر انہیں دوسروں سے زیادہ حمیدہ سے توقعات تھیں' انہوں نے اٹھنا چاہا تو سر چکرا کے رہ گیا' وہ دوبارہ تخت پر لیٹ گئیں...... حمیدہ نے انہیں اٹھایا۔

"ارے اماں تمہیں تو بخار ہے۔"

"کیا کہوں حمیدہ...... زندگی تو کب کی ختم ہو گئی...... اب تو بس اپنے آپ کو گھسیٹنا ہے' ناشتا کر کے آئی ہو یا لاؤں؟" اماں کو تیز بخار تھا اور گھر ابتری کا شکار...... کچن

میں چوہے گھوم رہے تھے۔

"میں کرلوں گی اماں...... آپ فکر نہ کریں۔" حمیدہ نے ٹھنڈا پانی پی کر برقع اتارا پھر کچن کی خبر لی جو الٹا پڑا تھا...... سارے ڈبے خالی تھے فریج منہ چڑا رہا تھا۔ اس گھر کا واحد ذریعہ آمدنی خود اس کی ذات تھی وہ منہ موڑ گئی پھر یہ تو ہونا ہی تھا...... اس کو افسوس ہونے لگا جانے کس بدبخت گھڑی میں شادی کا فیصلہ کرلیا...... سب کچھ بکھر اور بگڑ گیا تھا۔ الماری میں کچھ رقم جانے کب کی چھپا کر رکھی تھی...... پانچ سو سے اوپر تھے اس نے دوا اور سامان کے لیے اماں کو پکڑائے اور خود صفائی ستھرائی میں جت گئی۔ میلے کپڑوں، برتنوں کا ڈھیر، ہر چیز دھول مٹی میں اٹی ہوئی تھی۔ ابھی اس کی شادی کو دن ہی کتنے گزرے تھے اور لگتا جیسے صدیاں بیت گئیں ہوں، ان چند دنوں میں جیسے درد کا دریا عبور کر آئی تھی۔ شادی جلد بازی یا جذباتیت میں کیے فیصلوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ وہ آزردہ دل کے ساتھ گھر کے کام بھگتاتی رہی۔ دوپہر کے بعد جو ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹی تو اماں کو ہول اٹھنے لگے۔

"حمیدہ بالا لینے آئے گا تجھے یا میں خود چھوڑ آؤں؟"

"بالا کیسے لینے آئے گا؟" وہ طنزیہ ہنسی۔ "اسے رات پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔"

"ہائیں ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور وہ حوالات کی ہوا کھانے پہنچ گیا؟"

"حوالات کی ہوا کھانے سے کیا ہوتا ہے اماں اس پر کبھی کوئی جرم ثابت تھوڑی ہوا ہے۔" اس نے اماں کا جملہ اماں کو ہی لوٹایا تو اماں کچھ دیر خاموش رہیں پھر جیسے بات بڑائی۔

"چل جانے دے وہ جانے اور اس کا کام تجھے اس کے گھر سے مطلب ہونا چاہیے۔"

"تم کچھ بھی کہو مگر اب مجھے اس کے گھر جانے کو مت کہنا۔" حمیدہ نے حتمی لہجے میں کہہ کر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

اب وجود چھلنی ہوگیا تھا۔ جب ذات کا اعتماد ہی چھن جائے تو تعلق بے معنی ہوجاتا ہے...... کل تیرہ دن ہوئے تھے اس کو بیاہے ہوئے اور گنتی کے ان چند دنوں میں جیسے درد کا کڑا صحرا عبور کرکے آئی تھی...... اذیت در اذیت اور اس پر ذلت و تحقیر۔ شاید ثمینہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔

"محبت کا خواب دلکش سہی مگر اس کی تعبیر بہت بھیانک ہوتی ہے۔" حمیدہ نے کرب و اذیت سے آنکھیں موند لیں۔

طاق دل پر دھرا...... کوئی ننھا...... معصوم سا دیا......
اب پھڑ پھڑا کر بجھنے کو تھا۔

❁......❁......❁......❁

نبیل کی آواز بلند تھی...... شازمہ نے کان لگا کر سنا۔

"شادی...... نان سینس...... اب میں ہر راہ چلتی لڑکی سے تو شادی کرنے سے رہا۔ ارے محبت...... مائی فٹ...... یہ لفظ میں ہزار لڑکیوں سے کہہ چکا ہوں اور تم لڑکیاں کون سی وفادار ہوتی ہو بھول گئیں...... تمہاری جمی سے جان میں نے ہی چھڑائی تھی اگر اس کے بدلے کچھ وقت تمہارے ساتھ گزار لیا تو تم جان کو ہی آ گئیں؟ گھر آؤ گی تو رزلٹ بھی دیکھ لوگی میں اگر ہر لڑکی سے شادی کرنے لگوں تو میرے گھر میں خود میرے لیے جگہ نہ رہے۔ یہ تمہاری اپنی غلطی ہے اس کی سزا میں کیوں بھگتوں؟ تمہیں اپنے اچھے برے کا خود پتا ہونا چاہیے...... کوئی بھی بڑے باپ کا بیٹا پیسے کی جھلک دکھا کر روم بک کروالے تو تم رات گزار لوگی؟ یو شٹ اپ...... تم نے اپنی عزت گنوائی ہے تو میں نے بھی تم پر تمہاری اوقات سے زیادہ خرچ کیا ہے۔" شازمہ نے ایک گہری سانس لی، نبیل کی حرکتیں اب ڈھکی چھپی نہیں رہی تھیں۔ اپنی انہی بدفعلیوں کے نتیجے میں وہ کئی بار جیل کی ہوا کھا چکا تھا۔ سعد بن مصطفیٰ کئی بار اپنی اثر و رسوخ کام میں لاکر اسے چھڑوا چکے تھے مگر اس کے وہی مجرمانہ حرکتیں اور اب یہ تازہ ترین افتاد...... اسے اپنی اطراف خطرے کی گھنٹیاں ہی گھنٹیاں بجتی محسوس ہونے لگی

تھیں۔

❁......❁......❁......❁

حمیدہ کا گھر بھائیں بھائیں کرنے لگا تھا۔ کچھ بھی تو باقی نہیں رہا تھا...... وہ لوٹ آئی تھی...... فہد کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی مگر سب کچھ ویسا کا ویسا ہوجانے کے بعد بھی بہت کچھ بدل گیا تھا...... اماں ابا کی اکثر تکرار چلتی رہتی تھی۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، اس ڈینگ باز نکھے کو نہ بیاہو مگر تم سنتی ہی کہاں ہو میری۔"

"اے میاں جانے دو...... گزارا کرنے والی بہت ہوتی ہیں...... تمہیں بھی تو آخر ہم نے بھگتا ہی ہے ناں۔" یہ بات ابا کو آئینہ دکھانے کے لیے کافی تھی مگر وہ اپنی خطا تسلیم کرنے والوں میں سے کہاں تھے۔

"اچھا...... ایسے کون سے جہنم بھگت لیے تم نے...... بھول گئیں اپنے باپ کی اوقات، اپنے میکے سے اچھی زندگی گزاری ہے۔"

"میری باپ کی لگی بندھی آمدنی تھی، باتوں کے شہنشاہ نہیں تھے بہشتی...... تم نے اور تمہارے بیٹے نے ہوائی قلعے بنانے کے سوا کیا ہی کیا ہے۔"

"اور تم کون سی تیس مار خان ہو، بیٹا بیٹی دونوں کے مقدر پھوڑ دیے اس جواری بالے کے بارے میں سارا محلہ جانتا ہے...... آ لینے دو اسے جیل سے نمٹ لوں گا اس سے میرے بارے میں گلی میں جیسی باتیں پھیلائی ہیں سب معلوم ہے مجھے۔"

"تو کون سا غلط کہتا ہے، نہ تم اور تمہارا بیٹا نکھے ہوتے نہ ہم یہ دن دیکھتے...... تب ہی تو وہ کہتا پھرتا ہے کہ تمہیں دو وقت کی روٹیوں کے لالے پڑ گئے، جو واپس بٹھا لیا حمیدہ کو۔"

"حمیدہ کو ہم نے نہیں بٹھا رکھا...... وہ بے ڈھنگا بیل اس کے قابل ہی کہاں ہے۔"

"تو بیاہتے وقت کیا آنکھوں پر پٹی بندھی تھی تب تو ایسا بے ڈھنگا بیل بھی نہ ملتا تھا تمہارے ایسے کرم کرتوت تھے کہ کوئی تمہاری بیٹی بیاہنے آتا۔"

"جاؤ جاؤ...... میرے منہ نہ لگو حمیدہ کو بیاہنے کا مشورہ میں نے نہیں دیا تھا تمہارے ہی دماغ کو چڑھ گئی تھی اور فہد کے لیے بھی تمہاری آنکھوں پر لالچ کی پٹی بندھی تھی اور ہاتھ کیا آیا؟ تمہارے سمدھیانے کے بارے میں جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے تم سن لو تو ڈوب مرو مگر اپنی کوتاہی کہاں مانو...... کام تو تمہارے اپنے بگاڑے ہوئے ہیں گھٹیا خاندان کی لڑکی اٹھا کر لاؤ گی تو وہ نیچ پن تو ضرور دکھائے گی اب کیوں بیٹھ کر پچھتاتی ہو جاؤ ذرا جا کر اس محلے میں اس گھرانے کے بارے میں پوچھو تو پتا چلے۔" ابا نے طنزیہ کہا مگر اماں دل جلی تھیں پھر واقعی ہاتھ مل رہی تھیں سو سچ مچ اس محلہ میں جا پہنچیں اور سمدھی صاحب کی ہمسائی کو جا لیا جو اتفاق سے ان کی واقف کار بھی نکل آئیں۔

"اے بی بی کیا کہوں تمہیں اب چھان پھٹک کا خیال آیا، انسان سوئی بھی لیتا ہے تو چھان پھٹک کر لیتا ہے برا نہ ماننا اس گھرانے کے رنگ ڈھنگ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔"

"مت ماری گئی تھی میری۔" اماں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "جوان فقیروں سے رشتہ جوڑنے پر تل گئی۔"

"سچ کہتی ہو...... ذات کے فقیر ہی تو ہیں...... چمڑی جائے، پر دمڑی نہ جائے، کوئی چوڑا چمار بھی ان کی بیٹیاں نہ بیاہے اور یہ صفیہ اس سے تو اللہ بچائے۔ باون گز کی زبان ہے اس کی اور چھن ایسے کہ کیا بتاؤں اس کا کردار سارے محلے میں مشہور ہے...... صفیہ کو تمہیں مفت میں ٹھکانے لگا دیا ایسی بھولی نظر تو نہیں آتی ہو کہ اتنا نہ سمجھ سکو کہ یہ سب مال بچانے کا ڈراما تھا...... چھ لاکھ کا چارہ نہ ڈالتے تو اس چھپن چھری کو بیاہتا کون؟ پرلے درجے کا کنجوس ہے یہ بڈھا گھر کی چھت بیچ کر ٹکڑے کر لیے کہ مرنے کے بعد بیٹے حق دار بن کے کھڑے ہوجائیں گے یہ نہ سوچا کہ بیوی اور طلاقن بیٹی کا کیا بنے گا، گھر کی رقم منافع میں کھپا دی اس سے تو ان کا دانہ پانی چلتا ہے تمہیں

دے دی تو خود کیا خاک پھانک کے گزارا کریں گے۔“ اماں سخت بددل ہوکر لوٹیں صاف ظاہر تھا کہ انہیں الو بنا کر اپنا الو سیدھا کیا گیا تھا مگر اب پچھتائی کیا ہووت۔

”کس سے پوچھ کے حمیدہ نوکری پر جارہی ہے؟“ بالا تن فن کرتا اماں کے سر پر سوار ہوا مگر وہ بھی اماں تھیں ڈرنے یا دبنے والوں میں سے تو وہ بھی نہ تھیں۔

”حمیدہ نے نوکری سے چھٹیاں لی تھیں...... استعفیٰ نہیں دیا تھا اور یہ بات تو بھی جانتا ہے۔“

”او خالہ...... میں خاوند ہوں اس کا...... کوئی چمار نہیں‘ اس نے مجھ سے اجازت کیوں نہیں لی؟“

”چل...... چل بڑا آیا خاوند ہوں...... سارا زمانہ جانتا ہے تیری اوقات اور کرتوت...... جوئے کا اڈہ چلانے کے جرم میں جیل کی ہوا کھا کے آیا ہے اور مجھے آنکھیں دکھارہا ہے۔“

”تو تیری بیٹی میں کون سے لال جڑے ہیں تمہاری آنکھوں پر کیا پٹی بندھی تھی جو مجھ سے بیاہ دی اس کے لیے تو تمہیں مجھ جیسا بھی نہ ملنا تھا۔“

”او...... میری بیٹی نے تیری بہن کی طرح گھر سے بھاگ کے نہیں نکاح پڑھایا۔“

”او...... خالہ میری بہنوں کو بیچ میں مت لاؤ تم نے حمیدہ کا نکاح مجھ سے پڑھایا ہے یا میری بہنوں سے؟“

”تو میں نے کون سا تجھ سے نوٹ لیے ہیں تو میری حمیدہ کے قابل ہی نہ تھا...... پر سن لے اب وہی ہوگا جو حمیدہ چاہے گی۔“

”یوں کہو ناں خالہ...... حمیدہ کو بیاہنے سے تمہیں روٹیوں کے لالے پڑ گئے ہیں اپنا گھر چلانا ہے جو اسے گھٹنے سے لگا کر بٹھالیا ہے۔ اسے بیاہنے کا تو بس صرف بہانا تھا۔“

”بالے میں تیری زبان گُدی سے کھینچ لوں گی اگر تو نے حمیدہ کے لیے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔“

”ارے جاؤ خالہ...... سب سمجھتا ہوں میں‘ چاروں طرف سے خالی ہاتھ رہ گئی ہو...... بہو تمہاری چھوڑ کے بھاگ گئی اب بیٹی کو تو بسنے دو یا یوں کہو کہ انتقام لے رہی ہو مجھ سے تمہیں مال جو نہیں ملا۔“

”تو پرلے درجے کا جھوٹا اور فراڈی ہے‘ مجھے اپنی ماں کا قلعی چڑھا زیور پکڑا کے اپنی اس خبیث دوست نادر کے ہاتھوں‘ وہی زیور لٹوالیا سب سمجھتی ہوں میں تیری اس نادر سے کتنی یاری ہے اور تیرے ہی کہنے پر اس نے یہ کام کیا تھا اور اس زیور میں بھی آدھا نقلی تھا۔“

”تو بیٹی تم نے کون سی مجھے آسمان سے اتری حور دی تھی۔ جانے کتنے گھاٹ کا پانی پی کر بیاہی تھی...... یہی اوقات ہوتی ہے ایسی بدچلن لڑکیوں کی مجھ جیسے غنڈوں سے ہی نصیب پھوٹتے ہیں۔“

”اوناس پیٹے‘ نامراد‘ اپنی بک بک بند کر اور شکل غرق کر یہاں سے۔“

”جاتا ہوں خالہ پر یاد رکھنا اتنی آسانی سے طلاق نہیں دوں گا عدالتوں کے پھیرے لگاتی رہ اگر طلاق کا حق لیا ہے تو عدالت ہی اسے طلاق دے گی۔“

”چل...... چل تجھے جو سمجھنا ہے سمجھتا رہ مگر یاد رکھ حمیدہ تیرے گھر نہیں آئے گی۔“ وہ جہالت و کروفر سے بکتا جھکتا نکل گیا تو حمیدہ استہزا سے ہنس دی۔ اس نے اپنا حق طلاق استعمال کرتے ہوئے‘ دعویٰ دائر کرنے کے ساتھ ہی عدالت میں بالے کی غنڈہ گردی کے خلاف ایف آئی آر بھی کٹوادی تھی‘ آج کل میں اسے نوٹس مل جانا تھا۔

مگر یہ حمیدہ جانتی تھیں‘ آخر کار انہیں فیصلہ مل ہی جائے گا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اماں نے اتنا کھل کر حمیدہ کی حمایت لی تھی۔ انہیں لگا...... وہ...... سکھ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آ گئی ہیں۔

ابا ہانپتے کانپتے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

”ارے حمیدہ کی ماں سنتی ہو وہ گلناز......“

”ہائیں...... خبردار جو تم نے اس موئی چھپن چھری کا

میرے سامنے نام بھی لیا ہو تو سارے محلے کے لڑکوں سے آنکھ مٹکا چلتا تھا اس کا منہ کالا کیا تو محلہ پاک ہوا۔“

”افوہ بے چاری گلناز کی اماں......؟“

”ارے تو کیا وہ ذات کی بھٹیارن نان بائی کی اولاد زبیدہ مرگئی؟ چلو اچھا ہی ہوا...... محلہ پاک ہوا مرغی چور نہ ہو تو میری مرغی چرا کے کھا گئی تھی۔“

”افوہ...... ایک تو تم پوری بات نہیں سنتی اور اوپر سے ادھوری بات کا جواب بھی بم کی طرح پھوڑ دیتی ہو۔“

”اے میاں تمہیں آتا ہی کیا ہے...... سوائے دوسروں میں کیڑے نکالنے کے کبھی اپنے گریبان میں بھی منہ ڈال کے دیکھو تو پتا چلے۔“

”اے ادھاروں کی مشین...... کبھی تو کان دھرا کر‘ کوئی بات سن لیا کر...... ارے سارا محلہ گلناز کے گھر میں گھسا پڑا ہے۔“

”تم نے مجھے یہ بتانے کے لیے آواز دی تھی؟“

”ارے تو...... تمہاری تیزگام کی رفتار کو مات دیتی زبان کے سامنے کوئی ٹھہر سکتا ہے‘ بندہ کہتے کہتے آدھی بات بھول جاتا ہے۔“

”واہ بھولنا بھی کیا خوب بہانہ ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو تمہیں اپنا آپ ہی یاد رہے‘ ہاں...... باقی سب بھول جائے۔“

”اوہو...... اللہ کی بندی تم بھی بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔ اچھا ذرا اپنا کان ادھر لاؤ۔“ اماں پرے کو سرکیں اور ابا نے جو بات ان کے کان میں کہی اس کو سن کر ان کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں...... وہ اسی وقت برقع سنبھال کے گلناز کے گھر کی جانب لپکیں۔

دو واقعات ایک ساتھ ظہور پذیر ہوئے تھے صفیہ بیگم کی طرف سے خلع کا نوٹس اور گلناز کا اجڑنا۔ ایک بار پھر وہی کنج قفس اور صیاد کا گھر...... گلناز کا مقدر ٹھہرا دنوں نے مہینوں کی صورت اختیار کی ہی تھی کہ گلناز اپنی مرمریں بانہوں کی چوڑیاں توڑتی لوٹ آئی جائیداد کے تنازع پر نفیس بیگ کا قتل ہوگیا تھا۔ بالآخر پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ شاید گلناز کی تقدیر میں یہ سیاہ باب بہت پہلے ہی درج کردیا گیا تھا۔ ہونی ہو کر رہتی ہے سو ہو کر رہی‘ اپنی ہی وقتوں میں رب اپنے وجود کا بھرپور یقین دلاتا ہے...... انسان کا سارا طنطنہ جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے اور وجود کی پرغرور فصیلیں خود اپنے ہی قدموں میں آن گرتی ہیں اور خودی کا فخر خاک ہوکر ہوا میں تحلیل ہوجاتا ہے...... گلناز کا طمطراق بھی خاک ہوگیا تھا...... یہ دن زبیدہ کی پھول جیسی بچی پر ستم کا ایسا پہاڑ ٹوٹنے کے تو نہ تھے‘ وہ کئی روز رنج والم کی تصویر بنی ماتم مناتی رہی لیکن اگر نیک شریف بیبیوں کی مانند کچھ روز عدت میں بیٹھی رہتی تو کدکڑے بازی کا شوق کیسے پورا ہوتا۔ لہٰذا چند روز نفیس بیگ کی نام نہاد محبت کا سوگ منا کر اسے اپنی پرانی جون میں لوٹنے میں زیادہ وقت نہ لگا مگر ہائے اس زود پشیماں کا پشیمان ہونا...... فہد میاں کے ارمانوں بھرے دل کا قتل کرکے اس نے جفا سے توبہ کی تو کیا کی...... بعض اوقات ازالے کی ہر صورت اپنے معنی کھودیا کرتی ہے...... فہد میاں گلناز کے معاملہ میں پرلے درجے کے کاٹھ کے الو...... ایک پکار پر لبیک کہہ اٹھنے والے سہی مگر ازدواجی زندگی کی ناکامی نے انہیں توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا...... حمیدہ کی حیثیت اس گھر کے لیے اہم سہی مگر انہوں نے ساری زندگی حمیدہ کے سہارے تو نہیں گزارنا تھی شاید زندگی میں پہلی بار اپنی قوت بازو پر بھروسا کرتے ہوئے انہوں نے چند اشتہارات پر اپنے کوائف بھیجے تھے۔

اب بات رہی گلناز کی تو...... کسی غم کو دل کا روگ بنانے والوں میں سے تو وہ بھی نہ تھی سو ایک بار پھر قرعہ فال فہد میاں کے نام نکلی جن کا وہ عالم تھا کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔

کہتے ہیں زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو...... ان کی روش نے اب تک انہیں ناکامیاں ہی دی تھیں شاید اس لیے کہ وہ اب تک دوسروں پر انحصار کرتے آئے تھے۔ خیالات کی بلندی انہیں معیار سے گر کر کچھ کرنے ہی نہ

دیتی تھی مگر دیکھا جائے تو یہ ان کی خام خیالی تھی...... زندگی کو جو ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر رکھ کر گزارا جائے تو سہل رہتی ہے۔ فہد میاں نے اس اصول کو اپنی زندگی کا محور و مرکز بنالیا تھا۔ گلناز بیگم ڈھیلے پر ڈھیلا اچھالتیں مگر وہ بہرے بنے پڑے رہتے۔ تعلقات کی مضبوطی کے لیے خلوص اہم شرط ہے یہ نکتہ وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے...... وہ جانتے تھے گلناز جیسی لڑکیوں کے لیے دنیا بہت وسیع ہے مگر ایک روز گلناز نے انہیں جا ہی لیا۔

"کوئی اجنبی بھی ایسے منہ پھیر کے نہیں گزرتا جیسے تم مجھے دیکھ کے راہ بدلتے ہو۔"

"تم نے خود ہی تمام تعلقات توڑے تھے میری زخمی حالت کا فائدہ اٹھا کر...... چپ چپاتے شادی رچائی۔"

"ہمارے گھر والے ہماری شادی پر رضامند ہی نہیں تھے تب میں کیا کرتی۔" معصومیت تو اس پر جیسے ختم تھی۔

"تم تو محبت کے دعوے دار تھیں ناں...... میکے کی دہلیز پر بیٹھی بوڑھی ہو جاتیں...... زمانہ تمہاری وفا کو سلام کرتا۔"

"بھول تھی میری اسی کی سزا بھگت رہی ہوں میرا سارا جہیز نیا نکور پڑا ہے تم چاہو تو ہم اب بھی ایک ہو سکتے ہیں۔"

"کوئی نیا مرغا پھانس کر سب کچھ ٹھکانے لگادو...... تمہارے لیے کیا کمی ہے۔" وہ چاہنے کے باوجود لہجے کی تلخی پر قابو نہ رکھ سکا۔ گلناز ہکا بکا سی اس کو تکتی رہ گئی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو فہد؟ بھول گئے کہ میرے پیار میں ساری دنیا کو ٹھوکر مارنے پر تلے تھے۔"

"تیرے قول وقرار سے پہلے اپنے کچھ اور بھی سہارے تھے۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا...... گلناز کے نام تک سے نفرت ہوگئی تھی۔ صفیہ کی طرف سے دوسرا اور پھر تیسرا نوٹس موصول ہوا اور وہ جانتا تھا اب اسے یک طرفہ فیصلہ مل ہی جائے گا مگر اپنی خاموشی برقرار رکھی یک دم ہی دل ساری دنیا سے اچاٹ ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اگر تم سے کوئی پوچھے
بتاؤ زندگی کیا ہے؟
ہتھیلی پر ذرا سی خاک رکھنا
اور اڑا دینا......

گھڑی کی سوئیوں کا سفر جاری تھا وقت جیسے گزر کر بھی نہ گزر رہا تھا...... سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کی نظریں آئی سی یو کی گلاس وال کے اس پار نرگس کے بے حس وحرکت وجود پر ٹکی تھیں اور دماغ کہیں اور تھا۔ وقت کتنی جلدی احتساب پر اتر آتا ہے۔ ان کی چشم تصور میں ایک معصوم شبیہہ بار بار ابھرتی اور وہ جیسے ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتے۔ نرگس کو ایک بار پھر اٹیک ہوا تھا اور اس بار اٹیک شدید تھا...... ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ اگلے اڑتالیس گھنٹے اہم ہیں آر یا پار۔

ان کی چشم تصور میں اترتی ڈوبتی شبیہہ...... انہیں جھنجوڑتی اور وہ کسی خواب سے جاگ جاتے مگر حمیدہ کا چہرہ اس کی بے لوث محبت انہیں ایک پل کا چین لینے نہ دیتے۔ اگرچہ انہوں نے آخری بار یہی کہا تھا خدارا مجھے بددعا نہ دینا لیکن اس کے جدا ہو جانے کے بعد زندگی جیسے سچ مچ کوئی بددعا بن گئی تھی۔ نبیل جانے کن کن وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا ایک بار نرغہ میں آئے پر ہر جرم اس پر ثابت ہوتا چلا گیا تھا۔ سعد بن مصطفیٰ کے وسیع تعلقات بھی اسے رہا کروانے میں ناکام رہے تھے۔ رائمہ کسی ہپی نما بگڑے ہوئے رئیس زادے سے شادی کرنے پر تلی تھی اور ان کے اختلاف پر ایک روز ان کی ناموس کو ٹھوکر مار کر گھر سے نکل گئی اور اب نرگس کی سیریس حالت...... وہ جانتے تھے...... کہ وہ بے لوث محبت کرنے والی لڑکی ان کا برا نہیں چاہ سکتی' وہ انہیں کبھی بددعا نہیں دے سکتی تھی۔ ان کے ان حالات کی عقب میں بھی ان کی اپنی خطائیں ہی پوشیدہ تھیں۔ دل آزاری کوئی ایسا قابل معافی جرم تو نہیں وہ کس چاہت سے پل پل انہیں یاد رکھتی تھی اور سعد بن مصطفیٰ کو دنیا کے جھمیلے ان

فرصت نہ لینے دیتے اس پر فیملی کا دباؤ...... انہیں روکے رکھتا۔

جب کبھی روٹھ جاتی تو انہیں منانے کی فرصت تک نہ ملتی تھی...... وہ اپنی فیملی کے پابند تھے اپنی ان ہی ان کہی مجبوریوں کے طفیل بارہا اس کی دل شکنی کا ارتکاب کیا تھا اور اس نے یہی تو کہا تھا۔

"اپنی ان ہی بے اعتنائیوں کے سبب ایک روز آپ مجھے کھو دیں گے۔"

شاید اس جیسی لڑکیاں ہی ان جیسے حرماں نصیبوں کی زندگی کی تکمیل کیا کرتی ہیں مگر وہ کیسے بتاتے مجبور ہی نہیں مسلوب تھے اس کے دور جانے کے بعد ان کے اندر کا خلا پھیل گیا' پھیلتا ہی رہا۔ وہ خطا کار' گناہ گار تھے' کسی دکھے ناآسودہ دل سے دی گئی بددعا کے زیر اثر ان کی ساری زندگی اسی بددعا کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ جس کی معافی تھی ازالہ نہ تلافی۔ شاید وہ ساری زندگی سجدے میں گزار دیتے تب بھی ازالہ نہ کر پاتے۔ سنا تھا پروردگار کی معافی بھی بندے کی معافی سے مشروط ہے۔ اب وہ وہ وقت کہاں سے لائیں جو حمیدہ سے اپنے سلوک پر معافی کا خواستگار ہو اور وہ معافی کے لائق بھی کب تھے۔ ان کی بے اعتنائی' ان کے اہانت آمیز رویے پر اس کا نازک سا دل کتنی بار کرچی کرچی ہوا ہوگا۔ انہیں بخوبی ادراک تھا۔ شاید اسی ٹوٹے ہوئے دل سے نکلی کوئی آہ آسمان تک پہنچ کر انہیں برباد کر گئی تھی اور اسی نے تو کہا تھا۔

"دنیا کی ہر چیز ہم تھوڑی بہت جدوجہد سے حاصل کرسکتے ہیں مگر محبت صرف اور صرف قسمت سے ملتی ہے۔" سعد بن مصطفیٰ نے کرب واذیت سے آنکھیں موند لی تھیں۔

"ہاں لیکن یہ بات تب سمجھ میں آتی ہے جب وہ محبت کہیں کھو جاتی ہے۔" ہسپتال کے ٹھنڈے ٹھار ستون سے لگ کر وہ ایک کے بعد ایک اپنی ہر خطا کا اعتراف کرتے چلے گئے تھے۔ ہاں سچ ہی کہا تھا اس نے...... جو لوگ اپنی خطاؤں سے بے لوث محبت گنواتے ہیں پھر محبت ان کے لیے ایک بددعا بن جاتی ہے۔

ٹائلز والے فرش پر ایک آہٹ ابھری تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ ڈاکٹر کا بھاری ہاتھ تسلی آمیز انداز میں ان کے کندھے پر آٹھہرا تھا۔

"آئی ایم سوری...... شی از نو مور۔"

"جو لوگ اپنی خطاؤں سے بے لوث محبت گنواتے ہیں پھر محبت بھی ان کے لیے ایک بددعا بن جاتی ہے۔" جملہ کہیں آس پاس گونج رہا تھا۔ انہوں نے کرب واذیت سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

فہد کو دھوکہ دہی' غبن' فراڈ کے کیس میں پولیس پکڑ کر لے گئی۔ ابا نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر سب بے سود رہا تھا۔ فہد کا کردار کوئی ڈھکا چھپا نہ تھا...... کون ضمانت دیتا مگر شاید وقت احتساب پر اتر آیا تھا اور جب وقت احتساب پر اتر آئے تو کہیں جائے پناہ نہیں ملتی...... ساری بھاگ دوڑ اکارت گئی۔ ابا سب سے منہ چھپاتے گھر میں پڑے تھے...... لوگ ہمدردی کی آڑ میں زخم کرید کر چلتے بنتے۔ فہد کو سزا ہوگئی تھی اور ایک باب بند ہوگیا تھا۔

یونہی تو نہیں کہا گیا...... پروردگار بھی اس قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتا...... جب تک وہ خود اپنی حالات نہ بدل لے۔ فہد میاں نے کب اپنے حالات کے سدھار کے لیے کوشش کی تھی۔ اس کو تو بس دوسرے کے سہارے زندگی گزارنے کی عادت تھی۔ کوئی لمبا ہاتھ' کوئی گولڈن چانس اور یہی بدنیتی کہلاتی ہے۔

بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے کہ ملبہ سارا آکر گرتا حمیدہ کی جان ناتواں پر جس نے ایک بار پھر کمر کس لی تھی اور اتنا تو وہ بھی جان ہی گئی تھیں کہ اس گھر کے آزار اور اس کنبے کا بوجھ صرف اور صرف اسے ہی بھگتانے ہیں۔

خود اس کی زندگی تو جیسے ختم ہوگئی تھی۔ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس نے اپنی ذات سے خود اپنے آپ کو ہی نفی کر دیا تھا۔

وہی کارواں......وہی راستے
وہی زندگی......وہی مرحلے
مگراپنے اپنے مقام پر
کبھی تم نہیں......!
کبھی ہم نہیں......!

بعض جگہوں پر یادوں کے نشان ثبت ہوتے ہیں......حمیدہ جب بھی وہاں سے گزرتی ایک جھماکا سا ہوتا اور ایک چہرہ چشم تصور میں ابھر آتا......آفس کی بلڈنگ کے نیچے لمبی کولتار کی سیاہ سڑک...... بائیں جانب پل اور پل کراس کرکے زرد رنگ کی بلڈنگ کے سامنے وہ بس اسٹاپ کا شیڈ جہاں سعد بن مصطفیٰ ہمیشہ اسے پک کیا کرتے تھے۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کچھ زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا تھا اگر انگلیوں پر گنا جاتا تو بس کچھ ہی مہینے مگر حمیدہ کو لگتا جیسے صدیاں بیت گئیں ہوں۔ ان چند مہینوں میں زندگی نے ایسا رخ پلٹا تھا کہ وہ سکھ کے معنی بھول گئی تھی......اس کے پاس طلاق کا حق تھا سو بالے سے دامن چھڑانے میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا مگر جیسے وہ زندگی سے ہر امید کھو بیٹھی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی وہ ان راستوں سے بارہا گزری تھی، سعد بن مصطفیٰ کا آفس بھی وہیں تھا......نگاہیں ہر سفید مرسڈیز پر جم سی جاتیں مگر کبھی ان سے سامنا تو کجا اڑتی پڑتی کوئی جھلک بھی نصیب نہ ہوسکی تھی۔

مگر آج......آج کی تاریخ میں یہ انہونی بھی درج تھی۔

ایک سفید مرسڈیز پہلے حمیدہ کے قریب سے گزرتی چلی گئی پھر کچھ آگے جاکر ٹھہری اور بیک ہوکر اس کے پاس آکر رک تھی......حمیدہ کی نظر سعد بن مصطفیٰ پر ٹھہر کر رہ گئی تھیں......وہی وجاہت ومتانت اور وہی اسٹرنگ پر جمے سفید شفاف ہاتھ، بناء کچھ کہے انہوں نے فرنٹ ڈور وا کیا تو وہ نشست سنبھال کر انہیں تکتی رہی تھی۔ کتنے ٹوٹے بکھرے، شکستہ سے لگ رہے تھے، اپنی ہمیشہ کی جامہ زیبی کے باوجود الجھے اور منتشر سے......حمیدہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

”آپ ذرا نہیں بدلے...... وہی رکھ رکھاؤ، شائستگی وہی ٹھہراؤ۔“

”انسان بہ ظاہر پُرسکون نظر آتا ہے مگر اس کے اندر کتنی توڑ پھوڑ ہوتی ہے یہ تو وہ خود ہی جانتا ہے۔“ ان کے لہجے میں ان کہا کرب سمٹ آیا تھا۔

گو کہ نرگس سے ان کا گہرا قلبی تعلق کبھی نہ رہا تھا مگر یک بہ یک زندگی جیسے بکھر گئی تھی......وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی خود میں ایک خالی پن سا محسوس کرتے، احساس تنہائی بڑھ جاتا تو لمبے لمبے روڈ ناپنے نکل کھڑے ہوتے......دل یک دم زندگی سے اچاٹ سا ہوکر رہ گیا تھا۔

”اور اس توڑ پھوڑ کی وجہ......؟“ وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

”ساری زندگی ہی بکھر کر رہ گئی ہے۔ کچھ بھی اپنے مقام پر نہ بچا۔“ انہوں نے نرگس کی موت کے بارے میں بتایا تو حمیدہ کو ٹھیس لگی اچھے لوگوں کی قسمت میں جانے اتنے دکھ کیوں ہوتے ہیں؟

”تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے......سنا ہے شادی کرلی تھی پھر یہ اکیلا پن؟“

”جب اتنا پتا ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیوں......؟“ حمیدہ جانتی تھی ان کے باس سے سعد بن مصطفیٰ کی شناسائی ہے اور لاکھ نہ نہ کرنے پر بھی آفسز میں بات ایک سے دوسرے تک پہنچ ہی جاتی ہے۔

”حمیدہ...... اللہ گواہ ہے میں نے زندگی کے ہر گزرتے پل میں تمہاری خوشیوں کے لیے دعا کی ہے۔“

”ہاں مگر کچھ دعائیں...... دور جاکے محفوظ ہوجاتی ہیں۔“ وہ تلخی سے کہہ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

”بائی دی وے...... تمہیں جانا کہاں ہے؟“

”کچی بستی کی اسی ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں...... کچھ

لوگوں کو تقدیر بس چھوتی ہوئی گزر جاتی ہے......وہ سالوں بعد بھی وہیں اور ان ہی حالات ومقام میں نظر آتے ہیں اگر آپ کے پاس وقت ہے تو ڈراپ کردیں۔“ وہ آج الجھی ہوئی آزردہ تھی اور شاید پہلی بار ہی انہیں ڈرراپ کرنے کو کہا تھا ورنہ وہ تو ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھیں......اس کی کیفیت ٹوٹی، بکھری سی تھی۔

سعد بن مصطفیٰ کے دل کو کچھ ہوا......اس کامنی سی لڑکی کو کھوکر انہوں نے خسارے ہی خسارے اٹھائے تھے مگر وہ کیسے کہتے......وہ اسے اپنے پن کی امید یا دلاسہ کس آس پر تھماتے جب ان کی زندگی خود ان کی اپنی دسترس ہی میں نہ تھی۔

قیوم آباد پر آکر مرسڈیز نے ایک جھٹکا لیا تھا۔ سعد بن مصطفیٰ نے بونٹ اٹھا کر کچھ کھٹ پٹ کی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھے۔

”یہ کئی روز سے پرابلم کررہی تھی...... اگر تمہیں منزل تک نہ پہنچا سکی تو کیا کروگی؟“

”میں کسی بس سے تو جاسکتی ہوں مگر علاقہ حساس ہے۔ کسی لیڈی کے ساتھ نہ ہونے سے آپ پر کوئی مصیبت بھی پڑسکتی ہے۔“ وہ کتنی باوفا تھی......سعد بن مصطفیٰ اسے تکتے رہے۔

”تمہیں اپنی زندگی کی پروا نہیں؟“

”اور اگر میں کہوں کہ زندگی میں اب میرے لیے کچھ نہیں بچا تو......“ حمیدہ کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”حمیدہ تم ایک قابل لڑکی ہو، جو سچ مانو تو میں تمہارا اہل بھی نہیں ہوں...... مجھے اتنا اعتبار مت دو...... یہ اندھیرا، سناٹا، تنہائی، سنسان رستہ...... میں ڈگمگا بھی تو سکتا ہوں حمیدہ......آج بتا ہی دو تمہیں مجھ پر اتنا یقین کیوں ہے؟“

”ہماری نادانیاں کرنے والی عمر نہیں ہے اور مجھے خود سے بڑھ کر اپنے رب پر بھروسا ہے کہ اس نے مجھے اتنا کامل ایمان دیا ہے کہ اگر آپ ڈگمگا بھی گئے تو میں ان گزرتی گاڑیوں کے نیچے آکر مر سکتی ہوں اور سچ مانو تو جس رب پر اتنا کامل بھروسا ہے اس سے ایسی ناامیدی......؟“ وہ لاجواب ہوگئے۔

”کچھ فیصلے انسان اللہ پر بھی چھوڑتا ہے جو راہ دکھاتا ہے، وہی منزل تک بھی پہنچاتا ہے۔“ سعد بن مصطفیٰ نے ان ہی کی بات لوٹائی تھی...... جانے کتنے لمحے بیتے مرسڈیز حمیدہ کے اسٹاپ پر آکر رکی اور وہ اتری تو سعد بن مصطفیٰ دامن گیر تھے۔

”گھر چلنے کو نہیں کہیں گی؟“ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

”میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے......کبھی کبھی منزلیں...... درد کے کڑے صحرا کو عبور کرکے مقدر بنتی ہیں۔“

”حمیدہ، ہم گزرے وقت کو واپس نہیں لاسکتے مگر گئے وقت کی تلخیوں کا ازالہ تو ممکن ہے۔“ حمیدہ بنا کچھ کہے مڑ گئی......ملال یہ تھا کہ اب صبح کی طلب ہی نہیں رہی تھی۔

تم ساتھ تھے ہمارے......
یا ہم پاس تھے تمہارے......
وہ زندگی کے کچھ دن
یا زندگی تھی کچھ دن......!

اگلے روز وہ حمیدہ کے آفس آپہنچے حمیدہ انہیں دیکھ کر سٹ پٹا گئی۔

”آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا میری ساکھ خراب ہوسکتی ہے۔“

”اس آفس کا مالک میرا واقف کار ہے۔ میں اس سے ملنے بھی تو آسکتا ہوں۔“

”مگر کوئی وجہ بھی تو ہو۔“

”سوچا جو بات کل تم سے نہ کہہ سکا آج کہہ دوں کہ میں آج بھی تم بن ادھورا ہوں۔“ حمیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے اور جب وہ وقت گزر جائے تو بات بے معنی رہ جاتی ہے۔“

”کبھی ہم لاکھ خواہش کے باوجود منزل تک نہیں پہنچ

پاتے اور کبھی منزل خود چل کر ہمارے پاس آجاتی ہے۔ یہی تقدیر ہے۔" حمیدہ سے بڑھ کر کون جانتا تھا سکھ ان کے مقدر میں کس قلیل مقدار میں درج تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو طویل مسافت کے بعد منزل کے نشان پاتے ہیں مگر پل بھر کے لیے۔

"مجھے غور سے دیکھیں اب مجھ میں کون سی خوبی پیدا ہوگئی ہے بلکہ اب تو میری مارکیٹ اور گر گئی ہے...... مجھ پر طلاق شدہ کا لیبل بھی لگ گیا ہے۔" اس کا لہجہ تیکھا ہوا۔

"تم جیسی لڑکیاں ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہوتی ہیں۔ میرے وجود میری زندگی کا خلا تم جیسی عورت ہی پُر کرسکتی ہے۔"

"میں نے آپ تک پہنچنے کا ہر دروازہ اپنے ہاتھوں بند کردیا تھا مگر نہ جانے کیوں دل کو ایک یقین سا تھا کہ وقت کبھی نہ کبھی آپ کو میرے سامنے لاکر ضرور کھڑا کرے گا اور وہ وقت تو آگیا ہے مگر میرا دل خالی ہوگیا ہے۔"

"مان لو کہ یہ سب ایسا ہی ہونا لکھا تھا میرا اور تمہارا ملن ان ہی حادثات کے بعد درج تھا۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں سعد بن مصطفیٰ ہمدانی......" شاید اس نے پہلی بار انہیں نام سے پکارا تھا۔

"دنیا کی ہر چیز ہم تھوڑی بہت کوشش سے حاصل کرسکتے لیکن محبت صرف اور صرف قسمت سے ملا کرتی ہے اب اس کھوئی ہوئی محبت تک پلٹنے کی وجہ شاید اس لیے کہ اب آپ تنہا رہ گئے ہیں آپ کے گھر کا شیرازہ بکھر گیا ہے آپ کے گھر کو کسی عورت کی ضرورت ہے شاید نگرانی یا اس بکھراؤ کو سمیٹنے کے لیے؟" اس کے لہجے میں ایک تلخی اُمڈ آئی تو سعد بن مصطفیٰ گنگ رہ گئے۔ حمیدہ کے لہجے میں ان کی تمام تر دل آزاریوں کا دکھ سمٹ آیا تھا۔

"اتنی بدگمانی......" سعد بن مصطفیٰ حیرت وصدمے سے اسے تکتے رہے...... حمیدہ کے لفظوں نے انہیں سرتاپا جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا وہ کئی لمحات کے بعد کچھ کہہ سکے تھے۔

"نرگس نے مجھے یا میرے گھر کے بکھراؤ کو سمیٹا ہوتا تو شاید میں کبھی اتنا تنہا اور ناآسودہ نہ ہوتا مگر جہاں عزت نفس مانع ہو وہاں پردہ پوشی کو میں جائز سمجھتا ہوں۔" وہ کہہ کر رکے نہیں تھے مگر حمیدہ کی بدگمانی نے انہیں توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اس شام ثمینہ کا فون آیا اور حمیدہ کی مشکل یہ تھی کہ وہ کبھی اس سے کچھ نہ چھپاتی تھی۔

"بھول گئیں تم یہ تمہارے ہی الفاظ تھے اس محبت کے لیے رب کی رضا قسمت کا فیصلہ ان کا کہنا ٹھیک ہے ممکن ہے یہ سب یونہی ہونا لکھا ہو۔"

"سچ کہوں تو میرے اندر سناٹا اتر آیا ہے...... دل اب تک گزرے وقت کی سفاکیاں نہیں بھول پایا جو سچ مانو تو اب صبح کی طلب ہی نہیں۔"

"یوں نہ کہو حمیدہ...... تم ان کے اندر نہ ہوتیں تو وہ تم تک کبھی نہ پلٹتے مانا کہ بار بار انہوں نے تمہیں نظر انداز کیا خودداری اچھی چیز ہے مگر انا انسان کی خود ساختہ اکڑ کا نام ہے اپنی اس اکڑ سے قسمت کے کھلتے دروازے بند مت کرو۔ ایک بار صرف ایک بار اپنے اندر جھانک کر دیکھو تمہارا دل جو کہتا ہے صرف اس پر عمل کرو۔"

"میں نے قسمت پر بھروسا کھو دیا ہے ثمینہ لگتا ہے یہ بھی قسمت کا کوئی وار ہے میں اپنی بے لوث محبت کا خراج سمجھ کر انہیں اپنالوں اور قسمت کوئی نئی چال چل جائے۔"

"جو لوگ قسمت کی دستک پر کواڑ بند کرلیتے ہیں یقین مانو کہ بہت ناآسودہ رہ جاتے ہیں آنے والے وقت کے خوف سے ہاتھ آنے والی قسمت کو رد کردینا کہاں کی دانش مندی ہے؟"

"جانے کیوں گزرے وقت کی اذیت بار بار نظروں کے سامنے گھومتی ہے سعد بن مصطفیٰ نے کبھی مجھے اپنائیت کا مان بخشا ہوتا تو کیوں کسی کمزور لمحے کی زد میں آکر اپنی زندگی داؤ پر لگا بیٹھنے کی خطا کرتی۔ ورنہ اپنی ساری زندگی اس محبت کے نام کردینے کا حوصلہ تھا مجھ

میں......"

"جانے بھی دو وقت برا ہو کہ بھلا گزر ہی جاتا ہے وہ وقت بھی آخرکار گزر ہی گیا ناں...... تمہاری نادانی تھی اور نادانیوں کا صلہ بھی پالیا تم نے تقدیر کی بدبختی سے نجات پائی یہ بھی کم نہیں اب قسمت پلٹ کر دستک دے رہی ہے تو تمہارے ہاتھ گزرا وقت آگیا ہے...... محبت سے اعتبار کھو بیٹھو تو زندگی ختم ہے یہ زندگی کے ہی کڑے رخ ہیں اس کا پلٹ کر آنا بھی تمہاری قسمت کی دلیل ہے تم دروازے بند کرلو تو قسمت پلٹ جائے گی...... انسان کی زندگی میں سب کچھ برا ہی نہیں ہوتا نیا سنگ میل ایک نئی منزل کی نشاندہی کرتا ہے...... یہ تم ہی نے کہا تھا کہ وہ اگر تمہارے نصیب میں ہے تو ہزار بہانوں سے تم تک آئے گا اور اگر نہیں تو کوئی بھی وجہ سامنے کھڑی ہوجائے گی۔ مان لو کہ اس کا پلٹ کر آنا ہی تمہاری تقدیر میں درج ہے۔"

حمیدہ لاجواب سی ہوکر رہ گئی۔

"سنو...... میں ایک بار پھر کہوں گی اگر رب نے تمہیں فیصلے کا اختیار دیا ہے تو بس اپنے اندر جھانکو اور جو دل کہتا ہے وہ کرو۔" اور حمیدہ کیوں کر کہتی کہ اس کے اندر آج بھی سعد بن مصطفیٰ ہمدانی اپنی اسی متانت وٹھہراؤ سمیت براجمان ہیں مگر دل ان کی سفاکیاں نہیں بھول پاتا وہ گزرے وقت کا اضطراب ان کی بے اعتنائیاں شاید اسی ذلت کے سبب کسی کمزور لمحے کی زد میں آکر وہ کڑا فیصلہ کر بیٹھی تھی...... اعتبار کھو بیٹھی تھی ان کا پلٹ کر آنا حمیدہ کی قسمت سہی مگر وہ ہمیشہ اپنی ان ہی مجبوریوں کو جواز بناتے رہے وہ مجبوریاں آخر کیا تھیں کوئی گریز کا بہانہ یا پھر؟ اور اب ان کا پلٹ آنا ایسی ہی کسی مجبوری کے طفیل تو نہیں ممکن ہے انہیں حمیدہ کی محبت نہیں ضرورت کھینچ لائی ہو اور وہ ایک بار پھر ان جانے میں اپنی زندگی داؤ پر لگا بیٹھیں...... اسی دل خوش کن محبت کو جواز بنا کر...... آخر ایسی کون سی مجبوریاں تھیں جن کی پرتیں وہ کبھی نہ کھول پائے...... وہ آزردہ مضطرب یا دباؤ میں تو بارہا نظر آتے تھے مگر کبھی تو اپنائیت کا مان بخش کر کچھ کہا ہوتا تو ایک سوالیہ نشان کی مانند ان کی زندگی حمیدہ کو یوں سوچ میں مبتلا نہ رکھتی۔

❁......❁......❁......❁

اس کے آفس کا دروازہ ناک کرکے قدم رکھتی بڑی بڑی آنکھیں جھپکتی وہ لڑکی حمیدہ کو بہت معصوم اور اپنی اپنی سی لگی تھی۔

"میں شازمہ ہوں۔" وہ خاصی گہری نظروں سے اس کے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کارپٹ دبیز پردے فل اے سی کولنگ۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟"

"اپنا تعارف کروانے سے بہتر ہے کہ میں اپنے والد کا نام بتادوں اس طرح بہت سی الجھنیں خود بخود سلجھ جائیں گی۔"

"والد کا نام......؟"

"جی ہاں سعد بن مصطفیٰ ہمدانی۔"

"اوہ...... تشریف رکھیے۔" وہ دیوار کے ساتھ لگی مخملی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "پہلے یہ بتائیے کہ آپ کیا لیں گی؟"

"صرف ایک وعدہ......"

"وعدہ......؟"

"جی ہاں...... وعدہ...... پاپا کو سمیٹ لینے کا...... تنہا تو وہ ہمیشہ سے تھے مگر ماما کے بعد بہت بکھر گئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ صرف آپ ہی انہیں سمیٹ سکتی ہیں تو کچھ غلط نہیں...... میں ان سے متفق ہوں انسانوں کے درمیان رنجشیں ہو ہی جاتی ہیں مگر رنجشیں دور بھی تو کی جاسکتی ہیں۔"

"میرے اور سعد بن مصطفیٰ کے درمیان کبھی کوئی رنجش تھی ہی نہیں بس حالات کا تقاضا تھا کہ ہم نے اپنی راہیں الگ کرلیں۔"

"اور اب حالات متقاضی ہیں کہ آپ ایک دوسرے کو سمیٹ لیں تو کیوں آپ گریز کررہی ہیں؟ حالات نے ناممکن سے ممکن تک کا سفر کیا تو یہ آپ کے جذبوں کی سچائی تھی۔ جس طرح جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اسی

طرح ان کے ملن کا بھی وقت مقرر رہوتا ہے جو وقت گزر گیا وہ ہاتھ نہیں آ سکتا‘ گزرے وقت پر دھول ڈال کر اگر آج پر گرفت مضبوط کرلی جائے تو خسارہ کہیں نہیں ہے۔“ حمیدہ اس کو تکتی رہی۔

”ماما کی بیماری کے سبب انہوں نے دوہری ذمے داری کا بار اٹھایا‘ وہ ذہنی مریضہ تھیں‘ انہوں نے اولاد کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پیے رکھا ورنہ ماما کی ذات ساری عمر ان کے لیے ٹارچر بنی رہی تھی۔“ حمیدہ کو اچانک ان کا راستہ میں رک کر کچن گروسری خریدنا یاد آیا‘ بچوں کا ہاسٹل‘ کچن کے کام یہ وہ اور انہوں نے کب اپنے دکھوں کی کتاب اس پر کھولی تھی اور وہ جیسے ان کے سوال کو پا گئی تھی۔

”ماما کا ان پر دباؤ تھا‘ سمجھ لیں کہ انہوں نے ایک سائے کے ساتھ زندگی گزاری۔ ایک مشکل اور اذیت ناک زندگی اب بھی اگر ہم انہیں خود سے باندھ کے رکھیں تو یہ خود غرضی ہوگی۔“ حمیدہ کے سر سے جیسے کوئی بوجھ ہٹتا چلا جا رہا تھا۔ شازمہ بیگ کندھے پر ڈال کر نکل گئی۔

ابھی ایک اور دریا کا سامنا تھا نبیل بمشکل ضمانت پر رہا ہو پایا تھا اور یہ سب سن کر بہت اچھلا تھا۔

”وہ ہمارے ماں باپ دونوں ہیں‘ زندگی کی خوشیوں پر ان کا بھی حق ہے‘ ماما جیسی عورت کو جھیلنا آسان کام نہیں تھا مگر انہوں نے ہماری خاطر خود کو ہر سکھ سے دستبردار کرلیا تھا۔ اب اگر وہ اپنے لیے جینا چاہتے ہیں تو تم رکاوٹ نہ بنو پلیز۔“ نبیل لب بھینچ کر رہ گیا بات چھوٹی تھی مگر گہری تھی...... نبیل نے ان پر رکیک الزام لگایا مگر شازمہ ڈٹ گئی۔

”یہ سب سمجھ کا پھیر ہے ماما ان پر کبھی کچھ ثابت نہیں کر پاتیں عورتوں کے لیے وہ کیسے ہیں یہ تو وہی بتا سکتی ہیں۔“ رائمہ تک خبر پہنچی تو وہ تیر کی طرح لپکی آئی۔

”ہماری عزت سوسائٹی میں دو کوڑی کی ہو جائے گی۔“

”اور تم...... تم نے کورٹ میرج کرتے ہوئے‘ ان کی ناموس کا خیال رکھا تھا؟“ رائمہ لاجواب ہو کر رہ گئی۔

”وہ ٹوٹ چکے ہیں۔ انہیں سہارا چاہیے‘ کوئی انہیں بڑھ کر تھام لے...... یہ وقت گزر گیا تو پھر لوٹ کر نہیں آئے گا‘ ہونے والی بات ہر حال میں ہو کر رہتی ہے اب وہ کسی کے دست نگر نہیں‘ یہ یاد رکھو۔“ اور رائمہ اسی شام لوٹ گئی تھی مانو سب کچھ سنبھلتا‘ سدھرتا چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

حمیدہ نے اس روز سعد بن مصطفیٰ کو جالیا۔

”ہمارے درمیان اتنے فاصلے تو کبھی نہ تھے کہ اپنی منوانے کے لیے آپ کو کسی اور کی ضرورت پڑے؟“

”جانے کیسے شازمہ میرا ہر دکھ پڑھ لیتی ہے اور میری مشکل یہ ہے کہ میں اس سے کچھ چھپا نہیں سکتا۔“

”کبھی تو آپ اپنی پریشانیاں مجھ سے شیئر کرتے شاید ممکن ہے اتنا سب کچھ نہ ہوتا۔“

”میں نے کہا تھا ناں ممکن ہے یہ سب یوں ہی ہونا لکھا تھا ورنہ مجھے ہمیشہ سے تنہا رہنے کی عادت ہے...... بقیہ زندگی بھی تنہا گزار سکتا ہوں۔“ انہوں نے ایک کرب سے کہتے ہوئے سگار سلگایا...... فان کلر کے تھری پیس سوٹ میں ان کے لبوں پر ایک شکستہ سی مسکراہٹ تھی۔ حمیدہ نے دیکھا ان کی نظروں میں کئی دکھوں کے کانچ ٹوٹے تھے...... کئی لمحات خاموشی کی نذر ہو گئے۔

”اس خاموشی کو میں رضامندی سمجھوں یا انکار......؟“

”جب تقدیر ناممکن کو ممکن تک لا کر مجھے نواز رہی ہے تو میں ہاتھ نہیں روکوں گی مگر میری رضامندی مشروط ہے...... بس ایک شرط۔“

”شرط......!“ وہ چونکے مگر حمیدہ کا اقرار پا کر سرشار بھی ہو گئے تھے۔

”دس لاکھ روپے مہر...... جو آپ کو نکاح کے ساتھ ہی ادا کرنے ہوں گے۔“ سعد بن مصطفیٰ کو دھچکا لگا...... انہوں نے بے یقینی سے بار بار پلکیں جھپک کر حمیدہ کو دیکھا...... بات چھوٹی اور ارزاں تھی کم از کم انہیں حمیدہ سے یہ امید نہ تھی اگرچہ حمیدہ کا انداز شکستہ اور ہارا ہوا سا

تھا...... وہ پچاس لاکھ بھی مہر رکھ سکتے تھے کہ حمیدہ انہیں ہر رشتے سے زیادہ پیاری تھی مگر ان کا دل مان کر بھی نہ مان پا رہا تھا۔ وہ شفاف‘ بے لوث محبت کرنے والی معصوم سی لڑکی...... اتنی سطحی بات کر سکتی ہے...... وہ اگر ایک پل کو یقین کی ڈور تھام لیتے تو اب تک کا سفر لاحاصل ثابت ہونا تھا مگر وہ حمیدہ تھی جن کے نزدیک گھر اور گھر سے منسلک مسائل اہم تھے...... چند دن اس کے نہ ہونے سے گھر کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا...... اسے اس بار سدھارنے سے پہلے گھرانے کی کفالت کا بھرپور بندوبست کرنا تھا اور سعد بن مصطفیٰ کے لیے تو بس اس کا حصول اہم تھا۔ سو اسی شام اپنی آمد کا عندیہ دیا تھا...... حمیدہ کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

”وہ گھر اور گھر والے آپ کی شایان شان نہیں۔“

”تم کس لائق ہو کوئی میرے دل سے پوچھے۔“ سعد بن مصطفیٰ کے لیے اس کا اقرار ہی بہت تھا اور حمیدہ میز پر سر رکھ کر سسک اٹھی تھی۔

”یہ میری مجبوری ہے...... میری محبت کی قیمت نہیں۔“

”آئی نو تمہاری محبت تو انمول ہے۔“ اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ وہ گھر کو سپورٹ کرتی ہے اور جہاں عزت نفس مانع ہو وہاں پردہ پوشی کو وہ جائز سمجھتے تھے۔

❀......❀......❀......❀

نکاح بہت سادگی سے مخصوص لوگوں کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اس بار حمیدہ کو رخصت کرتے ہوئے اماں آبدیدہ ہوئیں۔

”ہونا تو وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہے مگر ہو سکے تو حمیدہ کو سکھ دینا۔ بہت حساس اور باحوصلہ بیٹی ہے میری اس کا خیال رکھنا۔“ سعد بن مصطفیٰ نیازمندی سے ان کے سامنے جھک گئے انہوں نے از خود ازالے کی ٹھان رکھی تھی اور ان کا چیک واپس کر کے اماں نے آسودہ سی سانس لی تھی۔ حمیدہ نے اس گھر کے لیے زندگی وار دی‘ یہ احسان ان کا سر جھکا دے گا۔

”مجھے جیسی بھی نوکری ملی میں کرلوں گا۔“ حمیدہ کے رخصتی کے بعد فہد نے کہا تھا۔

”نوکری نہ بھی ملی تو میری پچاس ہزار کی کمیٹی کھلنے والی ہے۔ میں گھر کے دروازے کے ساتھ تجھے پرچون کی دکان کھلوا دوں گی۔ کچھ پیسے لگا کے آدھا پورشن کر کے گھر کرائے پر اٹھا دیتے ہیں۔“

”ہاں اور جب تک تمہاری کمیٹی نہ نکلے دو چار ہزار لگا کے مجھے ایک پان کا کھوکا کھلوا دو......“ ابا نے لقمہ دیا۔

”اے میاں...... تم پان کا کھوکا لگاؤ گے؟“

”تو اور کیا...... اپنے پان سگریٹ کے لیے فہد کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گا کیا؟“ اور جیل کاٹ کر فہد میں بدلاؤ آ گیا تھا۔ بساط کے سارے مہرے پٹ گئے تھے اب انہیں اپنی زندگی خود سنوارنی تھی‘ یہ ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

گھر سے نکل کر حمیدہ کے لیے کار کا فرنٹ ڈور کھولا جو نازک سے کام والی فیروزی و آتشی کلر کے لباس میں دہک رہی تھی۔ پُرسکون‘ آسودہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل رہی تھی...... سعد بن مصطفیٰ نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔

”خوب صورت لگ رہی ہو۔“

”اچھا لگ رہی ہوں...... ہوں نہیں؟“

”خوب صورت ہو تب ہی تو لگ رہی ہو...... ہم ایک دوسرے کے ہو گئے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا چٹکی تو کاٹو ذرا......“ حمیدہ نے زور سے چٹکی بھری اور وہ چیخ اٹھے۔

”ہاہ...... آ گیا یقین آ گیا......“ انہوں نے کار آگے بڑھائی۔

”شاید تم وہ پہلی دلہن ہو جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر رخصت ہو رہی ہے۔“

”اور آپ وہ پہلے دلہا جس نے خود کار ڈرائیو کی ہے۔“ اس نے برجستہ کہا تو جواباً سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

کار گھر کی سمت جانے کی بجائے شہر کی وسط میں اونچی اونچی بلڈنگوں کے درمیان سفر کرنے لگی تو حمیدہ

چونکی۔

"ڈنر کا وقت ہوگیا ہے پہلے ڈنر کرلیا جائے۔" انہوں نے کار ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے روک دی......

حمیدہ کچھ جھجک سی رہی تھی، چکنے ٹائلز والے فرش پر چلتے وہ ہائی ہیل کے سبب بارہا لڑکھڑائیں...... اس کا دلہن کا روپ اسے شرمسار کیے دے رہا تھا مگر سعد بن مصطفیٰ سرشار سے تھے...... وہ جانتے تھے گھر پر حمیدہ کے چاؤ چونچلے کون اٹھائے گا؟ ڈنر کے بعد رات کے لیے روم بھی ریزرو تھا اور یہ اطلاع انہیں ابھی فون کال پر ملی تھی وہ حمیدہ کا ہاتھ تھام کر اسے اوپر لے آئے۔ ہوٹل کا عروسی سوئٹ تھا۔ سجا سجایا اور گلابوں سے مہکتا ہوا۔

"کل ولیمہ ہوگا اور اس ہوٹل میں ہمارا قیام بچوں کی طرف سے ہے۔"

"بچے......؟" حمیدہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں...... بچے...... ہمارے بچے۔" حمیدہ نے سمجھ کر سکھ بھری سانس لی...... انہیں خوشگوار سی حیرت ہوئی، گمان تھا کہ شاید ابھی کسی نئے محاذ کا سامنا باقی ہے۔

"کیا ہوا...... کس سوچ میں پڑ گئیں؟" حمیدہ اپنا اندر کیسے عیاں کر جاتیں...... یہاں تو سب ہی کچھ خلاف توقع ہو رہا تھا۔

"ارے میں تو بھول ہی گیا......" سعد بن مصطفیٰ نے جیبیں ٹٹول کر کچھ کاغذات اور چابیاں برآمد کیں۔ "یہ تمہاری رونمائی ہے...... تمہارے اپنے گھر کے کاغذات اور ذاتی گاڑی کی چابی۔" حمیدہ گنگ رہ گئیں۔

"حمیدہ...... میں نے اپنی ہر زیادتی کے ازالے کا وعدہ خود سے کر کے تمہارا ہاتھ تھاما ہے...... یاد ہے تم نے ایک روز مجھ سے اپنے گھر اور گاڑی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

"مجھے صرف آپ کا پیار چاہیے اور آپ کا ساتھ مون۔"

"مون......؟" انہیں یہ نام بہت پیارا اور اچھوتا لگا۔

"ہاں...... چاند ہی تو ہیں آپ...... میرے بخت کا چاند۔"

"اور تم چکور...... ہے ناں۔"

"نہیں...... میں تو خاک کا ادنیٰ سا ذرہ ہوں۔"

"ایسا مت کہو...... تم جیسے لوگ تو پارس ہوتے ہیں۔ جسے چھو جائیں اسے انمول کر دیں۔" انہوں نے گہری نظروں سے تکتے ہوئے وارفتگی سے کہا تو حمیدہ نے ان کے شانے سے لگ کر طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

سنا تھا جتنا کڑا امتحان ہوتا ہے اتنا ہی بہترین انعام ہوتا ہے...... سعد بن مصطفیٰ اس کی ریاضتوں کا انعام تھے۔

"سنو!

جب تم میرے بن کے آؤ!

تو صدیوں کی عمر لانا!

کہ تیرے ساتھ مجھ کو

اب مختصر نہیں رہنا!"

انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"اور اگر میں کہوں میں ہمیشہ سے تمہارا ہوں...... میری زندگی میں تمہاری جیسی کسی لڑکی کی ہی کمی تھی تو مانو گی؟"

"نہ ماننے والی بات ہی نہیں ہے مجھے آپ سے زیادہ خود اپنی محبت پر یقین ہے۔" حمیدہ مسکرا دی اور سعد بن مصطفیٰ نے ایک نئے سفر کے آغاز کے لیے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

www.naeyufaq.com

bazsuk@naeyufaq.com

بزمِ سخن

سمیّہ عثمان

فائزہ شاہ...... لانڈھی کراچی

میری ہر ادا پہ سرخم کرنا وہ عادت بنا بیٹھا تھا
میری ہی اِک ادا کے باعث اسے گنوا بیٹھی میں

ارم کمال...... فیصل آباد

رستے پہ عمر کی میرا پاؤں پھسل گیا
اک اور سال پھر میرے ہاتھوں نکل گیا
کیا جیت تھی جو ہار کے رتھ پر سوار تھی
میں اپنے پاؤں تلے خود کو کچل گیا

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

ٹھہر کے دیکھے تو رک جائے نبض ساعت کی
شب فراق کی قیامت سے کسی قیامت کی

ہالہ سلیم...... کراچی

وہ بستی بھی کیا بستی ہے، جس بستی میں وہ بستی ہے
وہ بستی ان سے بستی ہے، جس بستی میں وہ بستی ہے

خوشی سرانوالی...... سیالکوٹ

ہجوم دنیا سے نہیں ہے رغبت کوئی
خلوت ہو یا جلوت جو دل اپنا اداس ہے
مستعار لے لے چاہے خزینہ سکون دل کوئی
مسکائیں سب کیسے جو دل اپنا اداس ہے

کرن شہزادی...... مانسہرہ

اپنی افسردہ مزاجی کا برا ہو قتیل
واقعہ کوئی بھی ہو آنکھ کو بھر جاتا ہے

سودائے محمد سردار...... جڑانوالہ

لوگ فخر سے گناہ کرتے ہیں میں فخر سے دعا کرتی ہوں
دنیا کی رونقوں سے ذرا ہٹ کے رہا کرتی ہوں
محفل میں ہے تنہائی، تنہائی میں لگے اک محفل
دوستوں کے کام آتی ہوں دشمن سے وفا کرتی ہوں

تبسم شہزادی...... ضلع فیصل آباد

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں
وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں
میری تعریف کرے یا مجھے بدنام کرے
جس نے جو بھی بات کرنی ہے سرعام کرے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

میرا دل لبھاتی ہے میری کتاب
بہت مجھ کو بھاتی ہے میری کتاب
مجھے صاف رہنے کے سارے اصول
سکھاتی پڑھاتی ہے میری کتاب

لوبا سجاد...... ٹنگہ

لہو کا رنگ ہرگز نہیں ہے سچ بتا ظالم
یہ کس کا پھول سا دل تو نے پیروں سے کچل ڈالا

رقیہ ناز...... میلسی

تیرے پیار کی خوشبو مجھے مہکا جاتی ہے
تیری ہر اک بات مجھے بہکا جاتی ہے
بہت دیر لیتی ہے سانس بھی آنے میں
مگر ہر سانس سے پہلے تیری یاد آجاتی ہے

ام ہانی شاہد...... ڈگری

آج پھر تجھے بھول جانے کا ارادہ کرلیا ہے
بھروسہ غالباً خود پر زیادہ کرلیا ہے

عائشہ سلیم...... کراچی

زخم دل کا نہ مداوا نہ رفو ہوتا ہے
ان کی فرقت میں تصور بھی لہو ہوتا ہے
ان کی تصویر میں جو دیکھیں تو یہی لگتا ہے
ان کی یادوں سے نگاہوں کا وضو ہوتا ہے

نورین انجم...... کراچی

کسی غریب قبیلے کی آبرو کی طرح
ہمارا درد کسی درد میں شمار نہیں

تبسم بشیر حسین...... ٹنگہ

شب بھر روتی رہی ہوں یاد میں تیری

آہیں بھرتی رہی ہوں یاد میں تیری
تم ساری زندگی چین سے سوتے رہے ہو
میں رات بھر کروٹیں بدلتی رہی ہوں یاد میں تیری

ماہا بشیر...... ٹنگہ

اب سمجھا تیرے رخسار پہ تل کا مطلب ایس
دولتِ حسن پر دربان بٹھا رکھا ہے

نور یے ایمان چوہدری...... کمالیہ

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست
سانس لینے کی سکت اب بھی میری جان میں ہے
درپیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب
اس کی بنوں میں کیسے کہ اپنی نہیں ہوں میں

وجیہ الطاف...... سمندری

نہ جانے جرم کیا سرزد ہوا ہے
زمانے بھر کی باتیں سہہ رہا ہوں
شجر کا خشک پتہ ہوں میں اختر
ندی کے پانیوں میں بہہ رہا ہوں

انابیہ شیخ...... منڈی بہاؤ الدین

وہ وقت دور نہیں جب زمین والوں پر
مکان ٹوٹے گا اور امکان برسے گا

علیشبہ ملک...... وہاڑی

چادریں ان کو میسر ہیں مگر مجھ کو نہیں
میں تو سردی میں مزاروں کی طرف دیکھتا ہوں

ندا عمران چودھری...... آزاد کشمیر

تمہیں تو ٹھیک سے برباد کرنا بھی نہیں آتا
چلو پیچھے ہٹو اپنی یہ حالت میں بتاتا ہوں
یار کی کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں
یوں تیری حاضری میں بیٹھا ہوں

لیلیٰ رب نواز...... کمالیہ

مجھے کڑھے ہوئے تکیے کی کیا ضرورت ہے
ماں کا ہاتھ ابھی میرے سر کے پیچھے ہے
دن بھر کی مشقت سے بدن چور ہے لیکن
ماں نے مجھے دیکھا تو تھکن بھول گئی ہے

وانیہ آفرین...... مظفر آباد

واجب پیغمبروں پہ بھی ہے اس کا احترام
نازل ہوا ہے ماں پہ بھی اللہ کا سلام

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

کتنے دور نکل گئے رشتے نبھاتے نبھاتے
خود کو کھو دیا اپنوں کو پاتے پاتے
لوگ کہتے ہیں ہم مسکراتے بہت ہیں
اور ہم تھک گئے درد کو چھپاتے چھپاتے

ارم آصف...... خانگڑہ ضلع مظفر گڑھ

ہر گھڑی اچھی آس دکھا کر
اچھی یادوں کو پاس رکھا کر
میرا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے
یوں نہ آنکھیں اداس رکھا کر

زینب زہرہ...... وہاڑی

دلِ خاموش کی آواز پر لبیک کہتے ہیں
ہم ایسے ہیں زمیں والے انہیں لاریب کہتے ہیں
کچھ ایسا ہے ہنر ان میں باطن کو چھپانے کا
انہیں نہ جانے والے سب ہی بے عیب کہتے ہیں

انعم زہرہ...... ملتان

پروردگار صدا ہم پر مہربان رہے
دل کی دنیا میں اپنا بھی اک مقام رہے
کوئی مثال وفا ہم سے بھی وابستہ ہو
لینے والوں میں اپنا بھی کوئی نام رہے

www.naeyufaq.com

کچن کارنر

زہرہ جبین

وائٹ کڑاہی

اجزاء:-

مرغی	ایک کلو
دہی	ایک پیالی
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچیں	چھ عدد
پیاز (درمیانے سائز کے)	دو عدد
لہسن ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
زیرہ (بھون کر پیس لیں)	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ
کریم	آدھی پیالی
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
میتھی	تھوڑی سی
لیموں	دو عدد
تیل	ایک پیالی

ترکیب:-

پیاز کو باریک چوپ کر کے گرم تیل میں ہلکی گلابی کرلیں پھر اس میں لہسن ادرک کا پیسٹ اور مرغی ڈال کر بھون لیں اس کے بعد دہی کے ساتھ تمام مصالے شامل کر کے ڈھک دیں دہی کا پانی خشک ہوجائے تو ہری مرچیں اور ادرک باریک کٹی ہوئی اور لیموں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں آخر میں کریم ملا کر چولہا بند کردیں لذیذ وائٹ کڑاہی تیار ہے۔

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

آلو بالز

اجزاء:-

آلو	آدھا کلو
دھنیا پاؤڈر	کھانے کے دو چمچ
زیرہ پاؤڈر	کھانے کے دو چمچ
بیسن	ایک پاؤ
انڈے	دو عدد
نمک مرچ	حسب ذائقہ
میدہ	آدھی پیالی

ترکیب:-

نمک ڈال کر آلو ابال لیں ابلنے پر میش کرلیں تمام پاؤڈر زیرہ مسالا جات شامل کر کے مکس کرلیں ہرے دھنیے کے ساتھ نمک مرچ ڈالنا مت بھولیں پھر درمیانے سائز کے بالز بنا کر ایک ٹرے میں میدہ پھیلا کر اس پر رکھتی جائیں اس کے بعد بیسن گاڑھا گھول لیں اور انڈے اس میں مکس کرلیں کوکنگ آئل کڑاہی میں ڈال کر اچھی طرح گرم کرلیں آٹھ سے نو بالز بیسن میں ڈال کر اچھی طرح لپیٹ کر کڑاہی میں ڈالیں تقریباً دو منٹ بعد پلٹ دیں تاکہ دوسری سائیڈ بھی گولڈن ہوجائے پھر بڑے جالی دار چمچے سے نکال لیں اور رائتے کے ساتھ گرم گرم آلو بالز سرو کریں۔

کوثر ناز...... حیدرآباد

فرنچ ٹوسٹ

اجزاء:-

ڈبل روٹی	ایک عدد
انڈے	دو عدد
خالص دودھ	ایک پاؤ
شکر اور گھی	حسب ضرورت

ترکیب:-

پہلے ڈبل روٹی کے اوسط درجہ کے ٹوسٹ کاٹ لیجیے بہت موٹے نہ ہوں اور نہ زیادہ پتلے پھر انڈوں کو توڑ کر کسی برتن میں خوب پھینٹ لیجیے اور اس میں دودھ شکر ملا کر یکجان کرلیجیے۔ اس کے بعد ٹوسٹ کو اس قوام میں دبا دبا

کر بھگو دیجیے اور فرائی پان میں تھوڑا تھوڑا گھی ڈال کر تل لیجیے ٹوسٹ کو دیر تک قوام میں تر نہ رکھا جائے ناشتہ کے لیے بہت اچھی چیز ہے اور کم وقت میں تیار ہو جاتے ہیں۔

ثانیہ گل...... مانسہرہ

چنے کی دال لوکی

اجزاء:۔

چنے کی دال (ابلی ہوئی)	۲۰۰ گرام
لوکی کٹی ہوئی	ایک عدد (چھوٹی)
پیاز (کٹی ہوئی)	دو عدد درمیانی
ٹماٹر کٹے ہوئے	دو عدد درمیانے سائز
لہسن (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ادرک (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	دو سے تین عدد
ہرا دھنیا	گارنش کے لیے
تیل	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

پیاز کو تیل میں لال کر لیں، اس میں ٹماٹر، ادرک لہسن کا پیسٹ اور تمام مصالحے ڈال کر ۳ سے ۵ منٹ بھونیں اب اس میں لوکی ڈال کر گلنے تک پکائیں۔ پھر اس میں ابلی ہوئی چنے کی دال ڈالیں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب اس میں اوپر سے دھنیا اور کٹی ہوئی ہری مرچ ڈال کر چولہا بند کر دیں۔ چنے کی دال لوکی کو ابلے ہوئے چاول یا روٹی کے ساتھ پیش کریں، سجاوٹ کے لیے کٹی ہوئی ادرک بھی ڈالی جا سکتی ہے۔

نورین سلطان...... صادق آباد

شاہی نرگسی کوفتے

اجزاء:۔

گائے کا قیمہ	آدھا کلو
انڈے ابلے ہوئے	۵ عدد
چنے کی دال	آدھی پیالی
پیاز باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
انڈہ پھینٹا ہوا	ایک عدد
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	آدھا چائے کا چمچ
پانی	ڈھائی پیالی
نمک	حسب ذائقہ

سالن کے اجزا:۔

دہی پھینٹا ہوا	ایک پیالی
پیاز تلی ہوئی	۲ پیالی
پانی	آدھی پیالی
پسی ہوئی ہلدی	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	آدھا چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا، ہری پیاز، ہری مرچ	سجانے کے لیے

ترکیب:۔

دیگچی میں قیمہ، پانی، چنے کی دال، لال مرچ، لہسن ادرک، پیاز اور نمک کو قیمہ گلنے تک پکا کر ٹھنڈا کر لیں۔ قیمے میں گرم مصالحہ ملا کر باریک پیس لیں۔ اس میں پھینٹا ہوا انڈہ اور تھوڑا سا پانی ملا لیں۔ ہتھیلی کو گیلا کر کے اس پر تھوڑا سا قیمہ رکھیں، اس کے اوپر ایک انڈہ رکھیں، قیمے کو اس پر لپیٹ دیں، اس عمل کو دہراتے ہوئے دوسرے کوفتے بھی تیار کر لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے کوفتوں کو تلیں اور چوڑائی سے کاٹ لیں۔ دیگچی میں تیل گرم

کریں، دہی اور پیاز کے علاوہ سالن کے اجزاء ڈال کر بھون لیں۔ اس میں دہی ڈال کر ۵ منٹ مزید بھونیں اس میں پیاز اور ۲ پیالی پانی ڈال کر سالن گاڑھا ہونے تک پکا کر ڈش میں نکال لیں۔ اس پر کوفتے رکھیں اور ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

بہاری دم گوشت

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
دہی	سو گرام
پپیتا پیسٹ	دو سے تین کھانے کے چمچ
پیاز (کٹی اور تلی ہوئی)	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
مسٹرڈ آئل	چار کھانے کے چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
چنا دال پاؤڈر	چار کھانے کے چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

پیالے میں گوشت، دہی، پپیتا پیسٹ، تلی ہوئی پیاز، ادرک لہسن پیسٹ، مسٹرڈ آئل، ہلدی، گرم مصالحہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، پسی ہوئی چنے کی دال، سفید زیرہ اور نمک شامل کر کے ملا لیں۔ اچھی طرح ملا کر پندرہ منٹ کے لیے ایک طرف رکھ دیں۔ بیف کو گل جانے تک اسٹیم کر لیں اور کوئلے کا دھواں دیں۔ تیل گرم کر کے گوشت کو فرائنگ پین میں دو سے تین منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔ اب اسے ڈش میں نکال کر لیموں، سلاد کے پتوں اور پیاز کے رنگز کے ساتھ گارنش کر کے سرو کریں۔

صباء ایشل...... فصل آباد

مغز مصالحہ

اجزاء:۔

مغز	چار عدد
دہی	آدھا کلو
پیاز	ایک کپ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	دو چائے کا چمچ
ہری مرچ	چھ سے آٹھ عدد
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک بڑے پین میں مغز، پانی اور ایک چائے کا چمچ ہلدی ڈال کر ابال لیں۔ اب ایک باؤل میں مغز پر دہی لگا کر میرینیٹ کر لیں پھر ایک پین میں تیل ڈال کر میتھی دانہ، لہسن پیسٹ، نمک، پیاز، لال مرچ پاؤڈر اور ایک کھانے کا چمچ ہلدی ڈال کر بھون لیں۔ جب خوشبو آنے لگے تو اس میں مغز ڈال دیں اور بھون لیں۔ اب ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں اور آنچ دھیمی کر لیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو ڈش آوٹ کر لیں۔ ہرا دھنیا سے گارنش کر کے گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

مسز طلعت نظامی...... کراچی

alam@naeyufaq.com

عالم میرا انتخاب

زینب احمد

غزل

بھول جانا بھی اسے یاد بھی کرتے رہنا
اچھا لگتا ہے اسی دھن میں بکھرتے رہنا
ہجر والوں سے بڑی دیر سے سیکھا ہم نے
زندہ رہنے کے لیے جاں سے گزرتے رہنا
کیا کہوں کیوں میری نیندوں میں خلل ڈالتا ہے
چاند کے عکس کا پانی میں اترتے رہنا
میں اگر ٹوٹ بھی جاؤں تو پھر آئینہ ہوں
تم میرے بعد بہر طور سنورتے رہنا
گھر میں رہنا ہے تو پھر بکھرتے ہوئے سائے چن کر
زخم دیوار و در و بام کے بھرتے رہنا
شام کو ڈوبتے سورج کی ہے عادت محسن
صبح ہوتے ہی میرے ساتھ ابھرتے رہنا

شاعر:۔محسن نقوی
انتخاب:۔افضل شاہین......بہاول پور

غزل

تیری میری درد کی کہانی
دریا جیسی ایک روانی
شاید میں تو بھول گئی
رکھ کر تیری ایک نشانی
آخر اس کو کون سنبھالے
یہ تیری تصویر پرانی
ان آنکھوں میں خواب تمہارے
یہ میری بھرپور جوانی
یاد رہے گا وصل تمہارا
یاد کروں گی شام کہانی
تیرے شہر سے اس دنیا میں بھی
کر جاؤں گی نقل مکانی
رقص میں فری آجائے گا
میری آنکھ کا بہتا پانی

شاعرہ:۔فریدہ جاوید فری
انتخاب:۔پروین افضل شاہین......بہاولنگر

غزل

گل و گلزار گہر چاند ستارے بچے
رنگ و بو نور کے پیکر ہیں یہ سارے بچے
آئینے ہیں کہ دمکتے ہوئے چہرے ان کے
ایسے شفاف کہ دریاؤں کے دھارے بچے
کتنے معصوم کہ یہ سانپ پکڑنا چاہیں
کتنے بھولے ہیں کہ چھوتے ہیں شرارے بچے
آنے والوں کو بتا دیتے ہیں گھر کی باتیں
کب سمجھتے ہیں یہ آنکھوں کے اشارے بچے
خود سے دس بیس برس اور بڑے لگتے ہیں
گھر بناتے ہوئے دریاؤں کے کنارے بچے
گاؤں جاتا ہوں تو چوپال کا اس بوڑھا درخت
باہیں پھیلائے یہ کہتا ہے کہ آرے بچے
اب نہ وہ کھیل کھلونے نہ شرارت فاروق
کتنے خاموش اکیلے ہیں ہمارے بچے

شاعرہ:۔فاروق انجینئر
انتخاب:۔ہالہ سلیم......کراچی

غزل

اس کے دشمن ہیں بہت آدمی اچھا ہوگا
وہ بھی میری طرح شہر میں تنہا ہوگا
اتنا سچ بول کہ ہونٹوں کا تبسم نہ بجھے
روشنی ختم نہ کر آگے اندھیرا ہوگا
پیاس جس نہر سے ٹکرائی وہ بنجر نکلی
جس کو پیچھے کہیں چھوڑ آئے وہ دریا ہوگا
ایک محفل میں کئی محفلیں ہوتی ہیں شریک
جس کو بھی پاس سے دیکھو گے اکیلا ہوگا
میرے بارے میں کوئی رائے تو ہوگی اس کی
اس نے مجھ کو بھی کبھی توڑ کے دیکھا ہوگا

شاعرہ:۔ندا فاضلی
انتخاب:۔ثمرہ گلزار......کوٹلی گجرات

دل میرا پاکستان

اقبال کے جو افکار میں ہیں
سرسید کے جو کردار میں ہیں
جو قائد کے گفتار میں ہے
جو ٹیپو کی تلوار میں ہے
وہ میرا دین ایمان
دل میرا پاکستان
یہ ملت کی تقدیر بنا
یہ ست رنگی تصویر بنا
ہر مسلم کی توقیر بنا
ہر خواب حسیں تعبیر بنا
وہ میرا جسم اور جان
دل میرا پاکستان
سب ربط نئے جوڑ آئے ہیں
کچھ ایسے بھی موڑ آئے ہیں
ہم اپنے گھر چھوڑ آئے ہیں
سب زنجیریں توڑ آئے ہیں
وہ اُمڈ آیا ہے طوفان
دل میرا پاکستان
معیار بدلتے دیکھے ہیں
انسان پھسلتے دیکھے ہیں
بارود میں پلتے دیکھتے ہیں
گھر اپنے جلتے دیکھے ہیں
ابھرا ہے نیا انسان
دل میرا پاکستان
قسمت نے ہم کو گھیرا ہے
مفلس کا روگ اندھیرا ہے
اپنا غم خوار لٹیرا ہے
یہ راہی خوب سویرا ہے
اب بولے گی میزان
دل میرا پاکستان

شاعر:۔نذیر احمد راہی......راجن پور
انتخاب:۔ارم صابرہ......تلہ گنگ

غزل

گئی رتوں میں تو شام وسحر نہ تھے ایسے
کہ ہم اداس بہت تھے، مگر نہ تھے ایسے
یہاں بھی پھول سے چہرے دکھائی دیتے تھے
یہ اب جو ہیں، یہی دیوار و در نہ تھے ایسے
ملے تو خیر نہ ملنے پہ رنجشیں کیسی
کہ اس سے اپنے مراسم تھے پر نہ تھے ایسے
رفاقتوں سے مرا ہوں، مسافتوں سے نہیں
سفر وہی تھے مگر ہم سفر نہ تھے ایسے

شاعر:احمد فراز
انتخاب: کوثر ناز......حیدرآباد

نہیں چاہتا

میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی جب تم پاس نہیں ہوتی
خود کو کتنا اداس پاتا ہوں
جانے کیا دھن سمائی رہتی ہے
اک خاموشی سی چھائی رہتی ہے
دل سے بھی گفتگو نہیں ہوتی
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی شب کی طویل خلوت میں
تیرے اوقات سوچتا ہوں
تیری ہر بات سوچتا ہوں
کون سے پھول تجھ کو بھاتے ہیں
کھوسا جاتا ہوں تیری جنت میں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی احساس سے نجات نہیں
سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے
دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے
جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں
اس میں تیری سی کوئی بات نہیں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن......

شاعر: جانثار اختر
انتخاب: نرمین نعیم......حیدرآباد

خواہش

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم

اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں ایسی الجھے یہ سینے میں سانس کہ بس
ہم دوا پینا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی راحت نہ راہی ملے ایک پل کا سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش لیے یہ دشت ہی دشت ہو ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں جس کو چاہیں اسے پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں یوں چپ چاپ دینا کہ پھر دل یہ چاہے بھی تو ہم نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ کوئی صحرا، قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تلک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے کی جو بے وفائی وہاں پر وہ ناپید ہو
اب تو خواہش ہے یہ
روئے جاؤں تو چپ کرائے کوئی
دور جنگل میں یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی
اب تو خواہش ہے یہ
درد ایسا ملے
اب تو خواہش ہے یہ

شاعرہ: نازیہ کنول نازی
انتخاب: حنا اشرف......کوٹ ادو

غزل

محبت خواب ہوتی جا رہی ہے
یہ شے کمیاب ہوتی جا رہی ہے
بہت شاداب تھا آغاز لیکن
سخن سیماب ہوتی جا رہی ہے
جو سوچا وہ ہوا پہ لکھ دیا تھا
یہ خوبے آب ہوتی جا رہی ہے
شفق کو دیکھ کر دل سوچتا ہے
یہ حد، ایجاب ہوتی جا رہی ہے
پہننے کو بدن کافی نہیں تھا
طلب سیلاب ہوتی جا رہی ہے

کلام: کشور ناہید
انتخاب: اے کے سسٹرز......آزاد کشمیر

غزل

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا
بجلی ایک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو لائق تعزیر بھی تھا
دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

شاعر: اسد اللہ خان غالب
انتخاب: طلعت نظامی

غزل

یہ زرد پتوں کی بارش مرا زوال نہیں
مرے بدن پہ کسی دوسرے کی شال نہیں
اداس ہوگئی اک فاختہ چہکتی ہوئی
کسی نے قتل کیا ہے یہ انتقال نہیں
تمام عمر غریبی میں باوقار رہے
ہمارے عہد میں ایسی کوئی مثال نہیں
میں آسمان کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہوں
کہاں ملی تھی یہ دنیا مجھے خیال نہیں
وہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں
وہ بے مثال ہے اس کا کوئی شریک نہیں
کوئی خوشی ہو میں اپنی حدوں میں رہتا ہوں
مرا ملال بھی حد سے سدا ملال نہیں

شاعر: بشیر بدر
انتخاب: سدرہ شاہین......پیرووال

www.naeyufaq.com

bazsuk@naeyufaq.com

شوخیٔ تحریر

ہماذوالفقار

ولدیت

ترجمہ:۔ ”لہٰذا انہیں پکارا کرو اور ان کے باپوں کی نسبت سے یہ زیادہ مبنی بر انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔“ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵)

اس واضح حکم کے بعد کسی کی ولدیت تبدیل کرنا حرام مطلق ہے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت زیدؓ کو زیدؓ بن محمد ﷺ کے بجائے زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ کسی وجہ سے کسی کا بچہ لے کر پالتے ہیں تو اس کی ولدیت کی جگہ اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب بڑے ہوکر بچے کو پتا چلے گا کہ وہ اس کے والدین نہیں تو اسے ذہنی طور پر شدید دھچکا لگے گا جو اس کے لیے بہت سے نفسیاتی مسائل کا باعث بنے گا لیکن ایسا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:۔ ”اور اگر تمہیں ان کے باپوں کے بارے میں پتا نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔“

کسی وجہ سے یوں بھی ہوسکتا ہے کہ کسی بچے کی ولدیت کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہ ہو، جیسے پاک بھارت تقسیم کے دوران اس طرح کے واقعات ہوئے کہ مہاجرین کی ایک ٹرین میں سب لوگ مارے گئے اور کوئی بچہ زندہ بچ گیا۔ بعد میں کسی نے اس بچے کو پال لیا لیکن اس کے والدین کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

نورالدین......کراچی

بچوں پر رحم

ایک دفعہ ایک شخص اپنے بچے کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ پیار کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ ”تم اس پر رحم کرتے ہو؟“ اس نے کہا ہاں ارشاد ہوا۔ ”اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جس قدر تم اس بچے پر رحم کرتے ہو اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ (بخاری، کتاب الادب)

اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک زانو پر مجھے اور دوسرے پر حضرت حسنؓ کو بٹھا لیتے تھے پھر دونوں زانو کو ملا کر کہتے تھے کہ اے رب ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔ (بخاری، کتاب الادب)

عثمان عبداللہ......کراچی

نیند

ایک عورت ڈاکٹر کے پاس گئی اور کہا۔
”مجھے نیند بہت آتی ہے ہر وقت سوتی رہتی ہوں۔“
ڈاکٹر: ”آپ کون سا موبائل استعمال کرتی ہیں؟“
عورت: ”نوکیا 3310“
ڈاکٹر: ”آپ کو میں ایک اسمارٹ فون لکھ دیتا ہوں، واٹس ایپ اور فیس بک انسٹال کرلیں نیند کا بیڑہ غرق ہوجائے گا۔“

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

سنہری باتیں

- جب درد حد سے بڑھ جاتا ہے تو انسان روتا نہیں خاموش ہوجاتا ہے۔
- مصیبت انسان کو بیدار کرنے کے لیے آتی ہے نہ کہ پریشان کرنے کے لیے۔
- ڈگری تو محض تعلیمی اخراجات کی رسید ہوتی ہے علم تو انسان کی گفتگو اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔
- انسان کو اس کی حیثیت سے بڑھ کر مل جائے تو وہ ناشکرا ہوجاتا ہے۔

ام ہانی شاہد......ڈگری

آنکھ

آنکھ دنیا کی ہر چیز دیکھ سکتی ہے پر افسوس جب اس کے اپنے اندر کوئی چیز چلی جاتی ہے۔ تو وہ نہیں دیکھ سکتی اسی طرح ایک انسان دوسروں کے عیب دیکھتا اور سمجھتا ہے پر اسے نہ اپنے عیب دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی وہ سمجھ سکتا ہے۔

ثمرہ گلزار......کوٹلی گجرات

معلومات

آج میں جی لیں، آج میں خوش رہیں، یہ سوچیے کہ جو ہوا تھا اچھا ہوا تھا جو ہوگا اچھا ہوگا اور جو ہوا ہے اچھا ہوا ہے۔

عائشہ شکیل......گوجرہ

آسانی

غلطی بتانے سے پہلے مخاطب کی کسی اچھی صفت کا ذکر ضرور کردیں اس طرح ان کو اپنی غلطی قبول کرنے میں آسانی ہوگی۔

ناکامی

ناکامی یہ نہیں کہ آپ گر جائیں بلکہ ناکامی یہ ہے کہ آپ دوبارہ اٹھنے سے انکار کردیں۔

مدیحہ نورین...... گجرات

انمول باتیں

❖ کسی کو حقیر نہ سمجھو ہوسکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں حقیر نہ ہو۔

❖ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں وہ کبھی بھی اچھے دوست نہیں ہوسکتے۔

❖ بے شک ہماری تدبیر سے اللہ کی حکمت بلند وبالا ہے۔

گلشن چوہدری...... گجرات

محبت

کتنی ظالم ہوتم
کتنی حسین ہوتم
ہرانداز تیرا
قاتلانہ ہے
اے محبت
توبڑی حسین ہے

اقرا جٹ...... منچن آباد

بے اعتباری

سنو
تمہاری محبت کی
بے اعتباری نے
سب کچھ چھین لیا
مجھ سے
میری ہنسی
میری خوشی
میری مسکراہٹ
سچ پوچھو
تو
ایک زندہ شمر کو
مردہ دل بنادیا
تمہاری محبت کی
بے اعتباری نے

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

مان

ایک پھول ٹہنی پر کھڑا بڑے فخر سے کہہ رہا تھا۔ یہ کانٹے میرے اپنے ہیں، اگر کوئی مجھے توڑنے کی کوشش کرے گا تو اسے زخمی کردیں گے۔

لیکن...... جب آندھی آئی تو انہی کانٹوں نے اسے زخمی کرکے زمین پر گرادیا۔

تو پھول نے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے کانٹوں کو دیکھا اور کہا جس پر مان ہو وہی زخم دیتا ہے۔

ارم آصف...... خان گڑھ

حکمت کی باتیں

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں، وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

☆ کسی کو کبھی مت رلانا کیونکہ اگر تم نے کسی کو رلایا تو کل کو کوئی تمہیں بھی رلائے گا۔

☆ ایمان یہ نہیں کہ رب پاک دیتا ہے بلکہ ایمان یہ ہے کہ رب پاک یقیناً دے گا۔

☆ جسم پر لگے زخموں کا تو علاج ہوسکتا ہے لیکن دل پر لگے زخموں کا علاج ناممکن ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

یادیں

تنہائی ک کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ سرما کی طویل راتیں ہوں یا دھوپ بھری اداس دوپہریں، بے نیازانہ چلتے چلتے لمحہ بھر کے لیے کوئی بھلا منظر نظروں کے سامنے آتا ہے اور یادوں کے بہت سے در وا کر جاتا ہے۔ یادوں کے تہہ خانے میں...... وہ لمحات جو اثاثہ کل ہوتے ہیں انہیں کھول کر بیٹھو تو خوب صورت چمکتی یادیں، اذیت دیتی ہیں، اور لبوں کو مسکراہٹ بخشنے والی یادیں اس وقت کیا رنگ جماتی ہیں۔ یہ وہی جانتا ہے جو حساس دل رکھتا ہو۔ جانے والے واپس لوٹنے کے لیے نہیں جاتے، لیکن کبھی کبھی دل سے ہوک سی اٹھتی ہے۔

کہ بچھڑے ہوئے لوگوں کو صدا دے
اے دل تیری آواز پر شاید کوئی مڑ کر دیکھے

اور پھر صرف ایک صدا دینا ہی ہماری دسترس میں ہوتا ہے۔ رکنے کا اختیار بہرحال مسافر ہی کو ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ جانے والے منتظر رہتے۔

بچھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزن زنداں سے ہوا کیوں نہیں آتی
اے موسم خوشبو کی طرح روٹھنے والے
پیغام تیرا لے کے صبا کیوں نہیں آتی

کبھی یادوں کی پٹاری کھولو تو سہی رنگ برنگی یادیں، جگنوؤں کی طرح آنکھوں کو خیرہ کرتی ادھر ادھر بکھر جاتی ہیں۔ کچھ یادیں تحریر کی صورت ہمارے، پاس ہوتی ہیں۔ جب ہی تو شاعر نے حسینہ کے خطوط اور تصویر بتاں کو زندگی کا سرمایہ قرار دیا ہے۔

آج انہی یادوں سے گھبرا کر میں نے قلم کا سہارا لیا ہے۔ یہ زندگی بہت چھوٹی ہے۔ دوستوں خوشیوں کے ساتھ گزار لو۔

کائنات ارشد...... شورکوٹ کینٹ

لاجواب

اس نے بڑے غرور سے کہا۔ "تمہارے جیسے بہت مل جائیں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "پھر میرے جیسے ہی کیوں۔"

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

یہ وقت بھی گزر جائے گا

سلطان محمود غزنوی نے اپنی غلام ایاز کو ایک انگوٹھی دی اور کہا کہ اس پر کوئی ایسا جملہ لکھو کہ اگر میں خوش ہوں تو غمگین ہوجاؤں اور اگر غم میں دیکھوں تو خوش ہوجاؤں۔

ایاز غلام نے ایک جملہ لکھا جسے پڑھ کر سلطان محمود غزنوی غور وفکر کی اتھاہ گہرائیوں میں کھو گیا۔ لکھا تھا۔

"بادشاہ سلامت! یہ وقت بھی گزر جائے گا۔"

رمشاء ملک...... ٹمن

حکمت کے موتی

✦ یقین اور دعا نظر نہیں آتے مگر ناممکن کو ممکن بنادیتے ہیں۔

✦ انسان کا دل اور کردار خوب صورت ہو تو چہرے پر حسن نظر آتا ہے۔

✦ چلتے وقت خیال رکھو کہ تمہارے پاؤں سے اٹھنے والی دھول میں کسی کا راستہ نہ کھو جائے۔

✦ انسان اس سے زیادہ دھوکا کھاتا ہے جس سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

اچھی بات

دوست کانچ کے بنے ہوتے ہیں۔ یہ ٹوٹنے پر چبھتے ہیں، انہیں اپنی ہتھیلی پر سنبھال کر رکھنا، کیونکہ انہیں ٹوٹنے میں ایک پل اور جوڑنے میں برسوں لگتے ہیں۔

کوثر روف...... سرائے صالح، ہری پور

سستا انصاف

قبضہ دلادیا مجھے میرے مکان کا
میرے جو تھے وکیل عدیم النظیر ہیں
فیس پوچھتے ہو تو اب اس مکان میں
خود حضرت وکیل رہائش پذیر ہیں

بڑھاپا

نہ بیگم ہماری نہ ہم دیکھتے ہیں
بڑھاپے میں ہم دونوں ہی کم دیکھتے ہیں
بنایا ہے فرصت سے جن کو خدا نے
انہی کو تو فرصت سے ہم دیکھتے ہیں

سحر تبسم سحری۔ مغل پورہ

لطیفہ

ایک بہت موٹی عورت سائیکل پر سوار تھی اور گانا گا رہی تھی (دیکھا ہے پہلی بار ساجن کی آنکھوں میں پیار) سامنے کھڑا ایک بچہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔

عورت نے غصے سے بچے سے پوچھا۔ "کیوں ہنس رہے ہو؟"

بچے نے گانا گایا۔

"دیکھا ہے پہلی بار سائیکل پر ہاتھی سوار۔"

مجم انجم اعوان...... کورنگی کراچی

زندگی اور موت

کاش تم میری زندگی نہیں موت ہوتے کیونکہ!

تم میری موت ہوتے تو تیرے آنے کا انتظار تو ہوتا کہ تمہیں ایک نہ ایک دن آنا ضرور ہے۔

پر افسوس! تم میری زندگی ہو اب ہمیشہ تیرے جانے کا ڈر لگا رہتا ہے کہ تمہیں ایک نہ ایک دن جانا ضرور ہے۔

رابعہ احمد بھٹی...... کوٹشا کر

www.naeyufaq.com

husan@naeyufaq.com

حسن خیال

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ کے بابرکت نام سے ابتدا ہے، جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اب حسن خیال کی محفل مختصر ہوتی جارہی ہے کیا کہیں کہ لوگ مصروف ہوگئے ہیں یا ہم میں وفا نہیں رہی۔ امید ہے کہ آئندہ ماہ غیر حاضر دوست محفل میں ضرور آئیں گے اور اپنی خیریت کی اطلاع دیں گے، کوئی ناراضی ہے تو وہ بھی بتائیں ہم کوشش کریں گے دور کرنے کی۔ اب بڑھتے ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

ارم آصف ملک...... خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ السلام علیکم! نٹ کھٹ سی جوہی جانو کیسی ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ حجاب دس تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل پر رانیہ خان سو سوتھی۔ بس آنکھیں پیاری لگ رہی تھیں۔ اب اتنی بھی مہنگائی نہیں ہوئی کہ آپ ماڈل کو تھوڑی بہت جیولری نہ پہنا سکیں (ہاہاہا) اور ہیئر پن کیا یہ ہی ملی تھے بالوں میں لگانے کے لیے۔ رانیہ کو پلیز یونیک یونیک اور برائیڈل ٹائٹل دیا کریں۔ سرگوشیاں سوری میرا مطلب ہے بات چیت آنی کا وہی مٹھاس بھرا لہجہ سن کر دل خوش ہوگیا۔ آنی آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے کہ آپ آنچل یا حجاب کے لیے ایک افسانہ لکھیں پلیز کیونکہ ہم آپ کا بہت سارا لکھا ہوا پڑھنا چاہتے ہیں۔ کیسی بونگی خواہش ہے جیسے میرے کہنے پر آنی لکھ لیں گی (ہاہاہا) خوش فہمی ہے میری ہے ناں جوہی جانو، حمد ونعت ہمیشہ کی طرح خوب صورت "آنگن کی چڑیا" ماہا کے جواب اچھے لگے لیکن جواب آدھے کیوں دیئے ماہا ڈیئر کم از کم شرارت والا سوال تو لازمی دیتی۔ "دل کو کس کا ملال تھا" (سوچ کر بتاؤں گی کسی فری ٹائم میں) ہاہاہا۔ شکر ہے کہ عائشہ شرجیل کے چنگل سے نکل گئی۔ اذان کے بروقت وہاں آنے کی وجہ سے، نادیہ احمد آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے کہ کہانی کو جلدی سے وائنڈ اپ کریں، برا نہیں ماننا۔ "عشق دی بازی" سمہان نے اچھا کیا نکاح کا بتا کر اور چوہدری جہانگیر جیسے بے غیرت باپ بھی ہوتے ہیں کیا؟ اپنی ہی بیٹی پر اتنا غلیظ الزام لگاتے ہوئے تمہاری روح بھی نہیں کانپی چوہدری جہانگیر میرا دل کررہا ہے کہ وہی پسٹل تمہارے ہاتھ سے لے کر تم پر ان گنت فائر کردوں۔ (ہاہاہا) "عشق نگر کے مسافر" اور "میرے بن کرآؤ" (کیوں؟) یہ دونوں کہانیاں پلیز بند کردیں یا جلدی جلدی سے وائنڈ اپ کریں اور سلسلہ وار ناول بھی دو ہی رکھیں یہ کیا چار چار لگادیئے ہیں چلیں جی بہت ہوگئی تنقید اس سے پہلے کہ جوہی غصہ ہوجائے باقی کہانیوں پر تبصرہ کرتی ہوں۔ "مل گیا بجن" علیزہ کا کردار بہت اچھا لگا۔ ویسے وہاج کو اتنا بدگمان نہیں ہونا چاہیے تھا اور دوسرا مکمل ناول جس کا مجھے نام سمجھ نہیں آیا۔ بہت ہی انٹرسٹنگ لگا۔ اچھی کاوش تھی رائٹر صاحبہ کی۔ ناولٹ بھی اچھا تھا۔ علی کا کردار اچھا لگا۔ باقی افسانے طبیعت خرابی کے باعث نہیں پڑھے۔ "عالم میں انتخاب" اور "بزم سخن" میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔ "شوخی تحریر" اسلم حیات، صنوبر ملک، مہوش اور ماریہ کنول کے علاوہ اور سب نے بھی بہترین اور عمدہ لکھا۔ "حسن خیال" تبسم بشیر جانو میری کوئی آپی نہیں ہے بلکہ میں ہی سب بہنوں اور بھائیوں سے بڑی ہوں اور سالگرہ میری اپنی اور میری دوست کی تھی آپ نے وش کیا مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کی بھی دس مارچ کو سالگرہ ہے تو میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو اور ہمیشہ خوش رہو اور ہنستی مسکراتی رہو آمین۔ اقرا اجٹ سالگرہ وش کرنے کا شکریہ۔ ام ہانی میں ٹھیک ہوں بھی اور نہیں بھی میرے سیدھے ہاتھ میں فریکچر ہوگیا ہے، پر اس کے باوجود بھی خط لکھ رہی ہوں باقی تبصرے سب کے شاندار اور لاجواب تھے، "دوست کا پیغام آئے" جنہوں نے یاد رکھا ان کا بہت بہت شکریہ۔ عائشہ شکیل آپ ان شاء اللہ جلد از جلد ٹھیک ہوجائیں گی آمین۔ اچھا باجی اللہ حافظ۔ آخر میں جوہی جانو کے نام شعر۔

کانٹوں کے بدلے پھول کیا دو گے

آنسوؤں کے بدلے خوشی کیا دو گے
ہم چاہتے ہیں عمر بھر دوستی کا وعدہ
تو بتاؤ اس سوال کا جواب کیا دو گے

☆ارم ڈیئر! تم ہی بتاؤ تم کیا لوگی اور تمہاری دوستی قبول ہے دل و جان سے۔ رانیہ نے جیولری پہننے سے انکار کردیا تھا اب ہم زبردستی تو کرنے سے رہے ورنہ بے چاری کے بال اور کپڑے خراب ہوجاتے۔

اقرأ ممتاز...... سرگودھا میری پیاری جوہی آپی اور حجاب فرینڈز کو محبتوں بھرا اسلام ہو۔ جوہی آپی ایک دفعہ پھر آپ کی محفل میں شرکت کررہی ہوں، امید ہے تھوڑی سی جگہ مل جائے گی۔ ٹائٹل گرل رانیہ خان کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ "آنگن کی چڑیا" میں ماہا بشیر حسین سے ملاقات کی۔ ماہا آپ کے جوابات سے اندازہ ہوا ہے کہ آپ کو اپنی بہن تبسم بشیر سے کتنی محبت ہے۔ سب سے پہلے اپنا فیورٹ ناول "عشق دی بازی" پڑھا۔ دھماکے دار قسط تھے۔ شاہ زر شمعون اب تمہیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔ سمہان اور عیشال کو کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ ریحانہ آفتاب میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ "چشم فسوں گر" بیسٹ اسٹوری تھی۔ موسیٰ اور حنا نے علی کو بیٹا سمجھ کر پالا۔ دنیا میں ابھی بھی موسیٰ اور حنا جیسے اچھے لوگ ہیں۔ "مل گیا بجن" کھٹی میٹھی اسٹوری تھی۔ علیزہ اور وہاج کی نوک جھوک سے خاص لطف اندوز ہوئے۔ وہاج تمہاری سوچ کتنی غلط تھی۔ علیزہ کو تم نے کتنا تڑپایا۔ "زندگی کے ساتھ دور تک گئے" اس ماہ کی نمبر ون اسٹوری تھی۔ خدیجہ گل نے بروقت اچھا فیصلہ کرکے اپنی آخرت سنوار لی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ نور چوہدری دیکھ لو تم۔ نے اپنا نام نور سے نورے رکھا۔ اب نورے وقاص کی بھی انٹری ہوگئی ہے۔ "عالم میں انتخاب" میں پروین افضل شاہین، ماہا بشیر کا انتخاب پسند آیا۔ "شوخی تحریر" ثناء جاوید، مہوش اور رانیہ اینڈ امبرین سہیل نے بیسٹ لکھا۔ "حسن خیال" میں نور چودھری کی کمی محسوس ہوئی۔ میں تو حجاب لیتی ہی نور چودھری کی وجہ سے ہوں۔ ام ہانی، فرخندہ آرائیں، اقرا اجٹ، تبسم بشیر، ماہا بشیر اور عائشہ شکیل سب بہنوں نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی۔

ام ھانی شاھد...... ڈگری میری پیاری سی جوہی کو محبتوں بھرا اسلام، جوہی تمہاری اتنی محبت اور امی کے لیے دعاؤں نے مجھے حجاب سے دستبردار ہونے ہی نہیں دیا۔ اتنی محبت (رلاؤ گی پگلی کیا) جوہی تمہاری محبت میں ایک شعر عرض کرتی ہوں۔ ارے کان ادھر کرو (شاباش)

کوئی اتنا پیارا کیسے ہوسکتا ہے
پھر سارے کا سارا کیسے ہوسکتا ہے

حجاب میڈم انتظار کروا کر دس تاریخ کو تشریف لائیں۔ حجاب دن بہ دن نکھرتا جارہے ہیں (خیر حجاب پر حسین عورت آپس کی بات ہے) لڑکی موجود تھی سمپل سی اچھی تو لگی مگر دوپٹہ ہوتا تو اسلامی ملک کی پہچان ہوتی۔ خیر ہم کیا کرسکتے ہیں ماڈل کی اپنی مرضی ہے۔ "بات چیت" میں آنی قیصر کو دوسروں کے لیے پریشان دیکھا، ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم بڑھتا جارہا ہے اور ہم کچھ کر بھی نہیں پارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں رہنے والے تمام مسلمانوں کی حفاظت کرے آمین۔ آنی آپ نے عورت مارچ کے بارے میں کچھ نہیں کہا، آج کل ہمارے ملک پر عورت مارچ کی وجہ سے مصیبت آئی ہوئی ہے۔ "حمد ونعت" کالج میں ساری دوستوں کو پڑھ کر سنائی۔ سب کو بہت پسند آئی۔ "آنگن کی چڑیا" میں ماہا بشیر کو پڑھ کر اچھا لگا۔ ماہا تم مجھے بالکل میری بہن جیسی لگیں، اب تمہیں بہن کہا، ڈانٹ کھانے کے لیے تیار رہنا (ہاہاہا) مذاق کررہی ہوں پگلی۔ آنکھیں مت گھماؤ، سلسلے وار ناول میں "عشق دی بازی" چودھری جہانگیر کو گولی سے نہیں بم سے اڑانا چاہتی ہوں۔ ناول پڑھ کر مجھے اتنا غصہ اور رونا آیا ہے کہ کیا بتاؤ۔ پورا دن میرا موڈ آف رہا۔ میرے بھائی نے بھی پوچھا کہ ہانی کو کیا ہوا ہے سمہان اور عیشال مرنے نہیں چاہیے۔ ریحانہ آپی اگر یہ دونوں مرگئے تو میں کہانی کا بائیکاٹ کردوں گی۔ "عشق نگر کے مسافر" اب اس کہانی کو ختم ہوجانا چاہیے۔ میرے خیال سے کیوں کہ پڑھ کر بالکل بھی مزہ نہیں آتا اور انسان بوریت کا شکار بھی ہوجاتا ہے جیسے کوئی شیر ہرن کا شکار کرتا ہے ہاہاہا "میرے بن کرآؤ" (کس کے؟) یہ کہانی کو اگنور کردیا۔ سلسلے اور پڑھنے کو دل نہیں کرتا "دل کو کس کا ملال تھا" عائشہ نے جو فیصلہ کیا بہت اچھا کیا۔ شرجیل کو تو اتنا مارا جائے کہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اذان یہ ہوئی نہ بات تم نے عائشہ کو اپنے آفس میں جاب دے دی گڈ جاب، نعمان

جیسے کہ ہمارا معاشرہ کہتا ہے کہ بیٹے سہارا ہوتے ہیں لیکن نعمان تو دم دبا کر بھاگ گیا (لعنت ہو ایسے بیٹوں پر) افسانوں کی لسٹ دیکھ کر منہ میں پانی آ گیا۔ واپس سوری خوشی میں کچھ زیادہ ہی منہ سے نکل رہا ہے (ہاہاہا) ''محبت اب نہیں ہوگی'' اور میں ادھورا چاند کہانی سیڈ رہی۔ ''جذبہ شوق'' اور ''بدگمانی'' بھی اچھی رہی امید سحر سو سو لگی۔ مکمل ناول میں ''زندگی کے ساتھ دور تک گئے'' پڑھی۔ ایماؤ جس طرح مسلمان ہوئی اور اپنا نام خدیجہ گل رکھا، اچھا لگا گڈ اسٹوری ''مل گیا بجن'' سو سو رہی ''چشم فسوں گر'' پڑھ نہیں پائی (سوری) مستقل سلسلے ''بزم سخن'' میں منزہ اقبال، اسماء بنت سعد، صنم چوہدری، رخسانہ ندیم، شاہدہ ناز، کہکشاں وقار، مدیحہ فرقان، فضا شاہین کے اشعار سپر ب تھے۔ سب نے اچھا لکھا ''کچن کارنر'' (آہم آہم آہم) خوشبوئیں ہمیشہ کی طرح لاجواب تھیں، کچن کا کام تو تھوڑا بہت میں کر ہی لیتی ہوں لیکن کوکنگ نہیں کر سکتی۔ نوڈلز اور چائے بہت اچھی بنا لیتی ہوں، بلیوحی ایک بار بھائی نے چائے بنوائی تھی ایک گھونٹ پی کر بہت تعریف کی تھی اور باقی چائے واش بیسن میں گرا دی تھی (ہاہاہا) تو اندازہ ہوا کہ میں چائے کتنی اچھی بناتی ہوں۔ (ہاہاہا) ''عالم میں انتخاب'' پروین افضل، ماہا بشیر، تحریم سعد، ارم صابرہ، جویریہ ضیاء، زہرہ احمد، تبسم چوہان نے زبردست لکھا۔ شوخی تحریر اسلم حیات، شبیر احمد، مہوش، بتول زہرہ، دانیہ اینڈ ثانیہ نے دھوم مچائی ''حسن خیال'' تبسم بشیر تمہاری سالگرہ تھی پچھلے مہینے سو ہیپی برتھ ڈے ٹو مائے ڈیئر سویٹ فرینڈ ماہا بشیر اور عائشہ شکیل (کیسی ہو یار تم) اقراء جٹ، جویریہ وسمی تم سب بہت اچھی ہو یار فرخندہ آرائیں سب نے بہت اچھا لکھا ''دوست کا پیغام آئے'' کسی نے یاد نہیں کیا پر کوئی بات نہیں نور اس بار تم کہاں غائب تھیں، ارم آصف، رمشاء آصف تم دونوں بھی کہاں گم تھیں، بولو ماہا بشیر، جتنا پیار تم تبسم سے کرتی ہو اتنا ہی میں اپنی آپی سے کرتی ہوں۔ ہم دونوں میں سارا دن نوک جھوک چلتی ہی رہتی ہے تم بتاؤ بہت گوری ہو رہی ہو کون سی کریم لگا رہی ہو، کہیں فائزہ بیوٹی کریم تو نہیں (ہاہاہا) آپ سب اپنا خیال رکھیے گا پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

☆ پیاری اُم ہانی! محفل میں دیکھ کر خوشی ہوئی ہم نے رانیہ کو دوپٹہ دیا تھا پر اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا میری مرضی...... ہم اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

رمشا آصف...... خلانگڑھ پیاری جو ہی سدا جیتی رہو۔ اس بار حجاب دس تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل گرل بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ اسے حجاب اوڑھا دیتی تو کچھ پیاری لگتی۔ ''بات چیت'' میں آنی ہمیشہ کی طرح میٹھا اور لاجواب انداز بیاں لیے حاضر تھی۔ ''آنگن کی چڑیا'' ماہا بشیر کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ سوال کم تھے لیکن جوابات اچھے تھے۔ شرارت والا سوال تو ضرور لکھتی آپ۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' (کسی کا نہیں) عائشہ اذان کے آفس میں جاب کرے گی۔ اذان عائشہ کو پسند کرنے لگے گا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ وہ صابر کی بیٹی ہے اسے چھوڑ دے گا۔ یقیناً مجھے تو لگتا ہے ایسا ہی ہوگا۔ ''عشق دی بازی'' آپی پلیز سمہان اور عیشال کو کچھ مت ہونے دیجئے گا۔ ''مل گیا بجن'' میں علیزہ کی شرارتوں کو خوب انجوائے کیا (دا بیسٹ اسٹوری آف دی منتھ) ''عشق نگر کے مسافر'' اس اسٹوری میں تو بے حیائی اور بے غیرتی دونوں ہی شامل ہیں۔ ندا حسنین جی اس اسٹوری کا جلد ہی اختتام کر دیں گی تو مہربانی ہوگی۔ ''میرے بن کرآؤ'' (کیوں) نہایت ہی بورنگ اسٹوری ہے آپ کو کس نے مشورہ دیا تھا اس کہانی کو شائع کرنے کا۔ ''چشم فسوں گر'' ناولٹ اچھا تھا۔ ''زندگی کے ساتھ دور تک گئے'' اچھی نہیں لگی۔ یہ اسٹوری ''جذبہ شوق'' میں ''ادھورا چاند'' دونوں افسانے اچھے لگے۔ ''محبت اب نہیں ہوگی'' مونا شاہ قریشی جب بھی لکھتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ ''بدگمانی'' بہت اچھا افسانہ تھا۔ ''ادب ادیب'' ''امید سحر'' دونوں افسانے بورنگ تھے۔ ''بزم سخن'' نجم انجم، ندا یاسین، صنم چودھری، فرزانہ زین، زویا ظفر، کوثر ناز کے اشعار اچھے لگے۔ کچن کارنر پڑھا ہی نہیں ہے۔ ''عالم میں انتخاب'' پروین افضل شاہین، فرخندہ آرائیں، ماہا بشیر، کرن آفتاب، تحریم سحر، ہما حسن اور زینب ملک کا انتخاب اچھا لگا۔ ''شوخی تحریر'' میں سب نے بہت اچھا لکھا۔ ''حسن خیال'' سے تبسم بشیر، ماہا بشیر، عائشہ شکیل، ام ہانی، جویریہ وسمی نے بہت بہت اچھا لکھا۔ ''دوست کا پیغام آئے'' ام ہانی اور عائشہ شکیل یاد کرنے کا شکریہ۔ اس ماہ ''حسن خیال'' میں نور چودھری کی کمی تھی۔ ام ہانی وہ بہنوں والی بات میں نے آپ سے نہیں نور چودھری سے پوچھی تھی۔ پہلے تو مجھے یہ لگا کہ خط نور چودھری کا ہے لیکن جب ڈیئر ہانی پڑھا تو یقین ہوا کہ یہ خط آپ کا ہی ہے (نیور مائنڈ) اوکے، ہمیشہ خوش رہو، چلیں جی اب چلتے ہیں یہ نہ ہو کہ تنقیدی تبصرے کے ساتھ جگہ ہی نہ ملے۔ جو ہی آپی آپ کے نام ایک شعر۔

اب ہوتا ہے تیرے بغیر

فقط گزارہ نہیں ہوتا

سب ہمیشہ خوش رہو، اللہ حافظ۔

☆ پیاری رمشا! سلسلے وار ناول پر اتنا غصہ، میرے بن کرآؤ کی اس بار آخری قسط ہے اب تو خوش۔

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات پیاری جو ہی السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب پڑھنے والے کیسے ہیں جو ہی جی آپ بہت اچھی ہیں جو مجھے اپنی محفل میں جگہ دیتی ہیں۔ بہت اچھا لگتا ہے ''حسن خیال'' میں اپنا نام دیکھ کر اس ماہ کا ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ ''حمد و نعت'' دونوں ہی بہت پسند آئی۔ ''بات چیت'' میں آنی کی باتیں دل کو لگیں، جو ہی جی اب ''بات چیت'' میں آپ حدیث کیوں نہیں لکھتے پھر بڑھے اپنے فیورٹ ناول ''عشق دی بازی'' یہ ناول اب بہت انٹرسٹنگ ہو گیا ہے۔ شکر ہے ماورا اور ایشان کا نکاح ہو گیا، ایشال کو اس کی محبت تو مل گئی، انشراح بیچاری ایشال کے خواب دیکھتی رہی اور ایشان کا نکاح ہو گیا۔ ایشان کو اس کی محبت تو مل گئی۔ ایشان ماورا کا ہو گیا۔ واہ واہ مزہ آ گیا۔ ''عشق نگر کے مسافر'' نجل کا بھی راز کھل گیا یاور بخت تیرے ساتھ تو ٹھیک ہوا تو نے محبت پر یقین نہیں کیا تھا اب بھگتو نتیجہ، مجھے لگتا ہے جو فیروز ہے ناں اس کا پورا نام عاصم فیروز ہے۔ ارسل اور حماد صبیحہ اور عاصم کے بچے ہیں۔ اب پتا نہیں ندا آپی کیا کرتی ہیں۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' شرجیل کو تو سچی عائشہ سے محبت ہو گئی ہے نادیہ آپی ناول کو زیادہ لمبا نہ کریں، زیادہ لمبا ہو گیا تو مزہ نہیں آئے گا۔ ''میرے بن کرآؤ'' سیما بنت عاصم آپ کا ناول بہت اچھا ہے۔ حمیدہ کا کردار، میرا فیورٹ ہے حمیدہ جی آپ سعد بن مصطفیٰ سے محبت کرنے لگی ہو پاگل وہ شادی شدہ ہے تین چار بچوں کا باپ تم اس سے محبت کر رہی ہو۔ حمیدہ کبھی سعد بن مصطفیٰ کی بیوی سے ملنا وہ تمہارا محبت کا بھوت اتارے گی۔ (ہاہاہا) افسانوں کی دنیا میں اس بار فرح طاہر، قرۃ العین سکندر، زینب ملک، فرح انعم، عائشہ تنویر نے سب سے بیسٹ لکھا۔ مستقل سلسلوں میں ''بزم سخن'' میں اعلیٰ سے اعلیٰ شعر تھے سب۔ ''کچن کارنر'' میں سب کچھ پڑھنے کی حد تک اچھا تھا، ''عالم میں انتخاب'' سب کے انتخاب زبردست ''شوخی تحریر'' میں ہما ذوالفقار آپ بہت اچھی ہیں، ہر ماہ مجھے اپنی محفل میں جگہ دیتی ہیں۔ پیاری جو ہی آپ اچھوں کی سردار ہیں۔ (ہاہاہا) آپ بھی اپنی محفل میں مجھے شامل کرتی ہیں۔ ''دوست کے پیغام'' میں جن جن بہنوں نے یاد کیا شکریہ۔ نور چودھری جی آپ نے پوچھا تھا کہ مجھے پوسٹنگ کروانے میں کیا مسئلہ ہے تو جناب ہمارے گاؤں میں پوسٹ آفس نہیں ہے۔ پوسٹنگ کے لیے شہر جانا پڑتا ہے جو کہ بھائی کبھی کبھی ہی جاتی ہیں۔ جب کوئی کام ہوتا ہے، میری بھابی ہی میری پوسٹنگ کرواتی ہیں اور کوئی بھی نہیں کرتا سب جاہل ہیں ہاہاہا۔ پھر اچانک ہی بھابی کا پروگرام بن جائے تو پھر سارا تبصرہ نہیں لکھ پاتی، اسی لیے مختصر لکھتی ہوں۔ جویریہ وسمی، گلشن چودھری، ماہ رخ، ماریہ آصف، نور چودھری، ماریہ نیر، سب کو سلام۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

☆ پیاری ثمرہ! افسانوں میں آپ کو فرحی نعیم کا افسانہ بھی پسند آیا جب کہ وہ محفل میں شامل ہی نہیں ہو سکیں۔ خیر آپ کی آمد ہی ہمارے لیے بہت ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر اس بار حجاب ذرا لیٹ ملا پھر بھی چودہ تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں۔ سرورق دیکھ کر دل یہ کہنے پہ مجبور ہوا۔

رات اکثر مجھ سے یہ سوال کرتی ہے
کون ہے تیرے دل میں جو سونے نہیں دیتا

قیصر آرا آپا ''بات چیت'' میں درست فرما رہی تھیں کہ اس مملکت خداداد پاکستان کو اللہ سبحان و تعالیٰ کے حکم سے معرض وجود میں آنا تھا تو تمام تر مخالفت کے بعد بھی دنیا کے نقشہ پر پہلے اسلامی ملک کی حیثیت سے نمودار ہوا اور تمام دشمنوں کی منظم سازشوں کی باوجود الحمدللہ آج تک قائم و دائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت اس کا وجود برقرار رہے گا۔ ہمیں اپنی آزادی اور اس مملکت خداداد کی قدر کرنی چاہیے۔ ''حمد و نعت'' پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا۔ اس بار ''آنگن کی چڑیا'' میں ماہا بشیر حسن تھی۔ ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ''بزم سخن'' میں صنم چوہدری، حنا سلیمان، فضا شاہین، رباب فاطمہ، نجم انجم اعوان، ماہ رخ، ثمینہ گلزار۔ ''کچن کارنر'' میں نزہت جبیں ضیاء۔ ہالہ سلیم، ''عالم میں انتخاب'' میں عائشہ شکیل، ارم صابرہ، ''شوخی تحریر'' میں بتول زہرہ، ثانیہ الطاف، حسن خیال میں تبسم بشیر حسین، عائشہ شکیل، ام ہانی، اقراء جٹ، جویرہ وسمی، فرخندہ آرائیں۔ ''دوست کا پیغام آئے'' میں ام ہانی شاہد، عائشہ شکیل چھائیں

رہیں۔ جویریہ وسیم، ام ہانی شاہد، تبسم بشیر حسین، عائشہ شکیل، میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔ اقرا ٔجٹ آپ نے منیب الحسن کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوگا۔ مجھے یقین ہے آپ سچ بول رہی ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر تحریر ضروری نہیں کہ شائع ہو۔ اللہ حافظ۔

سید تبسم بشیر حسین...... ٹنگہ بہت پیاری جوہی اور قیصر آرا آنی السلام علیکم! کیا حال ہے امید ہے کہ خیر و عافیت سے ہوں گی۔ اس ماہ کا حجاب نو تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل پر رانیہ خان بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ رانیہ میری موسٹ فیورٹ ہیں، آپ لوگ ان کے ٹائٹل بہت کم لگاتے ہیں۔ "بات چیت" تھیس تاریخ کے حوالے سے خوب رہی۔ "حمد و نعت" ذہن و روح کی مکمل غذا "آنگن کی چڑیا" میں میری چڑیا براجمان تھی۔ سو کیوٹ مانو چاروں سلسلہ وار کو ٹوٹل اگنور کردیا اور پڑھا "چشم فسوں گر" نائلہ طارق کافی وقت بعد آئیں، یہ میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ ان چاروں سلسلہ وار سے تو ان کا "شب آرزو تیری چاہ میں" اچھا تھا۔ خیر ناولٹ کافی مزے دار تھا۔ "مل گیا بجن" پیاری شازیہ مصطفیٰ کہاں تھیں آپ اتنے عرصے سے؟ مکمل ناول پڑھ کر سوا آ گیا۔ اب آتی جاتی رہیے گا۔ "زندگی کے ساتھ دور تک گئے" بینا عالیہ، غالباً نئی ہیں پر کافی اسٹرونگ لکھا، اب قلم سے تعلق جوڑے رکھیے گا۔ افسانے دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ کس کا نام لوں میرا خیال ہے کسی ایک کا نام لینا ناانصافی ہوگی۔ مستقل سلسلے "بزم سخن" میں سمیعہ عثمان نے ایک بار پھر مجھے جگہ نہ دی۔ اس دفعہ آخری بار کوشش کر رہی ہوں اگر جگہ نہ دی تو میں نے دوبارہ نہیں لکھنا۔ دیکھیے نا جوہی میں ہر ماہ شرکت کرتی ہوں، حالانکہ حالات اجازت نہیں دیتے مگر میں حجاب سے دور نہیں رہتی تو میرا تو سب سے زیادہ حق ہے ناں؟ چلیے چھوڑیے ندا یاسین، ثمینہ گلزار، نور ایمان، سکینہ امتیاز کوثر ناز، میمونہ خان، مدیحہ فرقان کے اشعار پسند آئے۔ "کچن کارنر" سے فرخندہ آرائیں، صبا جاوید، بنیش چوہان، "عالم میں انتخاب" اس ماہ زینب نے بھی مجھے باہر کا رستہ دکھا دیا۔ پروین افضل، فرخندہ آرائیں، طلعت نظامی، ماہا بشیر، تحریم سعد، ارم صابر، جویریہ ضیاء، ہما حسن، کنول حفیظ، زہرہ احمد (آئی لو جون ایلیا) تبسم چوہان کا انتخاب لاجواب تھا۔ "شوخئ تحریر" یہاں بھی میرا نام و نشان نہ تھا۔ اسلم حیات، ثنا جاوید، مہوش، ماریہ کنول، نور شیخ، تحسین انصاری کے انتخابات پسند آئے۔ "حسن خیال" واقعی مصنفین کو دل بڑا کرنے کی ضرورت ہے۔ نور چودھری کی مسکراہٹوں کے بغیر محفل ادھوری لگی۔ (کہاں ہو جانو؟ اس دفعہ کسی سلسلے میں نظر نہیں آئیں خیریت؟) عائشہ شکیل چلو تم تو ہو۔ ایک بہن نہیں آئی تو ایک ہی سہی۔ تبصرہ پسند آیا۔ نور میں ناراض، اقرا ٔجٹ، ام ہانی، جویریہ وسیم، فرخندہ آرائیں سب کے تبصرے لاجواب تھے۔ میرے علاوہ "دوست کا پیغام آئے" ملیحہ نے بھی نکال دیا۔ پیاری مانو آئی لو یو ویری ویری مچ ام ہانی میں تمہاری دعا سے بالکل ٹھیک ہوں۔ آج کل ٹیچنگ کر رہی ہوں۔ دعا کریں کامیاب ہو جاؤں آمین۔ پیاری جوہی آخر میں ایک سوال ہے لازمی سے بھی لازمی جواب دیجیے گا کہ نائلہ طارق کی "شب آرزو تیزی چاہ میں" کیا کتابی شکل میں آ گئی ہے۔ اگر ہاں تو اس کی قیمت بتا دیجیے ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔ ثنا فرحان کو سلام۔

☆ پیاری تبسم! "شب آرزو تیری چاہ میں" مارکیٹ میں دستیاب ہے اور قیمت سن کر پلیز لکھنا مت چھوڑ دینا ورنہ...... تم جانتی ہوناں میں نازک دل کی مالک ہوں۔ اس لیے قیمت لکھتے ہوئے بھی ہاتھ کپکپا رہے ہیں اور دل ڈول رہا ہے۔ تم بھی دل تھام لو اور قیمت دیکھ لو پورے بارہ سو، اب بتاؤ دل کہاں ہے؟

اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت، ہم سب مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ہم سے راضی ہو جائے، جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرمائے آمین۔

www.naeyufaq.com

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

حجاب کی پریوں کے نام

السلام علیکم! ملیحہ آپی اینڈ حجاب قارئین کیسی ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ ملیحہ آپی پہلی بار آپ کی محفل میں آئی ہوں اور اس امید سے کہ آپ ہمیں ضرور شامل کریں گی۔ پلیز آپی ہماری امید مت توڑیں۔ رمشا اینڈ ارم آصف، مائی لولی ڈیئر سسٹرز کیسی ہیں آپ، رمشا جی آپ کو کس نے کہا کہ آپ کو کوئی یاد نہیں کرتا (ہم ہیں ناں) سویٹی آپ کو یاد کرنے کے لیے خوش ہو جاؤ اور جلدی سے اسمائل پاس کرو۔ ہاں یہ ہوئی ناں بات پیاری لڑکی اور ارم جی کیسی ہیں آپ اور تھیس فروری کو آپ کی سالگرہ تھی، ڈیئر ہماری طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور آنے والا نیا سال آپ کے لیے بہت ساری خوشیاں لے کر آئے آپ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو، آئی لو یو سو مچ رمشا اینڈ ارم۔ ام ہانی شاہد ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے پیاری لڑکی آپ کی سسٹر کا رشتہ پکا ہوا ہے، بہت مبارک ہو آپ کو اور آپ کی سسٹر کو (لو یو ہانی) عائشہ شکیل یار اپنا خیال رکھا کرو ہمیں فکر ہوتی ہے آپ کی ڈیئر جی۔ ماہا بشیر بڑے دنوں بعد آئی ہو آپ کہاں مصروف رہتی ہو اور تبسم بشیر مجھے بھی یاد کر لیا کرو۔ تبسم جی جتنا پیار آپ نور سے کرتی ہو اس سے زیادہ ہم آپ سے پیار کرتی ہیں، پتا نہیں کیوں آپ ہمیں اتنی اچھی لگتی ہو۔ امن منال، امن یار کیسی ہو ڈیئر آپ کہاں گم ہو نظر ہی نہیں آتیں آپ نہ حجاب اور نہ ہی آنچل میں (پلیز کم بیک ٹو حجاب اینڈ آنچل) اینڈ آئی لو یو سو مچ لولی سسٹرز اپنا خیال رکھنا اوکے۔ ہماری سویٹ سی شانزہ شانو کیسی ہو مائی ڈیئر آج کل نظر ہی نہیں آتی کہاں گم ہو بھئی آپ، اچھا شانو جی آپ نے ٹک ٹاک گرل فریال فری کو دیکھا ہے۔ ہم جب بھی اسے دیکھتی ہیں ہمیں وہ بالکل تمہاری طرح لگتی ہے۔ پتا نہیں کیوں تم دیکھنا اور بتانا کہ وہ تمہاری طرح لگتی ہے کیا اور پلیز انٹری دو آنچل اینڈ حجاب میں ادھورا لگتا ہے حجاب اور آنچل آپ کے بغیر لو یو سو مچ اینڈ مس یو۔ شانو ہماری پیاری سی مدیحہ نورین مہک کیسی ہو جان اور کیسی گزر رہی ہے میرڈ لائف۔ ہماری دعا ہے اللہ پاک سے کہ آپ ہمیشہ خوش رہو، اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے آمین ثم آمین۔ ہمیں تو یقین بھی نہیں ہوتا کہ آپ کی شادی ہوگئی ہے۔ پلیز ہم سب فرینڈز کو نہ بھولنا، اینڈ آئی لو یو مائی سویٹی مدیحہ۔ رقیہ ناز، فائزہ بھٹی، فائزہ شاہ کرن شہزادی، آپی انجم اینڈ نورین انجم، گلشن چودھری، ماریہ نذیر، صائمہ مشتاق، اقرا ممتاز اقرا ٔجٹ، جاذبہ عباسی، افشاں سراج، روبینہ کوثر آپی (لبستی ملوک) (کیسی ہیں آپ آپی جی اور دعا پرنسز کیسی ہے) انعم زہرہ، رابعہ اینڈ تحریم بھٹی، یاسمین، انیلا طالب، آپی پروین شاہین، ایم سحر، امن ملک، زرناب خان، ہم آپ سب فرینڈز کو بہت یاد کرتی ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھنا ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اور آپ سب کو ہماری پرنسز ایمان فاطمہ (بھتیجی) سلام کہہ رہی ہے۔ وہ آپ سب کو بہت پسند کرتی ہے۔ اچھا اب ہم چلتی ہیں اللہ حافظ۔

(حرا گل اینڈ ایمن غور...... خانیوال)

فرینڈ کے نام

حجاب کی تمام پریوں کو ثمرہ کا سلام قبول ہو فاطمہ ظفر اینڈ عشرت فاطمہ آپ دونوں کی مارچ میں برتھ ڈے ہے تم دونوں کو مبارک ہو۔ تم دونوں جیو ہزاروں سال، کوئی غم تم دونوں کے پاس سے بھی نہ گزرے آمین۔ کنجوسوں اب مجھے کیک بھی کھلانا ہے تم دونوں نے ویسے امید تو نہیں ہے کیونکہ تم دونوں ہو ہی سدا کی کنجوس ہاہاہا، آپی ماہ رخ سیال پانچ فروری کو آپ کی بھی برتھ ڈے تھی۔ آپ کو بھی مبارک ہو آپ پھولوں کی طرح مہکتی رہیں، ہمیشہ آپی جویریہ وسیم کی طرف سے بھی مبارک آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔ تبسم بشیر بیٹا آپ کی شہزادی بہنا ماہا کم کیوں حجاب میں شرکت کرتی ہیں۔ آپی جویریہ وسیم آپ کہاں ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ آپ لکھنا مت چھوڑیے گا، ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے آپ کے آنے سے حجاب کی محفل کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ آپی مکھن نہیں لگا رہی آپ بہت پیاری ہیں میری طرح ہاہاہا آپ کے نام۔

تجھے نہ پڑھوں تو چین مجھے آتا نہیں ہے
اک تیرے سوا کوئی اور مجھے بھاتا نہیں ہے

آپی جویریہ آپ ایک عالمہ ہیں، ہمیں بھی اپنی جیسی عالمہ بنا دیں ناں۔ آنٹی کوثر آپ بہت اچھی ہیں، آپ کے بات کرنے کا انداز بھی بہت پیارا ہے۔ آپی نجمہ نذیر آپ بے بی کے ساتھ اس قدر مصروف ہیں کہ اب آنچل و حجاب میں شرکت بھی نہیں کرتیں، اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ عائشہ شکیل تم تو کسی کو لفٹ ہی نہیں کرواتیں، گلشن چودھری حجاب میں بھی شرکت کیا کرو مبارک ہو اچھے مارکس کی مٹھائی تو بنتی ہے ناں، ام ہانی تمہارا نام بہت پیارا ہے اقرا ممتاز جی آپ کیسی ہیں نور چودھری آپ کی اسٹڈی کیسی جا رہی ہے آپ ہنستی بہت زیادہ ہیں ہمیشہ ہی ہنستی رہیں، اقرا ٔجٹ، شازیہ ہاشم آپی آپ کہاں غائب ہیں کیونکہ ہم آپ کی کمی محسوس کرتے ہیں، آپی حنا ارشد آپ تو ایک سال سے غائب ہیں کیوں نہیں لکھتی آپ انعم خضر، شانزہ شانو، ڈاکٹر زارا آپ سب کیوں نہیں لکھ رہی ہیں۔ آپی سدرہ آپ کی مس یو آپی، سلمیٰ آپ بہت اچھی ہیں، میری پوسٹنگ جو کرواتی ہیں، مکھن تو لگانا پڑتا ہے، فاطمہ ظفر، عشرت فاطمہ ماہ رخ سیال، میرے سویٹ بھتیجے علی رضا اور بہو کی سالگرہ کے حوالے سے شعر۔

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری کہ ایسا دن مبارک بار بار آئے
تمہاری ہستی ہور، ہور، ہور میں
ہزاروں لاثانی بہار آئے (آمین)

(ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات)

اپنی دوستوں کے نام

میری پیاری لاڈلی مسز فریدہ جاوید فری! آپ کا بھتیجا منیب الحسن بہت شرارتی ہوگیا ہے۔ آپ جب فون پر ویڈیو کال سے بات کررہی ہوتی ہیں تو یہ موبائل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے بس میری پھوپو کو اس سے نکال کر میرے سامنے لے کر آؤ۔ آپی آپ خوش خوش رہا کریں، اللہ آپ کو مکمل صحت دے آمین۔ اقراُ جٹ واقعی آپ کا تو منیب الحسن سے ڈبل ڈبل رشتہ ہے۔ ام ہانی! جی ہاں آپ کا بھانجا ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ہے۔ جویریہ دمی! آپ سنائیں کیا حال احوال ہیں آپ کے؟

(پروین افضل شاہین...... بہاولنگر)

کھلکھلاتی کلیوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو سب؟ ام ہانی میں ٹھیک ہوں۔ ڈیئر عائشہ شکیل ایسی مایوسانہ باتیں نہیں کرتے۔ ان شاءاللہ آپ جلد صحت یاب ہوجائیں گی۔ عائشہ شکیل آپ نے مجھے فرینڈ شپ کا کہا تھا۔ اب پکی والی دوستی، نور چودھری برتھ ڈے مبارک ہو۔ عائشہ شکیل آپ کی برتھ ڈے کب ہوتی ہے؟ ضرور بتانا پلیز، تبسم بشیر آپ کو بھی برتھ ڈے مبارک ہو۔ سدا خوش رہو۔ آپ کی امی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ ماہا اور تبسم کو سلام۔ پروین افضل شاہین میں ٹھیک ہوں، اقراُ جٹ میں ٹھیک ہوں، والسلام فرخندہ آرائیں آپ کیسی ہو؟ جویریہ دمی آپ نے مجھے باربی ڈول کہا، مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا (ہاہاہا) اور میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ماہا بشیر، تبسم بشیر، جویریہ دمی اور اقراُ جٹ مجھے آپ سب سے دوستی کرنی ہے۔ پلیز میرا دل مت توڑنا، میری پیاری دوست نگینہ کی برتھ ڈے تیئیس مارچ کو اور رضوانہ کی برتھ ڈے پندرہ مارچ کو تھی۔ (دونوں کو منی منی ہیپی برتھ ڈے) دونوں سدا شاد رہو اور ہمیشہ خوش رہو۔ میری برتھ ڈے بھی اپریل میں ہے۔ سب مجھے وش ضرور کرنا۔ تبسم بشیر جی برتھ ڈے وش کرنے کا شکریہ۔ ام ہانی والسلام۔ خدا حافظ۔

(رمشا آصف...... خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ)

حجاب فرینڈز کے نام

صائمہ مشتاق تم مجھ سے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں یاد نہیں کیا۔ یہ غلط بات ہے۔ نور چودھری اس دفعہ کہاں غائب تھیں، حجاب میں آپ کی آمد اچھی لگتی ہے۔ اقراُ جٹ وعلیکم السلام، شکر ہے تم نظر تو آئیں۔ فائزہ بھٹی سسٹر کدھر غائب ہیں؟ انیلہ طالب کیا ہو رہا ہے آج کل، تبسم بشیر آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟ ماہا بشیر تم کیسی ہو۔ ام ہانی یہ کیا بات ہوئی کہ یہ اس دفعہ تمہارا آخری تبصرہ ہے۔ یہ غلط بات ہے، خدا آپ کی والدہ کو صحت والی زندگی عطا کرے اور آپ نے حجاب میں ضرور حاضر ہونا ہے۔ ورنہ میں تم سے ناراض ہوجاؤں گی۔ ماریہ نذیر، کرن شہزادی، رقیہ ناز، ایس این شہزادی، ثانیہ الطاف، مدیحہ نورین مہک، سب فرینڈز کو سلام۔ جہاں رہیں خوش رہیں۔

(اقراُ امتیاز...... سرگودھا)

اپنوں کے نام

السلام علیکم سب سے پہلے ان سب دوستوں کا شکریہ جنہوں نے مجھے برتھ ڈے وش کیا اور اس کے بعد ان سب کا شکریہ جنہوں نے مجھے شادی کی مبارکباد دی اور دعاؤں میں یاد رکھا، بہت بہت شکریہ سب کا۔ ام ہانی شاہد آپ بھی جہاں بھی رہیں خوش رہیں ہمیشہ، رمشاء آصف خیر مبارک، بہت شکریہ پیاری۔ رمشا آصف، عائشہ شکیل، ارم آصف، تبسم بشیر اتنی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ بے فکر رہیں سب میں کہیں بھی غائب ہونے والی نہیں ہوں کیوں کہ اب میرے ہزبینڈ وقت پر ہی آنچل و حجاب لا کر دیتے ہیں اور میں پھر سے ہر ماہ آپ سب کے درمیان ہوں گی۔ جویریہ سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو خوش رہو، ہمیشہ آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ ہمیشہ مجھے بھی۔

(مدیحہ نورین مہک...... گجرات)

نور چودھری اور مانو بلی کے نام

تمام پڑھنے اور سننے والوں کو سلام! سب سے پہلے تو نور چودھری اب بس بھی کرو دو یار بچی کی جان لو گی کیا۔ مجھے اتنی محبت کی عادت نہیں ہے، بگڑ جاؤں گی، وظیفہ کے لیے، بہت بہت شکریہ۔ خرید لیا تم نے اس غریب کو۔ سدا خوش رہو آمین۔ تمہارا ہنستا مسکراتا تبصرہ پڑھ کر بے اختیار چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ اللہ تمہیں ہر مقصد میں کامیاب کریں، تم اپنے والدین کے لیے باعث فخر بنو اور تمہارا ہر دن خوشیوں بھرا ہو آمین۔ نور تمہاری اس غریب دوست کے پاس دعاؤں کے علاوہ تمہارے لیے کچھ نہیں پتا ہے رات کو جب سوتے وقت سورتیں پڑھ کر خود پر پھونکتی ہوں تو ایک ایک پھونک تم سب کی طرف بھی بھیجتی ہوں کہ یہ نور کی، یہ شانو کی، یہ ثنا کی، یہ ایم سحر کی، یہ ملیحہ آپی، یہ جوہی آپی، یہ آنی کی پھونک۔ مطلب یہ کہ آپ سب میری جان ہو۔ میری پیاری بہن ماہا! ہماری زندگی آسان تو نہیں مجھے معلوم ہے کبھی کبھی تم بھی میری طرح تھکنے لگتی ہو مگر تمہیں پتا ہے مجھے جو چیز تھکنے نہیں دیتی وہ کیا ہے؟ وہ تو تیرا ساتھ ہے۔ تیری لٹل کیوٹ کیوٹ سی حرکتیں میرے دل کو مرجھانے نہیں دیتی۔ بس تو مجھے کبھی چھوڑنا مت پلیز! میری مانو بلی۔ شانو اور ایم سحر کی لگتی ہے ہم سے کوئی ناراضگی ہے جو یوں بھول بیٹھی ہیں جیسے کوئی گناہ کر کے بھول جاتا ہے۔ (پلیز مائنڈ مت کیجیے گا) ماریہ نذیر، فائزہ بھٹی، ام ہانی، جویریہ دمی، صبا خان، عائشہ شکیل، فرخندہ آرائیں، ام آصف (سالگرہ مبارک) رمشا آصف (بہنیں ہیں؟) پروین افضل، ثمرہ گلزار، افراح آصف، عطیہ ندیم، ثنا فرحان، کوثر خالد، رابی اینڈ تحرین، رقیہ ناز، کیسی ہیں آپ سب؟ پلیز حجاب میں ہر ماہ انٹری دیا کریں، وقاص بھائی تو مستقل ہی غائب ہوگئے ہیں۔ چلیے جی چلتی ہوں، زندگی رہی تو پھر آؤں گی، ارے ہاں نور تمہاری سالگرہ فروری کی کس تاریخ کو ہے؟ میں نے ڈائری میں لکھنی ہے۔ انیلا طالب صاحبہ نے تو بتایا ہی نہیں کہ وہ کس رسالے میں لکھتی ہیں؟ چلیے جیسے ان کی مرضی۔ اللہ حافظ۔ فی امان اللہ۔

(تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ)

www.naeyufaq.com